اسلام میں انسانی حقوق

ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

نام کتاب	:	**الحقوق الإنسانية فی الإسلام**
تصنیف	:	**ڈاکٹر محمد طاہر القادری**
تحقیق و تدوین	:	ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، محمد فاروق رانا (منہاجین)
معاونِ تخریج	:	حافظ محمد عمر (منہاجین)
کمپوزنگ	:	حامد سمیع، عبد الخالق بلتستانی
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملتؒ ریسرچ اِنسٹیٹیوٹ **www.Research.com.pk**
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور
نگرانِ طباعت	:	شوکت علی قادری
اِشاعتِ اوّل	:	**2004**ء
تعداد	:	**1,100**
قیمت	:	**320** روپے (عام کاغذ)
		410 روپے (اِمپورٹڈ کاغذ)

ISBN: 969-32-0228-7

❁❁❁

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو / ویڈیو کیسٹس اور **CDs** و **DVDs** سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لئے **تحریکِ منہاج القرآن** کے لئے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلیکیشنز)

sales@minhaj.biz

مَــوْلَایَ صَـلِّ وَ سَـلِّـمْ دَآئِـمًـا اَبَـدًا

عَـلٰـی حَبِیْبِکَ خَیْـرِ الْـخَـلْقِ کُلِّهِمِ
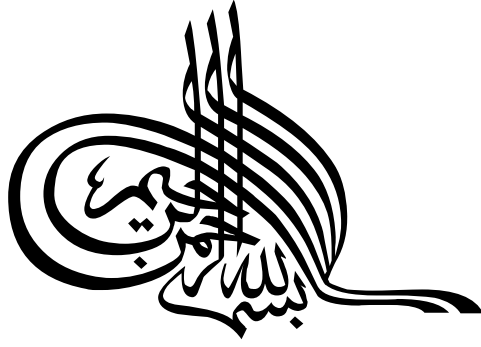
وَ کَــالـصِّـرَاطِ وَ کَــالْمِیْزَانِ مَعْدِلَةً

فَالْقِسْطُ مِنْ غَیْرِهَا فِی النَّاسِ لَمْ یَقُمِ

﴿صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ﴾

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔ا) ۴-۱/ ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل و ایم ۴/ ۹۷۰-۳-۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔ا/ اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت/ اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرس

مشتملات	صفحہ

مشتملات	صفحہ

صفحہ	مشتملات

صفحہ	مشتملات

مشتملات	صفحہ

صفحہ	مشتملات

صفحہ	مشتملات

صفحہ	مشتملات
۳۳۶	ix- عوام کا قومی وسائل سے اِستفادے کا حق
۳۳۷	۱۷۔ غلام کے حقوق
۳۴۰	i- عزتِ نفس کا حق
۳۴۰	ii- رہن سہن میں مساوات کا حق
۳۴۲	iii- ناقابلِ برداشت مشقت سے تحفظ کا حق
۳۴۲	iv- تشدد سے تحفظ کا حق
۳۴۳	v- تعلیم و تربیت کا حق
۳۴۵	vi- اِمامت و سیادت کا حق
۳۴۶	۱۸۔ قیدیوں کے حقوق
	باب سوُم
۳۴۹	خواتین کے حقوق
۳۵۱	اِسلام سے قبل عورت کا معاشرتی مقام
۳۵۳	ا۔ نومولود بچیوں کو زندہ دفن کرنے کا رواج
۳۵۵	۲۔ زمانۂ جاہلیت میں رائج شادی کے مختلف طریقے
۳۵۸	۳۔ بدکاری کے اِعلانیہ اظہار کا رواج
۳۵۹	۴۔ زمانۂ جاہلیت میں عورت کی حقِ ملکیت سے محرومی
۳۶۱	مغربی معاشرہ اور عورت
۳۶۵	اِسلام میں عورت کا مقام

مشتملات	صفحہ

صفحہ	مشتملات

صفحہ	مشتملات
۴۶۵	ix۔ مسلم معاشرے میں عورت کا کردار
	باب چہارُم
۴۷۱	مختلف طبقاتِ معاشرہ کے حقوق
۴۷۳	عمر رسیدہ اَفراد کے حقوق
۴۷۳	i۔ سماجی معاملات میں تکریم کا حق
۴۷۴	ii۔ معمر اَفراد کی تکریم اِجلال اِلٰہی کا حصہ ہے
۴۷۵	iii۔ معمر اَفراد کی تکریم عظمتِ رِسالت کا نفاذ ہے
۴۷۵	iv۔ عمر رسیدہ اَفراد کی تکریم علامتِ اِیمان ہے
۴۷۶	v۔ معمر اَفراد کی تکریم ہی صحت مند رِوایت کی اَساس ہے
۴۷۶	vi۔ معمر اَفراد کا وجود باعثِ برکت ہے
۴۷۷	vii۔ سہولیاتِ زندگی کی فراہمی میں ترجیح کا حق
۴۷۸	viii۔ برکت اَکابر سے ہے
۴۸۰	ix۔ اِستطاعت سے زیادہ بوجھ سے اِستثناء کا حق
۴۸۲	بچوں کے حقوق
۴۸۲	ا۔ قبل اَز پیدائش حقوق
۴۸۲	i۔ زندگی کا حق
۴۸۴	ii۔ وراثت کا حق

مشتملات	صفحہ

صفحہ	مشتملات
۵۱۵	i۔ خصوصی توجہ کا حق
۵۱۶	ii۔ قانونِ معاشرت کے نفاذ میں اِستثناء کا حق
۵۱۷	iii۔ جہاد اور دِفاعی ذِمّہ داریوں سے اِستثناء کا حق
	باب پنجم
۵۱۹	غیر مسلموں کے حقوق
۵۲۱	اِبتدائیہ
۵۲۷	۱۔ قانون کی نظر میں اقلیتوں کا مساوی مقام
۵۳۱	۲۔ قانون کے نفاذ میں مساوات کا حق
۵۳۳	۳۔ نجی زندگی اور شخصی رازداری کا حق
۵۳۴	۴۔ مذہبی آزادی کا حق
۵۳۷	مرتد کی سزا اور آزادی عقیدہ
۵۳۹	۵۔ اقتصادی اور معاشی آزادی کا حق
۵۴۱	۶۔ اجتماعی کفالت میں اقلیتوں کا حق
۵۴۳	۷۔ روزگار کی آزادی کا حق
۵۴۴	۸۔ تحفظ اور سلامتی کا حق
۵۴۸	۹۔ تمدنی اور معاشرتی آزادی کا حق
۵۴۹	۱۰۔ اقلیتوں کی حفاظت اِسلامی رِیاست کی ذِمّہ داری ہے
۵۵۵	۱۱۔ عسکری خدمات سے اِستثناء کا حق

مشتملات	صفحہ

مشتملات	صفحہ
خطبہ حجۃ الوداع	۵۸۲
خطبہ حجۃ الوداع اور بنیادی انسانی حقوق	۶۰۷
ا۔حقوق وفرائض کا توازن	۶۰۷
ب۔ بنیادی انسانی حقوق کا جامع احاطہ	۶۰۹
ا۔ انفرادی حقوق	۶۱۱
ا۔ جان و مال اور عزت وآبرو کے تحفظ کا حق	۶۱۱
۲۔عورتوں کے حقوق	۶۱۳
دور جاہلیت میں بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے کی قبیح رسم	۶۱۵
۳۔ غلاموں کے حقوق	۶۱۸
غلامی اور تاریخ عالم	۶۱۹
۲۔ اجتماعی حقوق	۶۲۰
اجتماعی معاملات میں امانت و دیانت کی تاکید	۶۲۰
سماجی و معاشرتی مساوات کا حق	۶۲۱
۳۔ قانونی حقوق	۶۲۴
قانون کے نفاذ میں انصاف اور مساوات کا حق	۶۲۴
قبل اَز عرب معاشروں میں نظریۂ اِنصاف ومساوات	۶۲۷
قانونی مساوات اور حصولِ اِنصاف کا حق	۶۲۷
۴۔ معاشی حقوق	۶۳۰

مشتملات	صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اِسلام اِنسانیت کی بقاء، فلاح و بہبود اور اِرتقاء کے زرّیں اُصولوں کا امین ہے۔ حق کی پاسداری، انسانی معاشرے میں باہمی حقوق کا احترام اور اَعلیٰ اَقدار کا قیام وفروغ اِسلامی تعلیمات کی بنیادی روح ہے۔ اِنسانی حقوق دورِ جدید کا اہم ترین موضوع ہے۔ آج انسانی تہذیب کی جانچ کا پیمانہ اِنسانی حقوق کو قرار دیا جا چکا ہے جس سے کسی بھی ملک وقوم کے اعلیٰ قومی و تہذیبی معیار کا تعین کیا جاتا ہے۔ تاہم اِسلام دنیا کی وہ واحد تہذیب ہے جس کے لئے انسانی حقوق ہرگز کوئی نیا تصور نہیں۔ حق کا لفظ اسلام میں اتنا زیادہ عام، متداول اور متعارف ہے کہ ایک اوسط درجے کا شعور رکھنے والے شخص سے اَعلیٰ فکری استعداد کے حامل شخص تک ہر فرد حق کی معنویت و اہمیت سے شناسا ہے۔

اسلام میں 'حق' کا اِطلاق ذاتِ اِلٰہیہ، کلامِ الٰہی اور زندگی کے ضوابط سمیت افراد کی ایک دوسرے پر عائد ذمہ داریوں پر ہوتا ہے۔ جو 'حق' کی اہمیت اور ایک مسلمان کی زندگی میں اس کے احترام کی ناگزیریت کا آئینہ دار ہے۔ اگر ہم حقوق انسانی کا آغاز تاریخ اسلام میں تلاش کریں تو ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کی سماجی سرگرمیوں میں نمایاں ترین اِبتدائی سرگرمی حقوقِ انسانی کے لئے جدوجہد نظر آتی ہے۔ ۵۸۶ء میں مکہ مکرمہ میں ہونے والا معاہدہ حلف الفضول سرزمین عرب میں انسانی حقوق کے احترام و نفاذ کا اہم سنگ میل ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ صرف پندرہ برس کی عمر میں اس معاہدے میں شامل ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حلف لینے میں شریک تھا اور سرخ اونٹوں کے گلّے کے عوض بھی میں اس شرکت کے اعزاز سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی مجھے کوئی اس کی دہائی دے کر پکارے تو میں اس کی

مدد کو دوڑ کر جاؤں گا۔‘‘

اس معاہدہ سے آپ ﷺ کی وابستگی کے تسلسل کی معنویت معاہدے کے ان الفاظ سے سامنے آتی ہے:

’’اللہ کی قسم! ہم سب مل کر ایک ہاتھ بن جائیں گے اور یہ ہاتھ اس وقت تک ظالم کے خلاف اٹھا ہی رہے گا جب تک کہ وہ مظلوم کا حق ادا نہ کردے۔ یہ عہد اس وقت تک رہے گا جب تک سمندر گھونگھوں کو بھگوتا رہے اور ثبیر وحرا کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہیں گے اور ہماری معیشت میں مساوات ہو گی۔‘‘

تاریخِ انسانی نے انسانی تکریم و وقار اور حقوق کے تحفظ کی کئی دستاویزات محفوظ کر رکھی ہیں مگر باوجود اختصار کے معاہدہ حلف الفضول سے زیادہ موثر اور بلیغ دستاویز کی نظیر شاید ہی پیش کی جاسکے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ جد و جہد اور آپ ﷺ کا عطا کردہ قانون معاشرت ومملکت اپنی روح کے لحاظ سے حقوق انسانی کے تحفظ کے ضامن ہیں۔

مفکرِ اِسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی زیرِ نظر تصنیف میں اسلام کے اسی زرّیں پہلو کے مختلف گوشوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ آج جبکہ عالمی سطح پر اسلام کے دامن کو انسانی حقوق جیسے تصورات سے عاری تصور کیا جا رہا ہے، اسلام کے اس پہلو کو دلائل و براہین سے واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ حضرت مفکر اسلام کی اس تصنیف میں حقوق انسانی کے فکری، نظری اور قانونی وعملی پہلوؤں کا جامع احاطہ کر کے اس امر کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا گیا ہے کہ اسلام نہ صرف حقوق انسانی کی عملی جدوجہد کا پیش رو ہے بلکہ اِنسانی حقوق کی ایسی مستحکم فکری ونظری اساس بھی فراہم کرتا ہے جس پر انسانی تکریم کی وہ عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے جو پائیدار ہو اور طاقت ور کے مزعومہ مفادات کا شکار ہونے والے کمزور طبقات کے استحصال کے امکانات کو بھی مسدود کرتی ہو۔ یہ تصنیف فرزندانِ اِسلام میں ایمان و یقین کی شمع روشن کرتے ہوئے اہل تحقیق کے لیے نئے فکری دریچے وَا کرنے کا باعث بھی ہوگی۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

ڈائریکٹر، فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ

یکم ربیع الاوّل ۱۴۲۵ھ/ ۲۲ اپریل ۲۰۰۴ء

﴿اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔﴾

﴿اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔﴾

﴿اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔﴾

﴿اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔﴾

﴿اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔﴾

(القرآن، بنی اِسرائیل، ۱۷: ۷۰)

(القرآن، بنی اِسرائیل، ۱۷: ۷۰)

(القرآن، بنی اِسرائیل، ۱۷: ۷۰) (القرآن، بنی اِسرائیل، ۱۷: ۷۰)

حصہ اوّل

اِسلام کے تصوّرِ حقوق کا تعارف

بابِ اوّل

اِسلام میں اِنسانی حقوق
کا
بنیادی تصوّر

اِنسانی حقوق کے بارے میں اسلام کا تصور بنیادی طور پر بنی نوع انسان کے احترام، وقار اور مساوات پر مبنی ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے اللہ رب العزت نے نوعِ انسانی کو دیگر تمام مخلوق پر فضیلت و تکریم عطا کی ہے۔ قرآن حکیم میں شرف انسانیت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ تخلیق آدم کے وقت ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور اس طرح نسل آدم کو تمام مخلوق پر فضیلت عطا کی گئی۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۝(۱)

''اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا فضیلت دے کر برتر بنا دیا۝''

قرآن حکیم کے الفاظ

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔(۲)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین ہے سب کو تمہارے ہی کام لگا دیا ہے۔''

---

(۱) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۰

(۲) القرآن، لقمان، ۳۱: ۲۰

اور ارشاد کہ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍO(۱)

''ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت پر بنایا ہےo''

بیان کرتے ہیں کہ انسان کو شرف و تکریم سے نوازا گیا ہے اور اس کو انعامات و نوازشات الٰہیہ کے باعث اعلیٰ مرتبہ کمال تفویض کیا گیا ہے۔ مساوات انسانی کو اسلام نے بے حد اہمیت دی ہے۔ اس حوالے سے کوئی اور مذہب اور نظام اقدار اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ قرآن حکیم نے بنی نوع انسان کی مساوات کی اساس بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًاO(۲)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی، پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا، پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا، اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور قرابتوں (میں بھی تقویٰ اختیار کرو)، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہےo''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰکُمْ ط اِنَّ اللهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌO(۳)

---

(۱) القرآن، التین، ۹۵:۴

(۲) القرآن، النساء، ۴:۱

(۳) القرآن، الحجرات، ۴۹:۱۳

’’اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے طبقات اور قبیلے بنا دیئے تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک اللہ کے نزدیک تو تم سب میں عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو، بے شک اللہ سب کچھ جانتا باخبر ہےo‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں واضح الفاظ میں اعلان فرمایا:

یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد و ان اباکم واحد ألا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی أسود ولا لأسود علی احمر الا بالتقویٰ۔(۱)

’’اے لوگو! خبردار ہوجاؤ کہ تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ کسی عرب کو غیرعرب پر اور کسی غیرعرب کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی سفید فام کو سیاہ فام پر اور نہ سیاہ فام کو سفید فام پر فضیلت حاصل ہے سوائے تقویٰ کے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

الناس کلھم بنو آدم و آدم خلق من تراب۔

---

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۱۱، رقم: ۲۳۵۳۶

۲۔ ابونعیم، حلیۃ الاولیاء، ۳: ۱۰۰

۳۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۳۷۵

۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۲: ۳۴۲

۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۲۶۶

۶۔ عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۵۲۷

۷۔ علاء الدین علی، کنزالعمال، ۵، ۱۲۹، رقم: ۱۲۳۵۳

۸۔ سیوطی، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۶: ۹۸

۹۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۵: ۱۶۴

’’تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔‘‘

اس طرح اسلام نے تمام قسم کے امتیازات اور ذات پات، نسل، رنگ، جنس، زبان، حسب و نسب اور مال و دولت پر مبنی تعصّبات کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے ہم پلہ قرار دیا خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، سفید ہوں یا سیاہ، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، مرد ہوں یا عورت اور چاہے وہ کسی بھی لسانی یا جغرافیائی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ انسانی مساوات کی اس سے بڑی مثال کیا ہوسکتی ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں، نسلوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے ہر سال مکۃ المکرّمہ میں ایک ہی لباس میں ملبوس حج ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

احترامِ آدمیت اور نوعِ بشر کی برابری کے نظام کی بنیاد ڈالنے کے بعد اسلام نے اگلے قدم کے طور پر عالم انسانیت کو مذہبی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی شعبہ ہائے زندگی میں بے شمار حقوق عطا کئے۔ انسانی حقوق اور آزادیوں کے بارے میں اسلام کا تصور آفاقی اور یکساں نوعیت کا ہے جو زماں و مکاں کی تاریخی اور جغرافیائی حدود سے ماورا ہے۔ اسلام میں حقوق انسانی کا منشور اُس اللہ کا عطا کردہ ہے جو تمام کائنات کا خدا ہے اور اس نے یہ تصور اپنے آخری پیغام میں اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی وساطت سے دیا ہے۔ اسلام کے تفویض کردہ حقوق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام کے طور پر عطا کئے گئے ہیں اور ان کے حصول میں انسانوں کی محنت اور کوشش کا کوئی عمل دخل نہیں۔ دنیا کے قانون سازوں کی طرف سے دیئے گئے حقوق کے برعکس یہ حقوق مستقل بالذات، مقدس اور ناقابل تنسیخ ہیں۔ ان کے پیچھے الٰہی منشا اور ارادہ کارفرما ہے اس لئے انہیں کسی عذر کی بناء پر تبدیل، ترمیم یا معطل نہیں کیا جا سکتا۔ ایک حقیقی اسلامی ریاست میں ان حقوق سے تمام شہری مستفیض ہوسکیں گے اور کوئی ریاست یا فرد واحد ان کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا اور نہ ہی وہ قرآن وسنت کی طرف سے عطا کردہ بنیادی حقوق کو معطل یا کالعدم قرار دے سکتا ہے۔

اسلام میں حقوق اور فرائض باہمی طور پر مربوط اور ایک دوسرے پر منحصر تصور

کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں فرائض، واجبات اور ذمہ داریوں پر بھی حقوق کے ساتھ ساتھ یکساں زور دیا گیا ہے۔اس ذیل میں متعدد آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ کا حوالہ دیا جاسکتا ہے، جن سے یہ بات ثابت ہے کہ اسلامی شریعت کے ان اہم ماخذ ومصادر میں انسانی فرائض و واجبات کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا۝(۱)

”اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اورمحتاجوں (سے) اورنزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اورہم مجلس اور مسافر (سے)، اور جن کے تم مالک ہوچکے ہو، (ان سے نیکی کیا کرو)، بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبر کرنے والا (مغرور) فخر کرنیوالا (خودبین) ہو۝“

حضور نبی اکرم ﷺ کی درج ذیل حدیث مبارکہ میں حقوق اللہ اورحقوق العباد کے باہمی تعلق کو بڑی تاکید سے بیان کیا گیا ہے:

عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللهﷺ يا معاذ اتدری ما حق الله علی العباد قال اللهورسوله اعلم! قال ان يعبد الله ولا يشرك به شياء قال اتدری ماحقهم عليه اذا فعلوا ذلك فقال الله ورسوله اعلم قال ان لا يعذبهم۔(۲)

---

(۱) القرآن، النساء، ۴:۳۶

(۲) ۱۔مسلم، الصحیح، ۱:۵۹، رقم:۳۰

۲۔بخاری، الصحیح، ۴:۱۰۴۹، رقم:۲۷۰۱

←

’’حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کا بندے پر کیا حق ہے؟ حضرت معاذ نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو جانتا ہے کہ اللہ پر بندے کا کیا حق ہے؟ حضرت معاذ نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ (اپنے ایسے) بندوں کو عذاب نہ دے۔‘‘

اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے اہل ایمان کو تلقین فرمائی ہے کہ وہ ان فرائض کو ادا کریں جو ان پر ان کے والدین، بچوں، عورتوں، ان کے پڑوسیوں، غلاموں اور ذمیوں وغیرہ کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔

یہ امر باعث صد تاسف ہے کہ آج مغرب کو انسانی حقوق کا علم بردار قرار دیتے وقت یہ بات نظر انداز کردی جاتی ہے کہ اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے عالم انسانیت کو اس سے کہیں زیادہ حقوق عطا کر دیئے تھے جبکہ انسانی حقوق کا تصور اپنی موجودہ شکل میں مغرب میں ابھی حال ہی میں متعارف ہوا ہے۔ سولہویں اور سترھویں صدی میں مغربی سیاسی مفکرین اور ماہرین قانون نے شہری آزادیوں اور بنیادی حقوق کا تصور دیا اور عامۃ الناس کو ان حقوق کا شعور دے کر انسانی ضمیر کو بیدار کیا۔(1)

ان کے نظریات نے حکمرانوں اور ان کی رعایا کے درمیان ایک طویل ختم نہ ہونے والی کشمکش کو جنم دیا جس کے نتیجے میں استعماری طاقتوں اور ان کے زیر تسلط مقہور عوام کے مابین آزادی اور بنیادی حقوق کے لئے تصادم اور جدوجہد شروع ہوگئی۔ سترھویں

------ ۳۔ ابوعوانہ، المسند، ۱: ۱۶

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۰۹، رقم: ۸۰۸۱

۵۔ عسقلانی، فتح الباری، ۱۱: ۳۳۹

(1) Reader's Digest Library of Modern Knowledge, Vol-2, 25 Berkeley Square, London, 1979, P-666

اور اٹھارھویں صدی میں انسانی حقوق کے میدان میں عملی پیش رفت ہوئی جب اہل برطانیہ نے 1215ء میں میگنا کارٹا (Magna Corta) کی بنیاد کے بعد 1628ء میں حقوق کی عرضداشت (Petition of Rights)[1]، اور 1689ء میں بل آف رائٹس (Bill of Rights) حاصل کر لئے[2]۔ اور اہل فرانس کو انقلابِ فرانس (1789) کے ساتھ ہی اعلامیہ حقوق کے ڈیکلریشن کے ذریعے شہری آزادیاں اور حقوق مل گئے[3] جبکہ امریکہ کو 1776ء کے اعلانِ جنگِ آزادی کے ذریعے آزادی نصیب ہوئی[4]۔ انہیں 1791ء میں ''بل آف رائٹس'' (Bill of Rights) کی شکل میں بنیادی حقوق حاصل ہوئے جو امریکی آئین میں پہلی دس ترامیم کی بنیاد بنے[5]۔ اقوامِ متحدہ (UNO) کی کاوشوں کے زیر اثر بالخصوص اس کے متعدد کنونشنوں اور اعلانات کے بعد دورِ حاضر کی تمام جدید ریاستوں نے بنیادی حقوق کو اپنے اپنے آئین کا حصہ بنالیا۔[6]

اِنسانی حقوق کا قرآنی فلسفہ

اِسلام جملہ شعبہ ہائے حیات میں اعتدال اور توازن کا درس دیتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے زندگی کے ہر پہلو کے حوالے سے ایسی تعلیمات عطا کیں جو زندگی میں حسین توازن پیدا کرنے کی ضمانت دیتی ہیں۔ اسلام کا یہ بنیادی اصول اس کی تمام

(1) Francis D. Wormuth, *The Organs of Modern Constitutionalism*, Harper & Brothers Pb., NY, 1949. P.99
(2) *The Hutchinson Encyclopedia*, Helicon Publishing Ltd., 42 Hythe Bridge Street, Oxford, 1998, p.125
(3) *The Hutchinson Encyclopedia*, Helicon Publishing Ltd., 42 Hythe Bridge Street, Oxford, 1998, p.412,914
(4) *The Hutchinson Encyclopedia*, Helicon Publishing Ltd., 42 Hythe Bridge Street, Oxford, 1998, p.300,1094
(5) i. Reader's Digest Library of Modern Knowledge, Vol-2, 25 Berkeley Square, London, 1979, P-667
ii. The Hutchinson Encyclopedia Helicon Publishing Ltd., 42 Hythe Bridge Street, Oxford, 1998, p.124,1094
(6) i. Reader's Digest Library of Modern Knowledge, Vol-2, 25 Berkeley Square, London, 1979, P-680,681
ii. World Conference on Human Rights, The Vienna Declaration, June 1993, UNO, NY, 1995.

تعلیمات اور احکام میں کارفرما ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ انسانی حقوق بھی اسی روح سے مملو ہیں۔ دنیا کے دیگر معاشرتی و سیاسی نظامِ حق کے احترام و ادائیگی کی اس بلندی و رفعت کی نظیر پیش نہیں کر سکتے جس کا مظاہرہ تعلیمات نبوی میں نظر آتا ہے۔ اسلام کا فلسفہ حقوق دیگر نظام ہائے حیات کے فلسفہ حقوق سے بایں طور مختلف وممتاز ہے:

۱۔ اسلام مطالبہ حق (Demand of Rights) کی بجائے ایتائے حق (Fulfilment of Rights) کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اوپر عائد دوسرے افراد کے حقوق کی ادائیگی کے لئے کمربستہ رہے۔ اور یہاں تک کہ وہ صرف حق کی ادائیگی تک ہی محدود نہ رہے بلکہ اس ادائیگی کو حدِاحسان تک بڑھا دے۔ قرآن فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ۔(۱)

”بے شک اللہ (تمہیں) عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔“

مذکورہ بالا آیۂ مبارکہ میں مذکور عدل اور احسان قرآن حکیم کی دو اصطلاحات ہیں۔ عدل کا مفہوم تو یہ ہے کہ وہ حقوق جو شریعت اور قانون کی رو سے کسی فرد پر لازم ہیں وہ ان کی ادائیگی کرے جبکہ احسان یہ ہے کہ فرض و عائد حقوق سے بڑھ کر بھی وہ دوسرے افرادِ معاشرہ سے حسن سلوک کرے۔

حضور اکرم ﷺ کا عطا کردہ تصورِ احسان انسانی معاشرے کو سراپا امن و آشتی بنانے کی ضمانت فراہم کرتا ہے کیونکہ ایک فرد کا فرض دوسرے کا حق ہے جب ہر فرد اپنے فرائض کو ادا کرے گا یعنی دوسرے کے حقوق پورا کرنے کے لئے کمربستہ رہے گا تو لامحالہ معاشرے میں کسی طرف بھی حقوق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے مطالبہ حقوق کی صدا بلند نہ ہوگی، اور پورے معاشرے کے حقوق از خود پورے ہوتے رہیں گے اور اس طرح معاشرہ قانون کی حکمرانی اور انسانی حقوق کے احترام کا آئینہ دار بن جائے گا۔

(۱) القرآن، النحل، ۱۶: ۹۰

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانی حقوق کا ایسا نظام عطا کیا ہے جہاں حقوق و فرائض میں باہمی تعلق و تناسب (Reciprocal Relationship and Proportionality) پایا جاتا ہے۔ یعنی کوئی شخص بغیر اپنے فرائض پورے کئے حقوق کا مطالبہ نہ کرے گا۔ چونکہ اساسی زور فرائض کی ادائیگی اور ایتائے حقوق پر ہے، سو کوئی بھی فرد معاشرہ اس وقت تک اپنے حقوق کے لئے آواز بلند نہیں کرسکتا جب تک وہ اپنے فرائض ادا نہ کر چکا ہو۔ اور فرائض کی ادائیگی کی صورت میں حقوق کا حصول ایک قدرتی اور لازمی تقاضے کے طور پر خود بخود ہی تکمیل پذیر ہوجائے گا۔

۳۔ حضور اکرم ﷺ نے حقوق انسانی کا ایسا جامع تصور عطا کیا جس میں حقوق و فرائض میں باہمی توازن پایا جاتا ہے۔ اس بنیادی تصور کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی کئی مغالطوں نے بھی جنم لیا۔ حقوق و فرائض کے مابین توازن ہی کے سبب سے بعض اوقات ظاہراً حقوق کے مابین عدم مساوات نظر آتی ہے حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں۔ مثلاً عورتوں اور مردوں کے حصہ ہائے وراثت میں موجود فرق بھی اس حکمت کی وجہ سے ہے ورنہ مطلق حقوق کے باب میں مرد و عورت میں کوئی تمیز روا نہیں رکھی گئی۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔(۱)

”اور دستور کے مطابق عورتوں کے مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر۔“

جبکہ میراث میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے)(۲) کے اصول کے تحت جو فرق رکھا گیا وہ مرد و عورت پر عائد دیگر فرائض اور ذمہ داریوں کی وجہ سے ہے۔ چونکہ مرد ہی خاندان کی کفالت اور دیگر امور کا ذمہ دار ہے جبکہ عورت کو اس ذمہ داری سے مبرا قرار دیا گیا لہٰذا وراثت میں مرد کا حصہ بھی دوگنا

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۲۸

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۱۱

کر دیا گیا تاکہ وہ اپنی معاشی و کفالتی ذمہ داریوں سے بطورِ احسن عہدہ برآ ہوسکے۔

۴۔ اسلام نے بعض امور کو ان کی قانونی و معاشرتی اہمیت کے پیشِ نظر حق نہیں بلکہ فرض قرار دیا اور ان کی عدم ادائیگی پر سزا کا مستوجب ٹھہرایا ہے مثلاً شہادت (گواہی)۔ اسلام میں گواہی دینا مردوں پر فرض ہے:

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝ (۱)

''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس نے اس گواہی کو چھپایا جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے موجود ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۝''

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۝ (۲)

''اور تم گواہی کو نہ چھپایا کرو، اور جو شخص گواہی چھپاتا ہے تو یقیناً اس کا دل گنہگار ہے، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہے۝''

معاشرے میں قانون کی حکمرانی کے لئے گواہی کا شفاف اور مؤثر نظام لازمی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے اسلام نے مردوں کو ہر حال میں گواہی دینے کا پابند بنایا جبکہ دوسری طرف عورتوں کو ان کی ذمہ داریوں کے فطری فرق کے پیشِ نظر اس ذمہ داری سے مبرا قرار دیا اور گواہی کو فرض کی بجائے ان کا حق قرار دیا۔ اور اسی لئے اس کی شرائط بھی مختلف کر دیں۔ یہاں مرد و عورت کے حقوق میں امتیاز مقصود نہیں بلکہ گواہی کے نظام کو موثر بنانا مقصود ہے حالانکہ بعض معاملات میں صرف عورتوں ہی کی گواہی معتبر ہوتی ہے جس کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

---

(۱) القرآن، بقرہ، ۲: ۱۴۰

(۲) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۸۳

۵۔ اسلام میں بعض امور کا تعلق ثقافتی اور معاشرتی مسائل کے حل سے ہے، محض حقوق سے نہیں مثلاً حجاب کا معاملہ۔ اسلام نے خواتین کے لئے حجاب کو لازمی قرار دے کر ان کا حق آزادی نہیں چھینا بلکہ انہیں تحفظ فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ثقافتی ومعاشرتی پاکیزگی اور عفت کا انتظام بھی کیا:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا○(۱)

’’اے نبی آپ اپنی ازواج (مطہرات) اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجئے کہ (جب بھی باہر جانا ہوتو) اپنی چادروں کو اپنے چہرے پر لٹکا لیا کریں، اس سے وہ جلد پہچان لی جائیں گی پھر ان کو کوئی نہ ستائے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے ○‘‘

اسی طرح تعدد ازدواج کا معاملہ ہے۔ اسلام نے اگر مردوں کو تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے تو اس سے مقصود خواتین کے حقوق کی نفی ہرگز نہیں بلکہ یہ ایک معاشرتی مسئلہ کا مشروط حل ہے۔ تاریخی اعتبار سے بھی یہودیت ومسیحیت سمیت کسی بھی آسمانی مذہب میں تعدد ازواج ممنوع نہ تھا خود بائبل سے تعدد ازدواج ثابت ہے۔ مگر اسلام نے اس تصور میں اصلاحات نافذ کیں اور تعدد ازدواج کو لازمی مطلوب ومقصود کے بجائے ’’مشروط اجازت‘‘ قرار دیا تاکہ جب معاشرے میں ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ خواتین کی تعداد بیوگان اور یتامیٰ کے سبب بڑھ جائے تو انہیں پروقار اور تحفظ کی حامل خاندانی زندگی گزارنے کا موقع میسر آسکے۔ تاہم دیگر تمام نظام ہائے حیات کے مقابل اسلام میں تعدد ازدواج کے لئے مردوں پر عدل بین الازواج کی ایسی کڑی شرط عائد کردی گئی جو کسی طور بھی قابل تخفیف نہیں ہے۔ اگر عدل کا امکان نہ ہو اور معاشرے میں تعدد ازدواج کے سبب خواتین کے شرعی استحقاق کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہوتو اس کی ممانعت

(۱) القرآن، الاحزاب، ۳۳:۵۹

کی قانون سازی بھی جائز ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا ○ (۱)

''پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم (زائد بیویوں میں) عدل نہیں کرسکو گے تو صرف ایک ہی عورت سے (نکاح کرو) یا وہ کنیزیں جو (شرعاً) تمہاری ملکیت میں آئی ہوں، یہ بات اس سے قریب تر ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو ○''

الغرض حضور اکرم ﷺ کے عطا کردہ انسانی حقوق کے فلسفہ وحکمت سے یہ امر واضح ہے کہ حقوق انسانی کا یہی نظام عدل و انصاف اور توازن و تناسب کی اس روح کا حامل ہے جو معاشرے کو حقیقی امن اور معاشرتی اطمینان کا گہوارہ بناتے ہوئے ایک فلاحی مملکت کی حقیقی بنیاد فراہم کرتی ہے۔

اسلام کے تصور حقوق کا امتیاز

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اسلام اور مغرب دونوں انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کو بہت اہمیت دیتے ہیں تاہم انسانی حقوق کے مسئلہ پر ان کا زاویہ نظر بنیادی طور پر مختلف ہے۔ اس اختلاف کی اساس دونوں کا بنیادی نقطہ نظر ہے۔ اسلامی فکر وعمل انسانی حقوق کو انسان کے اللہ تعالیٰ سے تعلق عبدیت کے نقطہ نظر سے دیکھتی ہے جبکہ انسانی حقوق کا مغربی تصور لادینی (Secular) ہے جو انسان کے بطور شہری ریاست سے تعلقات پر مبنی ہے۔ وسیع تناظر میں دونوں نقطہ ہائے نظر میں فرق یہ ہے کہ اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے جو تمام کائنات کا رب ہے اور اس کے احکام بلند و برتر اور اعلیٰ قانون (Supreme Law) کا درجہ رکھتے ہیں۔ روئے زمین پر انسان اللہ کا نائب ہے۔ اس طرح اسلامی ریاست میں عوام کلی اقتدار کے مالک نہیں بلکہ وہ اجتماعی طور پر اپنے نمائندوں کے ان اختیارات کے ذریعے جن کی حدود کا تعین اللہ تعالیٰ کی طرف

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۳

سے کیا جاچکا ہے حکومتی نظم ونسق چلاتے ہیں۔ اہل ایمان قرآن و سنت کو اپنی ریاست کا سپریم لاء مانتے ہیں۔ اس کے برعکس مغرب کی سیکولر جمہوری ریاستوں میں عوام کو سرچشمہ اقتدار سمجھا جاتا ہے اور ان کے نمائندوں کے وضع کردہ دساتیر کو ملک کا سپریم لاء مانا جاتا ہے۔

اس بنیادی فرق کی بنا پر جو کلی حاکمیت اعلیٰ کے تصور سے متعلق ہے اسلام اور مغربی فکر میں انسانی حقوق پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسلام میں انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عطا کردہ ہیں واضح طور پر متعین کیا گیا ہے اور یہ مقدس اور نا قابل تنسیخ ہیں۔ ان حقوق کو کسی طرح اور چاہے کوئی بھی حالات ہوں نہ تو واپس لیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان میں کوئی تبدیلی، ترمیم یا تخفیف کی جاسکتی ہے اور نہ ہی انہیں معطل کیا جاسکتا ہے۔ کوئی بادشاہ، سربراہ ریاست، حاکم اعلیٰ یا مقنّنہ ان حقوق کو پامال کرنے کی مجاز نہیں۔ تاہم اسلامی ریاستوں کے قانون ساز اداروں کو یہ اختیارات حاصل ہیں کہ وہ تبدیل شدہ اقتصادی، معاشرتی حالات کے پیش نظر تفویض شدہ حقوق میں مزید اضافہ کرسکیں بشرطیکہ اضافہ شدہ حقوق قرآن و سنت کے احکام کے منافی نہ ہوں۔ اسلام کے عطا کردہ حقوق عالمگیر نوعیت کے ہیں اور وہ کسی ریاست کے شہریوں تک محدود نہیں۔ دنیا بھر کے مسلمان اور غیر مسلم شہری بلا امتیاز ان سے مستفید ہوسکتے ہیں۔

دوسری طرف مغرب میں ان حقوق کو لوگ بڑی کشمکش اور عظیم جدوجہد کے بعد لوگ اپنے حکمرانوں سے حاصل کرسکتے ہیں۔ وہاں صاحبانِ اقتدار نے حال ہی میں ان حقوق اور آزادیوں کی رعایت دی ہے جو کسی نہ کسی عذر کی بناء پر واپس بھی لے لی جاتی ہیں یہ حقوق جو حکمرانوں اور قانون ساز ایوانوں کے دیئے ہوئے ہیں اور آئین کی کتابوں کی زینت بھی ہوتے ہیں انہیں اکثر پامال، معطل اور تبدیل کرلیا جاتا ہے۔ ترقی پذیر دنیا کے بیشتر جمہوری ملکوں کے آئینوں میں شامل بنیادی حقوق کا صرف کاغذوں میں احترام کیا جاتا ہے ان پر عملدرآمد کی نوبت کم ہی آتی ہے۔ ان جدید جمہوری ملکوں میں بنیادی حقوق کا دائرہ محدود ہوتا ہے، عالمگیر نہیں ہوتا۔ جون 1993ء کو ہونے والی حقوق انسانی کی عالمی

کانفرنس کے ویانہ ڈیکلریشن میں انسانی حقوق بارے کہا گیا:

All human rights are universal, indivisible & interdependent & interrelated.(1)

''تمام انسانی حقوق آفاقی، ناقابل تقسیم، ایک دوسرے پر منحصر اور ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔''

دستاویزی طور پر حقوق انسانی کا یہ تصور اختیار کرنے کے باوجود یورپی یونین کے بنیادی حقوق کے چارٹر 2000ء کے آرٹیکل 10 میں قرار دیا گیا:

Certain rights shall be reserved for citizens of the European Union.(2)

''کچھ خاص حقوق صرف یورپی یونین کے شہریوں کے لئے ہی مختص ہوں گے۔''

یعنی مغرب میں کئی حقوق صرف ان کے شہریوں تک محدود ہوتے ہیں اور غیر ملکیوں کا ذکر ہی کیا ان کی اقلیتوں کو بھی ان حقوق کا قانونی تحفظ میسر نہیں۔ اقوام متحدہ نے اپنے متعدد ڈیکلریشنوں، کنونشنوں اور دیگر ذرائع سے جو حقوق طے کئے ہیں وہ بلا شبہ عالمگیر تو ہیں لیکن ان پر عمل درآمد کے لئے کوئی قانونی بنیاد نہیں لہٰذا ان کی حیثیت محض نیک اور خوش کن ارادوں کے سوا اور کچھ نہیں۔

اِسلام میں حقوق کا دائرہ کار

اسلام کا تصور حقوق انسانی اقتدار اعلیٰ سے تعلق کے حوالے سے ہی مغرب کے تصور سے مختلف و ممتاز نہیں بلکہ اپنے دائرہ کار کے حوالے سے بھی امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام کے عطا کردہ حقوق انسانی، انسانی زندگی کے ہر مرحلے اور ہر پہلو کا احاطہ

(1) The Vienna Declaration 1993, UN, NY, 1995, P-30
(2) Human Rights in the EU: The Charter of Fundamental Rights, House of Commons Library, Research Paper 00/32, 20 March 2000.

کرتے ہیں۔ اسلام نے انسان کو جو شرف و منزلت، احترام و وقار اور دوسرے حقوق عطا کئے ہیں ان کا نفاذ اس کی پیدائش سے بھی پہلے شروع ہو جاتا ہے اور مرنے کے بعد تک جاری رہتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسلام کے عطا کردہ حقوق انسانی فلاح و بہبود کے ان پہلوؤں کا بھی احاطہ کرتے ہیں جو گو مطلقاً انسان سے متعلق نہیں بلکہ اس کے ماحول سے تعلق رکھتے ہیں۔

اسلام نے حقوق کی حقوق اللہ اور حقوق العباد میں درجہ بندی کی ہے۔ اوّل الذکر وہ حقوق ہیں جن کا مفاد اجتماعی طور پر سب کو محیط ہے جبکہ ثانی الذکر وہ ہیں جو انفرادی سطح پر انسانوں کے فائدے کو مدنظر رکھتے ہیں یا کسی خاص فرد کے مفاد یا حق سے متعلق ہوتے ہیں۔ جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے ان کا نفاذ ریاست یا مسلم معاشرے کی ذمہ داری ہے جبکہ حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق کا نفاذ اس فرد کی صوابدید پر رکھ دیا گیا ہے جس کی حق تلفی ہوئی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ بعض افعال کسی اجتماعی حق کو جنم دیتے ہیں، دوسروں کی نسبت بعض افراد کو زیادہ متاثر کرتے ہیں لیکن یہ حقیقت ان افراد کو یہ استحقاق نہیں دے گی کہ وہ حق تلفی کرنے والے کے افعال سے اغماض اور چشم پوشی کریں۔ تاہم یہ اس متاثرہ فرد کی مرضی اور صوابدید پر ہے جس کے نجی حق کو اس سے نقصان پہنچا ہے کہ وہ چاہے تو حق تلفی کرنے والے کو معاف کردے یا اس کی تلافی کے لئے چارہ جوئی کرے۔ حقوق اللہ کو اجتماعی حقوق اور حقوق العباد کو نجی حقوق بھی کہا جاتا ہے۔ اب ہم حقوق کی اس تقسیم کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

i- حقوق اللہ

ان کو اللہ سے اس لئے منسوب کیا جاتا ہے کہ ان کی خلاف ورزی کے نقصانات بہت زیادہ ہیں اور اسی طرح ان کی ادائیگی کے فوائد بہت وسیع اور جامع ہیں۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان کو حقوق اللہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان میں خدا کا کوئی مفاد مضمر ہے۔ وہ ذات تو تمام حاجات و ضروریات سے بے نیاز ہے اور وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ حقوق اللہ کی مثالیں عبادات و طاعات ہیں جو اجتماعی مفاد کی حامل ہیں سزائیں، تعزیرات و عقوبات

جرائم (حدود) محاصل، ٹیکس، کفارے وغیرہ اس ضمن میں آتے ہیں۔ حقوق اللہ کی عمومی تقسیم درج ذیل درجات میں کی جا سکتی ہے:

۱۔ عبادات پر مشتمل افعال جیسے ایمان، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ

۲۔ تعزیرات (حدود) جو بعض جرائم کے ارتکاب پر نافذ کی جاتی ہیں جیسے چوری، سرقہ، زنا، بدکاری، شراب نوشی، قذف وغیرہ

۳۔ کفارات جو عبادات اور سزا دونوں کے زمرے میں آتے ہیں انہیں بعض فرائض و واجبات کی عدم بجا آوری کی صورت میں نافذ کیا جاتا ہے۔

۴۔ محصول یا ٹیکس جو مسلمانوں کے لئے واجب الادا ہیں جیسے زکوٰۃ، عشر، صدقہ عید الفطر وغیرہ

۵۔ محصول یا ٹیکس جو غیر مسلموں پر لاگو ہیں۔ جیسے خراج، جزیہ وغیرہ

ii- حقوق العباد

حقوق اللہ کے برعکس حقوق العباد اللہ سے نہیں بلکہ عباد اللہ یعنی بندوں سے منسوب ہیں جن کی وہ ملکیت ہیں۔ ایسے حقوق افراد کے نجی حقوق سے مربوط ہیں اور ان کا نفاذ متعلقہ افراد کی مرضی واختیار پر منحصر ہے۔

حقوق العباد کی مزید درجہ بندی اس طرح کی جا سکتی ہے۔

۱۔ زندگی اور شخص کی حفاظت کے حقوق

۲۔ عزت و آبرو کی حفاظت کے حقوق

۳۔ جائداد کی حفاظت کے حقوق

۴۔ خاندان کے حقوق مثلاً ازدواجی حقوق، سرپرستی کے حقوق، انتقالِ جائداد اور وراثت کے حقوق

۵۔ قانونی طور پر جائز کاموں کے حقوق وغیرہ

بعض معاملات میں حقوق اللہ اور حقوق العباد مشترک یعنی باہم ملے ہوتے ہیں۔

۱۔ **اشتراک مع غلبہ حقوق اللہ:** بعض معاملات میں افراد اور معاشرے کے حقوق باہم مشترک ہوتے ہیں مگر ان میں موخر الذکر کو نمایاں اہمیت حاصل ہوتی ہے مثلاً مفتری (تہمت لگانے والے) کو سزا دینے کے معاملے کو بھی اسی درجے میں رکھا گیا ہے کیونکہ وہ تہمت لگا کر کسی دوسرے شخص پر بدچلنی یا بدکاری کا الزام لگاتا ہے اور اپنے اس عمل سے معاشرے کے ایک فرد کی عزت و ناموس کو گزند پہنچاتا ہے جس سے صرف اس فرد ہی کی نہیں معاشرے کی بھی حق تلفی ہوتی ہے اور اجتماعی طور پر معاشرے میں اس کی عزت وآبرو پر حرف آتا ہے۔ اس امر میں اللہ کا حق مقدم اور حاوی ہوگا کیونکہ جس شخص کی نیک نامی پر حملہ کیا گیا ہے وہ باہمی رضامندی سے جرم کا معاملہ طے کرنے کا مستحق نہیں ہوتا نہ ہی اس کی موت کی صورت میں اس کے ورثاء جرم کے قصور وار کی سزا کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔

۲۔ **اشتراک مع غلبہ حقوق العباد:** بعض معاملات میں نجی اور اجتماعی حقوق باہم مشترک ہوتے ہیں مگر اول الذکر غالب وموثر رہتے ہیں۔ قصاص یعنی قتل عمد یا ارادی ایذاء کی سزا اس حق کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ یہاں معاشرے کا اجتماعی فرض اس امر کا متقاضی ہے کہ روئے زمین پر برپا ہونے والے فتنہ و فساد اور نقص امن کو روکا جائے۔ قتل کی صورت میں نجی حق اس امر سے رونما ہوتا ہے کہ اس جرم نے مقتول کے ورثاء کو نقصان اور ایذا پہنچائی ہے اور ارادی ضرب شدید مضروب کو تکلیف اور دکھ پہنچانے کا باعث ہوئی ہے۔ ان صورتوں میں نجی حق حاوی ہوتا ہے کیونکہ مضروب یا مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ وہ قصور وار مجرم کو معاف کردیں یا بصورت دیگر خوں بہا یا معاوضہ قبول کرلیں۔ بہرحال سزا پر عملدرآمد کرانا ان کا حق ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا اسلام نے حقوق کا دائرہ کار صرف انسانوں تک ہی

محدود نہیں رکھا بلکہ ہر ذی روح کو حقوق عطا کئے۔ سیرت نبوی ﷺ میں ہمیں جانوروں سے بھی حسن سلوک کی تعلیم ملتی ہے:

عن سهل بن الحنظلة قال مر رسول الله ﷺ ببعير قد لحق ظهره ببطنه فقال اتقوا الله فی هذه البهائم المعجمة فاركبوها صالحة وكلوها صالحة۔(۱)

''حضرت سہل بن حنظلہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے، جس کی پیٹھ پیٹ سے مل گئی تھی تو فرمایا: ان بے زبان جانوروں سے سلوک میں اللہ سے ڈرو۔ ان پر سوار ہو جب وہ صحت مندہوں اور انہیں کھاؤ صحت مندی کی حالت میں۔''

iii- حقوق النفس

حضور نبی اکرم ﷺ نے اعتدال پرمبنی زندگی کا تصور عطا فرمایا، جس میں زندگی کے نجی و شخصی، معاشرتی و سماجی اور اخروی پہلوؤں میں توازن موجود ہو۔ آپ ﷺ نے خود بھی بھرپور معاشرتی وسماجی زندگی بسر فرمائی اور یک رخی زندگی کے بجائے حیات کامل کے تصور کو اجاگر کیا۔ زندگی کے دنیوی اور اخروی پہلو میں اعتدال کے لئے آپ نے نفس کے حقوق کا تعین فرمایا کہ ہر شخص فرائض و نوافل کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اپنے نفس کے حقوق کا بھی خیال رکھے جس سے نہ صرف اس کی اہلی و خاندانی زندگی خوشگوار ہوگی بلکہ دیگر حقوق وفرائض کی ادائیگی بھی بطور احسن انجام پاسکے گی۔ حدیث نبوی ہے:

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۳: ۲۳، کتاب الجهاد، رقم: ۲۵۴۸
۲۔ ابن خزیمہ، الصحیح، ۴: ۱۴۳، رقم: ۲۵۴۵
۳۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۱۴۶، رقم: ۳۴۳۳
۴۔ شمس الحق، عون المعبود، ۷: ۱۵۸
۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۱: ۱۲۶

عن عبدالله ابن عمرو بن العاص قال: قال رسول الله ﷺ: يا عبدالله! ألم أخبر أنك تصوم النهار و تقوم الليل قلت: بلى يا رسول الله قال: فلا تفعل صم و افطر و قم و نم فان لجسدك عليك حقا و ان لعينك عليك حقا و ان لزوجك عليك حقا۔(۱)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم ہمیشہ دن کو روزے رکھتے اور راتوں کو قیام کرتے ہو؟ میں نے جواب دیا یا رسول اللہ! یہی بات ہے۔ فرمایا: ایسا نہ کرو بلکہ ایک دن روزہ رکھو اور دوسرے دن چھوڑ دو، قیام کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔''

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵، ۱۹۹۵، رقم: ۴۹۰۳
۲۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۶۹۷، رقم: ۱۸۷۴
۳۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۷۲، رقم: ۵۷۸۳
۴۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۸۱۷، رقم: ۱۱۵۹
۵۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۲: ۱۸۷۶، رقم: ۲۹۲۳
۶۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۹۴، رقم: ۶۸۳۲، ۶۸۶۲، ۶۸۶۷
۷۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۱۹، رقم: ۳۱۶
۸۔ ابن حبان، ۸: ۳۳۷، رقم: ۳۵۷۱
۹۔ ابن حبان، ۸: ۴۰۰، رقم: ۳۶۳۸
۱۰۔ دارقطنی، السنن، ۲: ۱۷۶، رقم: ۲۰
۱۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۲۷۵، رقم: ۸۱۲۸
۱۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۲۹۹، رقم: ۸۲۵۷
۱۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲

←

حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ انسانی حقوق کا عظیم چارٹر انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا اس طرح احاطہ کرتا ہے:

۱۔ انفرادی حقوق
۲۔ سماجی حقوق
۳۔ سیاسی حقوق
۴۔ اقتصادی حقوق

اِن حقوق کی توضیح آئندہ ابواب میں کی جائے گی۔

۱۔ اِنفرادی حقوق

فرد معاشرے کی اکائی ہے۔ جب تک کسی بھی معاشرے میں فرد کی حیثیت کا تعین اور اس کے حقوق کا تحفظ نہیں کیا جائے گا اس معاشرے میں من حیث المجموع حقوق کے تحفظ کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ اسلام نے نہ صرف فرد کو باوقار مقام عطا کیا ہے بلکہ اسے وہ تمام حقوق بھی عطا کئے ہیں جو اس کے ارتقاء و بہبود کے لئے ضروری ہیں۔

۲۔ سماجی حقوق

اسلام نے فرد کے حقوق کے بیان کے ساتھ ساتھ معاشرے کے حقوق کا بھی جامع احاطہ کیا ہے۔ اسلام نے مختلف افراد معاشرہ کے معاشرتی و سماجی حقوق و فرائض کی تعلیم دے کر وہ تمام مثبت بنیادیں فراہم کردی ہیں جو ایک متوازن، متعدل اور انسانی حقوق کا احترام کرنے والے معاشرے کے قیام کیلئے ضروری ہیں۔

۳۔ سیاسی حقوق

اسلام جہاں ایک مثالی معاشرے کے قیام کی تعلیم دیتا ہے وہاں وہ اس کا آخری ہدف ایک مثالی فلاحی سیاسی نظام کا قیام بھی قرار دیتا ہے۔ ایک مثالی سیاسی نظام کا

------ ۱۴۔ اصبہانی، المسند المستخرج، ۳: ۲۳۶، رقم: ۲۶۳۲
۱۵۔ اصبہانی، المسند المستخرج، ۳: ۲۴۰، رقم: ۲۶۴۲

قیام سیاسی حقوق و فرائض کے واضح تعین کے بغیر ممکن نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کے جملہ شہریوں کے حقوق کا واضح تعین فرمایا اور اس کی عملی توضیح و تشریح ہجرت کے بعد پہلی اسلامی ریاست قائم کر کے فرما دی۔

۴۔ اِقتصادی حقوق

حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانی زندگی کے اقتصادی اور معاشی پہلو کے حوالے سے بھی جامع تعلیمات عطا کیں۔ آپ کے عطا کردہ اقتصادی اور معاشی حقوق معاشرے میں مساویانہ معاشی نظام کے قیام کی ضمانت عطا کرتے ہیں۔ ان حقوق کی بنیاد قرآن کا دیا ہوا وہ انقلابی معاشی نقطہ نظر ہے جو اسلام کی معاشی تعلیمات کو دنیا کے تمام دیگر معاشی نظاموں سے منفرد کرتا ہے۔

اِنسانی حقوق کے تصور کا اُمتِ مسلمہ کی اِجتماعی زندگی پر اثر

اسلام کا عطا کردہ تصور حقوق اپنی موثریت کے حوالے سے صرف ایک رسمی اور قانونی حکم کی حیثیت نہیں رکھتا کہ اس کی تنفیذ اور روبہ عمل ہونا کسی قوت نافذہ ہی کا مرہون منت ہے بلکہ یہ اپنی اثر آفرینی میں اتنا جامع اور ہمہ گیر ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو کہ اس کے اثرات سے خالی رہا ہو۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے خدوخال اور رویوں کی تشکیل میں اسلام کے عطا کردہ انسانی حقوق کے تصور نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

ذیل میں ہم اسلامی معاشرے میں تشکیل پذیر ہونے والی ان مختلف روایات کا جائزہ لیتے ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی عطا کردہ ان تعلیمات کے زیر اثر فروغ پذیر ہوئیں جو آپ ﷺ نے انسانی حقوق کے احترام کے ذیل میں فرمائی تھیں۔

ا۔ انسانی حقوق اور معاشرتی روایات

(Human rights & social traditions)

اِنسانی معاشرہ افراد کے مابین موجود روابط پر مشتمل ایک ایسی سماجی اکائی ہے جو

افراد کے باہمی ذرائع ومقاصد کے رشتہ سے قائم ہوتی ہے۔ ابن خلدون کے مطابق:

’’اَفرادِ اِنسانی کا مل جل کر رہنا ایک ناگزیر امر ہے اور اہل علم اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انسان پیدائشی طور پر مدنیت پسند واقع ہوا ہے۔‘‘(۱)

اسلام سے قبل کا معاشرہ طرح طرح کے معاشرتی عیوب اور نقائص کا شکار تھا۔ انہی معاشرتی قباحتوں کا نتیجہ تھا کہ اس معاشرے میں بیٹیاں پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دی جاتیں اور عورتوں کو زندگی بھر طرح طرح کے مظالم کا سامنا کرنا پڑتا۔ نکاح کے نام پر انہیں اس طرح کے بندھنوں میں جکڑ دیا جاتا کہ انہیں انسانیت کے درجے سے بھی گرا دیا جاتا۔ غلاموں اور خادموں کو جانوروں سے بھی بدتر سلوک کا سامنا کرنا پڑتا۔ حضور اکرم ﷺ نے احترام انسانیت اور انسانی حقوق کی ادائیگی کا وہ تصور عطا کیا کہ عرب کا جاہل معاشرہ تہذیب انسانی کی معراج کا منظر پیش کرنے لگا۔

آپ ﷺ کے تعلیم کردہ انسانی حقوق کے تصور سے عرب معاشرہ ان اعلیٰ معاشرتی روایات سے بہرہ ور ہوا:

۱۔ تکریم انسانیت
۲۔ مساوات
۳۔ آزادی
۴۔ اخوت
۵۔ عدل
۶۔ رواداری

i۔ تکریم اِنسانیت

جملہ انسانی حقوق کی بنیاد انسان کے شرف و اکرام پر ہے جب تک من حیث

(۱) ابن خلدون، المقدمہ: ۴۹

العموم شرف انسانیت کو تسلیم نہیں کیا جائے گا، انسانی حقوق کے احترام اور ان کی ایک نظام کے طور پر ادائیگی روبہ عمل نہیں ہوسکتی۔ حضور اکرم ﷺ نے شرف انسانیت کا وہ تصور عطا کیا کہ جس سے ایک طرف جملہ مخلوق میں انسان کے اکرم و اشرف ہونے کا تصور واضح ہوا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۝(۱)

’’اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے انکو خشکی اور تری میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے فضیلت دیکر برتر بنا دیا۝‘‘

تو دوسری طرف رنگ و نسل اور وطن و زبان کی بنیاد پر تمام معیارات بے معنی و بے وقعت قرار دیتے ہوئے ان تمام حوالوں کو اضافی و تعارفی قرار دے دیا گیا:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ(۲)

’’اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، پھر تمہیں قبائل اور گروہوں میں تقسیم کیا تاکہ تم تعارف حاصل کرسکو، یقیناً اللہ کے نزدیک عزت و احترام کا مالک وہی ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے۔‘‘

تکریم انسانیت کی اساس بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’کسی کالے کو کسی گورے پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت حاصل

---

(۱) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۰

(۲) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۱۳

نہیں، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اللہ کے نزدیک وہی عزت والا ہے جو متقی ہے۔''(۱)

آپ ﷺ کی انہیں تعلیمات کا ثمر تھا کہ عرب معاشرے میں جہاں نسلی تفوق و برتری کا اظہار ایک روایت کی حیثیت رکھتا تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام سیدنا کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور موذن جیسے باوقار منصب پر ان کے فائز ہونے پر بھی کسی طرف سے انگشت اعتراض بلند نہ ہوئی تھی۔

ii۔ مساوات

تکریم انسانیت کی تعلیم کا لازمی نتیجہ معاشرتی مساوات ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ انسانی حقوق کے تصور نے عرب معاشرے کی مساوات کی وہ انقلاب آفریں تعلیم عطا کی جس سے نسلی و قبائلی برتری کے تمام بت پاش پاش ہو گئے۔ یہ مساوات ہمیں اسلامی زندگی کے ہر گوشے میں نظر آتی ہے، چاہے یہ انفرادی زندگی کا معاملہ ہو یا خانگی و عائلی زندگی، قانونی و عدالتی معاملات ہوں یا ریاستی امور اسلامی معاشرے میں مساوات کو ہر جگہ پیش نظر رکھنا ایک اصول قرار پایا جبکہ درجات اور برتری کو کردار سے وابستہ کر دیا گیا:

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○ (۲)

''اور (ان میں سے) ہر ایک کے لئے اس کے عمل کے مطابق درجے ہیں اور تمہارا رب تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے○''

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَ لِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ○ (۳)

---

(۱) احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۱۱

(۲) القرآن، الانعام، ۶: ۱۳۲

(۳) القرآن، الاحقاف، ۴۶: ۱۹

''اور (ان میں سے) ہر ایک کے لئے اس کے عمل کے مطابق درجے ہیں تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا پورا بدلہ عطا کرے اور ان پر کوئی ظلم نہ ہو گاo''

یہ اسلام کا عطا کردہ تصور مساوات ہی تھا کہ جب امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر تشریف لائے تو آپ کا خادم اونٹ پر سوار تھا اور آپ اونٹ کی مہار تھامے پیدل چل رہے تھے۔

iii۔ آزادی

حضور اکرم ﷺ نے رب ذوالجلال کی وحدانیت کی تعلیم عطا کر کے انسانیت کو ہر نوع کی غلامی و بندگی سے ہمیشہ کے لئے آزادی عطا کر دی چونکہ اسلامی معاشرہ میں ہر شخص خدائے واحد کی بندگی کرتا ہے سو کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنے ہی جیسے کسی دوسرے شخص کا خدا بن بیٹھے۔ اسلامی معاشرے میں ہر شخص کو اپنے حقوق سے فائدہ اٹھانے کی پوری آزادی عطا کی گئی بایں شرط کے اس کی آزادی سے کسی دوسرے فردِ معاشرہ کے حقوق اور شریعت کی مقرر کردہ حدود متاثر نہ ہوں۔ اسلامی معاشرہ اظہار رائے وعمل کی آزادی کا وہ منظر پیش کرتا ہے جس کی نظیر کہیں اور تلاش نہیں کی جا سکتی۔

iv۔ اخوت

حضور اکرم ﷺ سے قبل عرب معاشرہ باہمی دشمنیوں کا شکار تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر جنگیں چھڑ جاتیں جو کئی نسلوں تک جاری رہتیں۔ آپ ﷺ نے ان تمام تعصّبات اور دشمنیوں کو محبت واخوت سے بدل دیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (۱)

''مسلمان (آپس میں) بھائی بھائی ہیں۔''

---

(۱) القرآن، الحجرات، ۴۹:۱۰

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن المؤمن للمؤمن کالبنیان، یشدّ بعضه بعضاً(۱)

’’ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی مانند ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔‘‘

حضور اکرم ﷺ کے عطا کردہ انسانی حقوق کے تصور نے مسلم معاشرے میں وہ اجتماعی رویہ پیدا کیا جہاں معاشرے کا ہر فرد اپنے جان و مال پر دوسرے کے جان و مال کے تحفظ کو ترجیح دیتا تھا اور ریاست مدینہ میں مواخات کے موقع پر اسی روایت کے زیراثر انصار نے اپنے جملہ اموال مہاجرین میں برابر تقسیم کر دیئے۔

۷۔ عدل

عدل کے بغیر کوئی بھی معاشرہ صحت مند انداز سے فروغ پذیر نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس معاشرے میں انسانی حقوق کی کما حقہ ادائیگی ممکن ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے عدل کا کثرت سے ذکر فرمایا۔ قرآن حکیم نے اکثر مقامات پر قیام عدل پر زور دیا:

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ۔(۲)

’’فرما دیجئے کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔‘‘

وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ۔(۳)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۱۸۲، رقم: ۴۶۷
۲۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۵
۳۔ ترمذی، السنن، ۴: ۳۲۵، رقم: ۱۹۲۸
۴۔ نسائی، السنن، ۵: ۷۹، رقم: ۲۵۶۰

(۲) القرآن، الاعراف، ۷: ۲۹

(۳) القرآن، الانعام، ۶: ۱۵۲

''اور ناپ تول کو انصاف سے پورا کرو۔''

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔(۱)

''بے شک ہم نے اپنے رسول نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف قائم کریں۔''

آپ ﷺ کے عطا کردہ تصور انسانی حقوق سے عدل کی روایات پروان چڑھیں اور اسلامی معاشرے میں قانون کے نفاذ اور حقوق کی ادائیگی میں بھی کسی نوعیت کی تمیز اور فرق روا نہیں رکھا گیا۔ ایک موقع پر جب آپ ﷺ نے ایک معزز خاندان کی عورت کو چوری پر سزا دی تو اس کی سفارش کرنے والوں کی سفارش رد کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

و أيم الله لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها(۲)

''اور خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

خلفائے راشدین کے دور میں بھی یہ روایت آگے بڑھی جس کے ہمیں بے شمار نظائر ملتے ہیں حتی کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے پر بھی حد جاری کی۔(۳)

---

(۱) القرآن، الحدید، ۵۷ : ۲۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۸۸۲، رقم: ۳۲۸۸

۲۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۱۵، رقم: ۱۶۸۸

۳۔ ترمذی، السنن، ۴: ۳۷، رقم: ۱۴۳۰

(۳) محمد حسین ہیکل، الفاروق عمر: ۵۹۴

vi۔ رواداری

جب تک کسی معاشرے میں برداشت اور رواداری کا رویہ موجود نہ ہو وہاں انسانی حقوق کے احترام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ برداشت اور رواداری ہی دوسرے افراد معاشرہ کے حقوق کے احترام کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہر سطح پر برداشت اور رواداری کی تعلیم دی۔ انفرادی سطح پر رواداری کی اہمیت قرآن حکیم نے یوں بیان کی:

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَ اللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَO (۱)

’’یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنیوالے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہےo‘‘

جبکہ اجتماعی سطح پر رواداری کو بیان کرتے ہوئے ارشادِ باری تعالی ہے:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔(۲)

’’دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔‘‘

آپ ﷺ کی انہی تعلیمات کے زیراثر اسلامی معاشرہ رواداری اور برداشت کا ایسا مرقع بن گیا جہاں اقلیتیں بھی اپنے آپ کو غیرمسلم ممالک کی نسبت زیادہ محفوظ تصور کرتی تھیں۔(۳)

---

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۱۳۴

(۲) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۵۶

(3) T.W. Arnold, *The Preaching of Islam*, London, 1913, P.50

٢۔ اِنسانی حقوق اور اِقتصادی روایات

(Human rights & economic traditions)

انسانی معاشرے کی تشکیل میں افراد معاشرہ کی اقتصادی بحالی اساسی اہمیت کی حامل ہے۔ وہ معاشرہ جہاں افراد معاشرہ کے اقتصادی حقوق کا احترام نہ ہو اور ان کی ادائیگی کا نظام موجود نہ ہو انجام کار لوٹ مار اور انارکی کا شکار ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اقتصادی و معاشی حقوق کی ادائیگی کی ایسی تعلیم ارشاد فرمائی جس سے مسلم معاشرے میں ہر فرد دوسرے فرد کی معاشی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی تعلیمات نے معاشی و اقتصادی حقوق کی ادائیگی کو دین کے کلی نظام عقائد و عبادات کے ساتھ منسلک کر دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَo الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَo الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَo وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَo (١)

”ایسے نمازیوں کے لئے ہلاکت ہےo جو اپنی نماز سے بے خبر ہیںo جو ریاکاری کرتے ہیںo اور (عام) اشیائے ضرورت بھی (ضرورت مندوں) کو نہیں دیتےo“

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (٢)

”تم اس وقت تک نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک تم وہ (اس کی راہ میں) خرچ نہ کرو جس سے تم محبت کرتے ہو۔“

قرآن حکیم نے نہ صرف ہر فرد معاشرہ کے معاشرتی و اقتصادی حقوق کی ادائیگی پر زور دیا ہے بلکہ ناداروں اور محتاج افراد تک کی عزت نفس کا خیال رکھنے کی تعلیم دی ہے:

---

(١) القرآن، الماعون، ١٠٧: ٤۔٧

(٢) القرآن، آل عمران، ٣: ٩٢

وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْO(۱)

''اور کسی سائل کو نہ جھڑکیئے O''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الساعی علی الأرملة والمسکین...... کالقائم لایفتر، و کالصائم لا یفطر۔(۲)

''بیواؤں اور مسکینوں کی مصیبتوں کو دور کرنے والا شخص اجر و ثواب میں اس شخص کے برابر ہے جو ہمیشہ نماز میں مصروف رہتا ہےاوراس میں وقفہ نہیں کرتا اور ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اور کبھی افطار نہیں کرتا۔''

آپ ﷺ کے تعلیم کردہ انسانی حقوق کے تصور کا اثر تھا کہ اسلامی معاشرے میں اقتصادی حقوق کی ادائیگی کی روایت اتنی مستحکم و پختہ ہوگئی کہ حضرت عمرؓ نے بطور امیر المومنین اپنے اس احساس کو یوں بیان کیا:

لومات جمل ضیاعا علی شط الفرات لخشیت أن یسألنی اللہ عنہ۔(۳)

''اگر فرات کے کنارے کوئی اونٹ بھی بے سہارا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس فرمائے گا۔''

ایک روایت میں یوں ہے:

لو ماتت شاة علی شط الفرات ضائعة لظننت أن اللہ تعالیٰ سائلی

---

(۱) القرآن، الضحیٰ، ۹۳:۱۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵:۲۲۳۷، رقم:۵۶۶۱

۲۔ مسلم، الصحیح، ۴:۲۲۸۶، رقم:۲۹۸۲

(۳) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳:۳۰۵

عنها یوم القیامة۔(۱)

''اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی بے سہارا ہونے کی وجہ سے مر جائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے بارے میں مجھ سے جواب طلبی فرمائے گا۔''

آپ ﷺ نے اقتصادی حقوق کی ادائیگی کی اہمیت اپنی سنت مبارکہ سے واضح فرمائی۔ ایک مرتبہ ایک خاتون نے اپنے لڑکے کو مالی امداد کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تو کچھ نہیں پھر کسی وقت آ جانا۔ لڑکا واپس چلا گیا صاحب کشاف لکھتے ہیں:

فذهب الی امه فقالت له قل له: ان امی تستکسیك الدرع الذی علیك، فدخل داره و نزع قمیصه و اعطاه و قعد عریاناً ۔(۲)

''پھر وہ اپنی ماں کی طرف گیا تو اس کی ماں نے دوبارہ اسے بھیجا اور کہا کہ حضور ﷺ سے کہو اگر اور کچھ نہیں تو آپ ﷺ کے جسم مبارک پر جو قمیص ہے وہی عطا فرما دیں۔ آپ ﷺ گھر گئے اور قمیص اتار کر لڑکے کو عطا کر دی اور خود بغیر قمیص کے بیٹھ گئے۔''

اسلامی معاشرے کی یہی زریں روایت تھی کہ صحابہ کرامؓ باوجود تنگدستی کے دوسروں کے اقتصادی حقوق کا خیال رکھتے خود بھوکے رہتے اور چراغ گل کر دیتے تاکہ مہمان شکم سیر ہو کر کھانا کھا لے کیونکہ ان کے سامنے یہ تعلیم موجود تھی:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔(۳)

---

(۱) ۱۔ ابن جوزی، سیرت عمر بن خطاب: ۱۶۱
۲۔ اصبہانی، حلیۃ الاولیاء، ۱:۵۳
(۲) زمخشری، کشاف، ۲:۶۶۲
(۳) القرآن، الحشر، ۵۹:۹

’’وہ دوسروں کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں، خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔‘‘

۳۔ انسانی حقوق اور سیاسی روایات

(Human rights & political traditions)

اسلام سے قبل امور مملکت مستبد، جابر اور غیر نمائندہ افراد کے ہاتھوں میں ہوتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے عطا کردہ سیاسی حقوق نے تصور سیاست و حکومت کو کلیۃً بدل دیا۔ آپ ﷺ نے سیاسی و حکومتی عہدوں کو امانت اور ذمہ داریوں سے بدل دیا۔ اقتدار اعلیٰ کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے سزاوار ٹھہرایا جس سے انسانی سطح پر برابری کی بنیاد پر سیاسی حقوق کا تصور اجاگر ہوا، ارشادِ ربانی ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۔(۱)

’’آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کے لئے ہے۔‘‘

یعنی اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور امور مملکت و سیاست بندوں کے پاس بطور امانت ہوں گے۔ چنانچہ خلیفہ کی تعریف یوں کی گئی:

’’اور جس کے ہاتھ میں روئے زمین کے باشندوں کی سیاسی تنظیم و تدبیر کا کام ہے جو انسانوں کے مفاد عامہ کا نگران ہو اور جو حکومت کا حصہ دوسری قوت کی طرف سے حاصل کرے، خلافت خلیفہ کے کاموں اور کارناموں کی صورت اور ان سے جو منصب حکومت پیدا ہوتا ہے اس کا نام ہے۔‘‘(۲)

علامہ زمخشری کے کے مطابق:

’’خلیفہ وہ ہے جو کسی دوسرے کا نمائندہ اور نائب ہو۔‘‘(۳)

---

(۱) القرآن، الشوریٰ، ۴۲: ۴۹

(۲) ابوحیان، البحر المحیط، ۱: ۱۴۰

(۳) زمخشری، کشاف، ۱: ۶۱

حضور اکرم ﷺ نے انسانی حقوق عطا کرتے ہوئے ریاست کے ہر فرد کو سیاسی حقوق عطا فرمائے جن میں حق آزادی رائے و اظہار رائے (آل عمران،۳:۱۱۰ ، نساء،۴:۵۹)، آزادی اجتماع،حق مشاورت و انتخاب (آل عمران،۳:۱۵۹، شوریٰ،۴۲: ۳۸)اورحق احتساب (الحشر،۵۹:۷) شامل ہیں۔

اسلامی معاشرے میں سیاسی حقوق کے تصور کے زیر اثر تشکیل پذیر ہونے والی سیاسی روایت کا اثر تھا کہ ایک عام شہری بھی خلیفہ وقت سے ریاستی امور اور اسکے کردار بارے باز پرس کرسکتا تھا۔ اور جو بنیادی خصوصیات اسلام نے سربراہ مملکت کے لئے ضروری قرار دیں انہیں ہر دور میں اہمیت دی جاتی رہی۔ ان میں سرفہرست علم، عدالت ، کفایت اور امانت ہیں۔(۱)

سربراہ مملکت کے انتخاب کی اہلیت و قابلیت کی ناگزیریت کی روایت ہی تھی کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جانشینی کے سلسلہ میں مشاورت ہو رہی تھی تو ایک شخص نے حضرت فاروق اعظم کو ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کی رائے دی تو آپ نے اسے ڈانٹا اورفرمایا: بخدا میں ہرگزنہیں چاہتا کہ ایک ایسے شخص کو اپنا جانشین بنادوں جو اپنی بیوی کو اچھی طرح طلاق بھی نہیں دے سکتا۔(۲)

آپ ﷺ کی عطا کردہ اس سیاسی روایت کے تحت خلفائے راشدین کے انتخاب میں شورائی اور جمہوری روح کارفرما رہی۔ خلفائے راشدین کے دور میں عوام کی اقتدار میں شورائی شرکت دو پہلوؤں سے ایک نظام کی شکل اختیار کر گئی:

۱۔ اسلامی ریاست کے قابلِ اعتماد اصحاب کی بیعت جنہیں اہل حل و عقد، اولوالامر، اھل الشوریٰ، اھل الاجماع اور اھل الشوکہ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

---

(۱) ۱۔ ابن خلدون، التاریخ، ۱:۱۶۱

۲۔ ماوردی، الاحکام السلطانیہ: ۴

(۲) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۱۴۲

۳۔عوام الناس کی بیعت(۱)

اسلامی معاشرے میں حضور اکرم ﷺ کے عطا کردہ سیاسی حقوق جہاں ایک طرف عام شہری کو شریک اقتدار کرتے ہیں تو دوسری طرف حکمرانوں میں بھی احساس ذمہ داری پیدا کرتے ہیں کہ وہ اس ذمہ داری کو قوم کی امانت سمجھ کر نبھائیں اور کسی بھی موقع پر رعایا کے حقوق پورے کرنے میں کوتاہی کے مرتکب نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب خلیفہ کا انتخاب کر لیا جاتا تو وہ منبر پر آتا اور اعلان کرتا:

''اگر میں اچھے اصولوں پر قائم رہوں تو میری امداد پر کمر بستہ رہو اور اگر برا طرزِ عمل اختیار کروں تو مجھے سیدھا کرو۔ جسے اپنی قوت کا گھمنڈ ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے اور جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقت والا ہے۔ میں طاقتور کمزور کا حق لے کر ہی مطمئن ہوسکتا ہوں۔''(۲)

۴۔ اِنسانی حقوق اور قانونی روایات

(Human rights & legal traditions)

حضور اکرم ﷺ کے عطا کردہ انسانی حقوق کے تصور کے اثرات اسلام کے قانونی نظام پر بھی نمایاں ہیں۔ زندگی حقوق و فرائض سے عبارت ہے۔ اور کوئی بھی نظام قانون اس وقت تک مثالی نہیں ہوسکتا جب تک اس میں حقوق و فرائض کا توازن اور حقوق کی فراہمی کی واضح ضمانت نہ دی گئی ہو۔ ایسا معاشرہ جس کے نظام قانون میں حقوق کی فراہمی کی واضح ضمانت نہ ہو، افراد معاشرہ اپنے حقوق کے حصول کے لئے غیر قانونی ذرائع اختیار کریں گے اور اس سے معاشرہ لاقانونیت اور اخلاقی بے راہ روی کی راہ پر چل نکلے گا۔ آپ ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات کے تحت اسلام میں ایک ایسی قانونی روایت پروان چڑھی جس میں حقوق انسانی کے احترام و تحفظ کو ایک نظام کی شکل دے دی گئی۔

---

(۱) ابن اثیر، اسد الغابہ، ۲۱: ۲۲

(۲) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۵: ۳، ۴

اسلام کے نظامِ قانون میں حقوق کی درج ذیل اقسام ہیں:

۱۔حقوق اللہ

۲۔حقوق العباد

حقوق اللہ

ان سے مراد معاشرے کے وہ حقوق ہیں جو بنی نوع انسان کی عمومی منفعت سے متعلق ہیں۔ ان میں انفرادیت کا عنصر نہیں ہوتا بلکہ ان کی نوعیت عوامی یا معاشرتی ہوتی ہے۔اس طرح ان کی تنفیذ، تحفظ اور خلاف ورزی پر سزا کا اجراء بھی معاشرے کی مجموعی ذمہ داری ہے۔ دوسرے الفاظ میں حقوق اللہ کی تنفیذ اور ان کی خلاف ورزی پر تادیب و سزا انسانی حقوق ہی کے تحفظ و نفاذ کا ایک پہلو ہے۔

حقوق العباد

ان کا تعلق افراد معاشرہ کی انفرادی حیثیت سے ہے۔ان کی تنفیذ اس شخص کی صوابدید پر ہوتی ہے جس کا حق مجروح ہوا ہو۔

مندرجہ بالا دونوں نوعیّتوں کے باہمی ربط و تعلق سے حقوق کی یہ اقسام تشکیل پاتی ہیں:

۱۔الجمع بین الحقین مع غلبۃ الاول

اس صورت میں حقوق معاشرے اور فرد کے اجتماعی اور انفرادی حقوق کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ تاہم اس صورت میں اجتماعی پہلونجی پر فوقیت رکھتا ہے۔مثلا قاذف کی سزا۔

۲۔الجمع بین الحقین مع غلبۃ الثانی

اس صورت میں فرد کا نجی پہلو حقوق کے اجتماعی پہلو پر فوقیت رکھتا ہے مثلا قصاص کا قانون۔

اگر اسلام کے نظام قانون میں حقوق کی اس تقسیم کا جائزہ لیا جائے تو حقوق انسانی کے تحفظ اور تنفیذ کی ضمانت کا تصور نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ اسلام کے نظام قانون کے درج ذیل اساسی اصول بھی حقوق انسانی کی فراہمی کو یقینی بنانے کی روح کے حامل ہیں:۔

۱۔ اصول عدم حرج: کہ زندگی کی مشکلات کا ازالہ ہو۔

۲۔ قلت تکلیف: کسی شخص پر اسکی استعداد سے زائد تکلیف نہ ہو۔

۳۔ تدریج: ہر فرد پر ذمہ داریاں درجہ بدرجہ ڈالی جائیں۔

۴۔ نسخ وتغیر: نفاذ قانون میں بدلتے حالات کو مدنظر رکھا جائے۔

۵۔ رخصت واستثنٰی: اضطراری حالت میں رخصت واستثنٰی کی اجازت دی جائے۔

۶۔ اصولی اباحت: کسی ایسے امر یا حق کو اس وقت تک ناجائز تصور نہ کیا جائے جس کی قانون واضح طور پر ممانعت نہ کر رہا ہو۔

معاشرے میں جرم و گناہ کے ازالے کے لئے اسلام کا دیا ہوا نظام حکومت انسانی حرمت و وقار کے تحفظ کا ضامن ہے اگرچہ ہر جرم کے لئے سزا تجویز کی گئی ہے مگر اس کا مقصود ایذا رسانی یا انسانی تحقیر نہیں بلکہ انسانی وقار اور تقدس ہی کے احترام کو یقینی بنانا ہے۔ حدود کے نفاذ کی وہ تعلیم و منہج جو درج ذیل احادیث نبوی سے مترشح ہوتا ہے اسی حکمت کو بیان کر رہا ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تکونوا اعوانا للشیطان علی اخیکم، انه لا ینبغی للامام إذا انتهی إلیه حد إلا ان یقیمه،إن الله عفو یحب العفو، و لیعفوا و لیصفحوا،ألا تحبون أن یغفر الله لکم والله غفور رحیم(۱)

---

(۱) حاکم، المستدرک، ۴: ۴۲۴، رقم: ۸۱۵۵

’’اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار مت بنو، جب حاکم کے پاس حد کا معاملہ آئے تو وہ حد لگائے بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے والے کو پسند کرتا ہے اور چاہئے کہ لوگ بھی معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا ہے۔‘‘

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من أصاب ذنبا أقيم عليه حد ذلك الذنب فهو كفارته۔(۱)

’’جس نے بھی گناہ کا ارتکاب کیا اور اس پر اس گناہ کی حد لگ گئی تو یہ حد اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔‘‘

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من أذنب ذنبا فی الدنيا فعوقب به فالله أعدل أن يثنی عقوبته على عبده، و من أذنب ذنبا فی الدنيا فستر الله عليه و عفا عنه فالله اكرم من أن يعود فی شیء قد عفا عنه۔(۲)

’’جس نے دنیا میں کوئی گناہ کیا اور اسے سزا بھی دے دی گئی تو آخرت میں اسے اس گناہ کی سزا دینا اللہ کے عدل کے منافی نہیں ہے اور جس نے دنیا میں

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۱۴، رقم: ۲۱۹۱۵
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۴: ۸۸، رقم: ۳۷۳۲
۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۲۸

(۲) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۴۸۳، رقم: ۳۶۶۴
۲۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۸۶۸، رقم: ۲۶۰۴
۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۲۸

گناہ کیا اور اسے اللہ نے پردے میں رکھا اور معاف کر دیا تو یہ اللہ کی شان کریمی کے خلاف ہے کہ بندے کو جس گناہ پر معاف کر دیا گیا ہو اسے آخرت میں اس گناہ پر سزا ملے۔‘‘

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ادرؤوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم، فإن كان له مخرجاً فخلوا سبيله، فان الإمام لأن يخطئ في العفو خير من أن يخطئ في العقوبة۔(۱)

’’جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں پر سے حدود کے اجراء کو ٹالو۔ اگر تم کسی (مسلمان) کے لئے حد سے بچنے کی کوئی راہ پاؤ تو اسے بچنے دو۔ حاکم کا معاف کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔‘‘

حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ادرؤا الحدود و لا ينبغي للامام أن يعطل الحدود۔(۲)

’’حدود کو ٹالو مگر امام کے لئے مناسب نہیں کہ وہ حدود کے نفاذ کو معطل کرے۔‘‘

ادفعوا الحدود عن عباد الله ما وجدتم له مدفعا۔(۳)

’’تم اللہ کے بندوں سے حدود کو دور کر دو جب تم اس کے لئے حدود کو رفع کرنے کا راستہ پاؤ۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، ۴: ۳۳، رقم: ۱۴۲۴

۲۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۴۲۶، رقم: ۸۱۶۳

(۲) بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۲۳۸

(۳) ابن عدی، الکامل، ۱: ۲۳۱

أقيلوا ذوی الهيئآت عثراتهم إلا الحدود۔(۱)

''باعزت لوگوں کی لغزشوں سے درگزر کیا کرو ماسوائے حدود کے (یعنی حدود کے معاملے میں درگزر کرنے کی اجازت نہیں ہے)۔''

انسانی حقوق کے احترام کی روح کی کارفرمائی ہی کا اثر ہے کہ اسلام کے نظام قانون میں کوئی ایسی روش پروان نہیں چڑھ سکی جس سے افراد و معاشرہ کے حقوق پر زد پڑتی ہو بلکہ تحفظ حقوق کی روایت کو فروغ دیا گیا جس کا اثر قانونی ارتقاء اور اس کے نفاذ دونوں میں برابر نظر آتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اسلامی معاشرے میں قانون کی حکمرانی (Rule of Law) کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اذا جلس بين يديك الحضمان فلا تقتضی حتی تسمع من الاخر كما سمعت من الاول۔(۲)

''جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ فیصلے کے لئے آئے کسی فریق کا موقف سن کر اس وقت تک فیصلہ نہ کرو جب تک دوسرے فریق کا موقف بھی اس طرح نہ سن لو جس طرح پہلے فریق کا موقف سنا تھا۔''

حقوق انسانی کے احترام کا تصور ہمیں اسلام کے نظام قانون کے ارتقاء میں بھی نظر آتا ہے جس کا کچھ اندازہ ان رہنما اصولوں سے ہوتا ہے جو مسلم فقہا اور مقننین نے طویل تفکر کے بعد وضع کئے:

۱ ۔ الاصل ان من ساعده الظاهر فالقول قوله والبينة علی من

---

(۱) ۱۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۱۳۳، رقم: ۴۳۷۵
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۸۱، رقم: ۲۵۵۱۳
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۴: ۳۱۰
(۲) بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۳۷

یدعی خلاف الظاھر۔ (۱)

''اصول یہ ہے کہ ظاہری اعتبار سے درست بات کو ترجیح دی جائے گی اور ظاہر کے خلاف دعویٰ کرنے والے سے ثبوت طلب کیا جائے گا۔''

۲۔ الاصل ان امور المسلمین محمولة علی السداد و الصلاح حتی یظھر غیرہٗ۔(۲)

''اصول یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملات پائیداری اور مفاد عامہ پر مبنی ہوں گے سوائے اسکے کہ مختلف حالات ہوں۔''

۳۔ ان الاحتیاط فی حقوق اللّٰہ تعالیٰ جائز وفی حقوق العباد لا یجوز۔(۳)

''اصول یہ ہے کہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں احتیاط جائز ہے مگر حقوق العباد میں جائز نہیں۔''

٤۔ المشقة تجلب التیسیر(۴)

---

(۱) ۱۔ برکتی، قواعد الفقہ، ۱:۱۲، ۱۲۹

۲۔ ابن عبدالبر، التمہید، ۷: ۱۳۴

۳۔ زرعی، حاشیۃ ابن قیم، ۱۳: ۲۲

(۲) ۱۔ برکتی، قواعد الفقہ، ۱: ۶۳

۲۔ سیوطی، جواہر القدر، ۲: ۳۰۳

(۳) ۱۔ برکتی، قواعد الفقہ، ۱: ۱۵

۲۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱: ۲۵۵

۳۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ۱: ۲۲۲

(۴) ۱۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱: ۷

۲۔ برکتی، قواعد الفقہ، ۱: ۱۲۲

۳۔ ابن بدران، المدخل، ۱: ۲۹۸

۴۔ زرکشی، المنثور فی القواعد ۱: ۱۲۳۰

''جب کسی کام میں شدید تنگی ہو تو اس میں وسعت وہ جائے گی۔''

۵۔ لا ضرر ولا ضرار۔(۱)

''اصول یہ ہے کہ نہ ضرر پہنچے اور نہ ضرر پہنچایا جائے۔''

۶۔ الضرر یزال۔(۲)

''ضرر کا ازالہ کیا جائے گا۔''

۷۔ الضرورات تبیح المحظورات۔(۳)

''ضرورت ایک ممنوع امر کو مباح کر دیتی ہے۔''

۸۔ الضرورات تقدر بقدرھا۔(۴)

---

(۱) ا۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱: ۷
۲۔ رازی، المحصول، ۵: ۲۴۱
۳۔ برکتی، قواعد الفقہ، ۱: ۱۰۶
۴۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ۱: ۳۸۴
۴۔ آمدی، الاحکام، ۳: ۳۱۷

(۲) ا۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱: ۷، ۸۳، ۸۶
۲۔ برکتی، قواعد الفقہ، ۱: ۸۸

(۳) ا۔ دسوقی، حاشیہ، ۱: ۱۵۰
۲۔ زرقانی، شرح الموطا، ۳: ۳۰۲
۳۔ نفراوی، الفواکہ الدوانی، ۲: ۶۰
۴۔ عدوی، حاشیہ، ۲: ۲۵۳
۵۔ ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات، ۴: ۱۴۵
۶۔ سلیمان بن عمر، کتاب التقریر والتعبیر، ۳: ۳۵۱

(۴) ا۔ برکتی، قواعد الفقہ، ۱: ۸۹

←

''ضرورتوں کو ان کے اندازہ کے مطابق اہمیت دی جائیگی۔''

۹۔ یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام۔(۱)

''ضرر عام کے دفیعہ کے لئے ضرر خاص قابل برداشت ہوگا۔''

۱۰۔ الضرر الأشد یزال بالأخف ۔(۲)

''شدید ضرر کا ازالہ نسبتاً خفیف ضرر سے کیا جائے گا۔''

۱۱۔ یدفع الضرر بقدر الامکان۔(۳)

''ضرر کو بقدر امکان دفع کیا جائے گا۔''

۱۲۔ الحاجۃ تنزل منزل الضرورۃ عامۃ او خاصۃ۔(۴)

''حاجت عامۃ یا حاجت خاصہ ضرورت کا درجہ پائے گی۔''

------ ۲۔سلمی، قواعد الاحکام فی مصالح الانام، ۱:۹۱

۳۔شروانی، حواشی ، ۱: ۱۱۸

۴۔نووی، نہایۃ الزین، ۱: ۱۵۱

۵۔ابن عابدین، حاشیۃ، ۲: ۲۵۴

۶۔نعیب ہواوینی، المعلمۃ، ۱: ۱۸

(۱) محمد خالد الاتاسی، شرح المجلۃ، ۱: ٦٦

(۲) ۱۔ برکتی، قواعد الفقہ، ۱: ۸۸

۲۔آمدی، الاحکام، ۳: ۱۵۱

(۳) محمد خالد اتاسی، شرح المجلۃ، ۱: ۷۱

(۴) ۱۔سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱: ۸۸

۲۔ برکتی، قواعد الفقہ، ۱: ۷۵

۵۔ اِنسانی حقوق اور عسکری روایات

(Human rights & traditions of warfare)

اسلام میں ناگزیر عسکری سرگرمیوں میں بھی حقوق انسانی کے احترام کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اس کی وضاحت امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امرائے عساکر کو دی جانے والی ہدایات سے ہوتی ہے، جن کا اجمالی ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

(۱) احکامات بجالانا

(۲) بزدلی سے کنارہ کشی

(۳) کسی ایسے کام کے لئے اقدام نہ کرنا جس میں تباہی مچانے کی نیت ہو یا جس کے نتیجے میں فساد فی الارض کا اندیشہ ہو۔

(۴) غداری نہ کرنا

(۵) فصلوں اور درختوں کو صرف نقصان پہنچانے کی غرض سے نقصان نہ پہنچانا

(۶) جانوروں کو صرف ہلاک کرنے کی خاطر ہلاک نہ کرنا

(۷) مکانات اور عمارات کو صرف تباہی کی غرض سے تباہ نہ کرنا

(۸) جو لوگ جنگ میں شریک نہ ہوں انہیں قتل نہ کرنا

(۹) مال غنیمت کی حفاظت کرنا اور غلول نہ کرنا یعنی اس میں سے کوئی چیز نہ چرانا

(۱۰) دشمنوں کے سروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ لیجانا۔

حضرت عمرو بن العاص اور حضرت شرجیل بن حسنہ نے حضرت عتبہ کے ذریعے رومیوں کے جرنیل یناق کا سر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس مدینے بھیجا۔ جب حضرت عتبہ سر لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے اس حرکت کو سخت ناپسند کیا حضرت عتبہ نے حضرت ابوبکر سے عرض کیا: ''اے خلیفہ رسول! شام کے لوگ ایسا ہی

کرتے ہیں‘‘۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ’’کیا میں بھی فارس و روم کے طریقے پر چلوں؟ آئندہ میرے پاس کوئی سر نہ لایا جائے بس خط اور اطلاع ہی کافی ہیں‘‘ پھر آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا: ’’ہمارے پاس شام کے جرنیل یناق کا سرلایا گیا ہے۔ ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں یہ تو عجمیوں کا طریقہ ہے۔‘‘ (۱)

عن عبداللہ بن عمر قال نهی رسول اللہ ﷺ عن قتل النساء والصبیان۔(۲)

’’حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔‘‘

الغرض حضور اکرم ﷺ کے عطا کردہ انسانی حقوق کے تصور نے ایک ایسے معاشرے کے قیام کی اساس مہیا کی جس میں انسانی حقوق کا احترام، انسانی تہذیب و تمدن کے ہر دور سے بہتر حالت میں موجود رہا اور انسانیت اس باب میں رہنمائی کے لئے ہمیشہ سیرت الرسول ﷺ کی محتاج رہے گی۔

اِنسانی حقوق کے نفاذ میں عدمِ اِمتیاز

اِسلام نے انسانی حقوق کی عطائیگی میں ہر طرح کے جنسی، نسلی اور طبقاتی امتیازات کی نفی کی ہے۔ قرآن حکیم نے بنی نوع انسان کے مابین مساوات کی اصولی بنیاد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ سعید بن منصور، السنن، ۲: ۲۶۳
۲۔ عبدالرزاق، المصنف، ۵: ۳۰۶
۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۱۳۲
۴۔ ابن قدامہ، المغنی، ۸: ۴۹۴
(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۰۹۸، رقم: ۲۸۵۲
۲۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۶۴، رقم: ۱۷۴۴

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً۔(۱)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا۔''

پھر ہر اس سبب اور وجہ کی نفی کی جو کسی طور بھی انسانی مساوات کی پامالی کا باعث بن سکتی تھی بلکہ وجہ شرف وفضیلت تقویٰ کو قرار دیا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔(۲)

''اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے طبقات (گروہ) اور قبیلے بنادیئے تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو (لیکن کسی کو اعلیٰ طبقہ میں پیدا کرنا، ممتاز قبائل سے اس کا تعلق ہونا اس کا مال و دولت، صورت وشکل وقار و وجاہت سب دنیا تک ہے اللہ کے یہاں ان میں سے کسی کی کوئی قدر نہیں) بے شک اللہ کے نزدیک تو تم سب میں عزت والا مشرف و فضیلت والا) وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو (پرہیزگاری اختیار کرے اور متقی بنے)۔''

اسلام نے انسانی مساوات کے حق کے احترام ونفاذ پر اس قدر زور دیا کہ جب حضور اکرم ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ بنت جحش کو نکاح کا پیغام دیا تو حضرت زینب اور ان کے بھائی کو اس نکاح کی منظوری میں قدرے تامل ہوا جس پر آیہ مبارک نازل ہوئی:

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۱

(۲) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۱۳

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَ قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْراً اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ۔(۱)

''اور کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دے تو پھر ان کا اپنے معاملے میں کچھ اختیار باقی رہ جائے۔''

کہ ذاتی پسند اور ناپسند پر اللہ اوراس کے رسول کے حکم کوترجیح دی جائے۔ اس طرح حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے نسلی اور خاندانی فخر کے باوجود اس حکم کے سامنے سر جھکانا پڑا اور یوں تعلیمات نبوی سے نسلی امتیاز کے بت کو توڑ کر انسانی مساوات کا بہترین عملی نمونہ سماج کے سامنے پیش کیا گیا۔

اسلام نے انسانی حقوق کے باب میں ہر طرح کے امتیازات کی نفی کرتے ہوئے صرف دنیاوی معاملات میں ہی مساوات کے اصول پر مبنی حقوق عطا نہیں کئے بلکہ نیک اعمال کی بجاآوری پر آخرت کا اجر وثواب بھی اس اصول کے تحت قرار دیا ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۝ (۲)

''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور صادق مرد اور صادق عورتیں اور صابر مرد اور صابر عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، اور

(۱) القرآن، الاحزاب، ۳۳: ۳۶

(۲) القرآن، الاحزاب، ۳۳: ۳۵

خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں اللہ نے ان کے واسطے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہےo‘‘

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ج بَعْضُكُمْ مِّنْ م بَعْضٍ ج(۱)

’’پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرما لی (اور فرمایا) یقیناً میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ خواہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے میں سے (ہی) ہو۔‘‘

قرآن حکیم کی متذکرہ بالا آیات سے یہ امر اظہر من الشّمس ہے کہ اسلام نے حقوق کی عطائیگی، احترام اور نفاذ کو ہر طرح کے جنسی، نسلی یا طبقاتی امتیاز سے بالاتر قرار دیا اور وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ کے آفاقی ضابطے کے تحت احترام آدمیت کو ہی اولین بنیاد بنایا ہے جس کی مثال بھی دوسری تہذیب یا قوم کے ہاں نہیں مل سکتی۔

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۱۹۵

باب دُوُم

اِسلامی اور مغربی تصوّرِ حقوق کا موازنہ

دورِ جدید میں اِنسانی حقوق کا مفہوم

انسانی حقوق بنی نوعِ انسان کے حقوق اور آزادیوں سے عبارت ہیں اصطلاحی طور پر انسانی حقوق کا استعمال نسبتاً نیا ہے اور یہ دوسری جنگ عظیم اور 1945 میں اقوام متحدہ کی تاسیس سے متداول ہے۔ یہ اصطلاح ''فطری حقوق'' کے متبادل کے طور پر وجود میں آئی جو اس بناء پر متنازعہ فیہ بن گئی کہ ''آدمیوں کے حقوق'' کی مترادف اصطلاح کا اطلاق عالمی سطح پر عورتوں کے حقوق پر نہیں ہوسکتا تھا لہذا یہ زیادہ دیر تک رائج نہ رہ سکی۔ حقوق معاشرتی زندگی کے وہ احوال ہیں جن کے بغیر انسان اپنی شخصیت کے مناسب اظہار اور ضروری نشوونما کے اعتبار سے اپنی بہترین صلاحیتوں کو اپنے اور دوسروں کے حوالے سے بروئے کار نہیں لاسکتا۔ دوسرے زاویۂ نظر سے دیکھا جائے تو حقوق وہ مواقع ہیں جن کا فقدان انسان کو زندگی کی کسی جہت سے محروم کر دیتا ہے۔ حقوق کے بغیر انسان کسی برتر و اعلیٰ حاکم کے زیرنگیں غلام ہوتا ہے۔ اس بنا پر ہر معاشرے کے سیاسی فکر میں ان حقوق کا تصور پایا جاتا ہے۔

''انسانی حقوق'' کی اصطلاح کا وسیع تر مفہوم انسانی زندگی، شرف و وقار کے تحفظ اور اس سے متعلقہ معاملات کا احاطہ کرتا ہے۔ ماہرین قانون اور فلسفیوں نے اپنے اپنے انداز سے انسانی حقوق کا تصور دینے کی کوشش کی ہے۔ مشہور مغربی مفکر لاسکی (Laski) کے نزدیک انسان کے فطری حق آزادی کا اظہار بھی حامل بنیادی حقوق سے ہی ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> The more equal are the social rights of citizens, the more likely they are to be able to utilize their freedom in realms worthy of exploration.(1)

(1) Laski, Harald J., *Liberty in the Modern State*, Harper and Brothers, 1930. p 8.

''(کسی ریاست میں) شہریوں کے سماجی حقوق جتنے مساوی ہوں گے وہ اظہار آزادی کے مختلف دائروں میں اتنا ہی زیادہ آزادی سے متمتع ہوسکیں گے۔''

لیوائن (Levine) ''حق'' کے تصور کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی یوں تعریف کرتا ہے کہ یہ ''ایک فرد یا گروہ کی طرف سے کیا گیا جائز دعویٰ ہے'' اس طرح یہ تصور کسی بھی اس دعویٰ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جس کا ''حق'' بننے کے لئے کسی دیئے گئے قانونی نظام کے تحت جائز ہونا لازمی امر ہے گویا کہ دعویٰ کا نفس مضمون یا تو قانون میں دی گئی ہدایت کے مطابق اجازت یافتہ ہو یا واضح اور غیر مبہم طور پر اس کو ممنوع نہ قرار دیا گیا ہو۔ اس کی ایک مثال نشہ آور ادویہ کی ہے۔ چونکہ ان کے استعمال سے منع کیا جاتا ہے اسے جائز ''دعویٰ حق'' قرار دینے کے لئے وجہ جواز نہیں بنایا جاسکتا۔

انسانی حق کی تعریف کرتے ہوئے لیوائن مزید وضاحت یوں کرتا ہے:

''عمومی طور پر حقوق کا دعویٰ معاشرتی ڈھانچوں کے اندر کیا جاتا ہے۔ حقوق کا تصرف دوسری نسبتِ اضافی کے طور پر کیا جاتا ہے، حقوق کے دعوے کو استدلال کی بنا پر دوسروں کی نسبت قائم کیا جاتا ہے۔ جب حقوق کی بات ہوگی تو لامحالہ ایک معاشرہ یا کمیونٹی کا ذکر ضرور آئے گا جس میں وہ دعوے کئے جاتے ہیں اور ان حقوق پر درستگی دعویٰ کی بنیاد پر قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ اس طرح ''انسانی حقوق'' انسانی معاشرے کے اندر کیا ہوا دعویٰ ہے جو انسان ہونے کی بنا پر تصرف میں لانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک جو حق کے تصور کو غیر مشکوک اور غیر مبہم گردانتے ہیں انسانی حقوق کے وجود کا دار و مدار انسانی کمیونٹی کو معقولیت اور پختگی سے تشکیل دینے پر ہے۔ اس بنا پر انسانی حقوق کی نوعیت اور ان کی وسعت پذیری کا انحصار اس کمیونٹی کے مزاج پر ہے۔''(۱)

(1) Levine, Andrew, *Human Rights & Freedom*, "The Philosophy of *Human Rights*, ed. S. Rosenbaum Aldwych Press, London, p. 137.

لیوائن کے استدلال کی رو سے حقوق کو ایک گروہ کے معاشرتی، قانونی اور اخلاقی ڈھانچے کے مدنظر قائم کیا جاتا ہے، ان پر دسترس رکھی جاتی ہے اور ان کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور ایسا ایک معاشرتی تنظیم کے دائرے یا فریم ورک کے اندر کیا جاتا ہے جس سے عوامی دلچسپی اور میلانِ طبع کے معیار کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ اس لئے حقوق کے دعووں کو از روئے استدلال دوسروں سے مربوط کرنے سے مراد وہ لازم و ملزوم فریضہ ہے جس کا بار صرف دوسروں کے حوالے سے اٹھایا جاتا ہے۔ وہ فریضہ کسی ذمہ داری کی ادائیگی سے سبکدوش ہونے کی صورت میں مثبت بھی ہوسکتا ہے اور منفی بھی یعنی اگر بے بسی، جمود اور عدم مداخلت کے معنوں میں لیا جائے تو پھر یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی حقدار کو اس کے حق کے حصول سے روک دیا جائے اور وہ اپنے حقوق کو استعمال کرنے سے اپنے آپ پر پابندی اور قدغن لگا دے۔

حق اور فرض کی باہمی تلازمیت

حقوق انسانی کے تجزیے کی کسی بحث میں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا ہوگا: اولاً یہ کہ حقوق کا سوال کسی معاشرے میں ہوتا ہے، وہ معاشرتی انسان کی ضرورت ہوتے ہیں اور اجتماعی زندگی کے دھارے سے کٹ کر ان کا کوئی مفہوم اور معنی نہیں ہوتا۔ ثانیاً ہر حق دوسری جانب کوئی نہ کوئی فریضہ یا ذمہ داری ہوتا ہے۔ میرا حق تمہارا فرض اور تمہارا فرض میرا حق ہوگا۔ دراصل حقوق اور فرائض ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں جن کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ تو کیا جاسکتا ہے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ حق اور فرض کے لازم و ملزوم ہونے کے نظریے کو ویزلے نیوکامب ہوفیلڈ (Wesley Newcomb Hohfeld) نے قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔(۱)

اپنے آپ کو روکے رکھنے کا مفہوم ایک حق پر حد لگا دیتا ہے یا حقدار کو اس حق

(1) Hohfeld, Wesley Newcomb, *Fundamental Legal Conception*, OUP, London, 1934, p. 36.

کے بروئے کار لانے سے روک دیتا ہے۔ اس روک دینے کے عمل کو آزادی سے باہمی طور متعلق گردانا جاتا ہے۔ ہوبز (Hobbes)، روسو (Rousseau) اور کانٹ (Kant) کا کہنا ہے کہ ''آزاد ہونا سب پابندیوں سے رہا ہونے کا نام ہے۔'' تاہم کسی قانونی یا اخلاقی پابندی اور روک تھام کا اطلاق عوامی مفاد کو ملحوظ رکھ کر کیا جاتا ہے۔(۱)

دوسرے الفاظ میں ایک انسانی معاشرے میں رہنے والا شخص حقوق اور آزادیوں کی ایک کمتر حد تک رسائی حاصل کرتا ہے وہ اپنی معاشرتی ضروریات کی تسکین قدرتی طور پر معاشرے میں رہ کر کرتا ہے اور وہ احساس تحفظ سے بھی محظوظ ہوتا ہے۔ اس بنا پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ افراد کے دعووں کو انسانی حقوق کے مفہوم میں جائز ہی گردانا جاتا ہے بشرطیکہ وہ اجتماعی عوامی مفاد کے اصولوں اور ان کے تحت قائم کردہ معیار سے متصادم نہ ہوں۔(۲)

انسانی حقوق کو مختلف انداز سے پکارا جاتا ہے بعض اوقات انہیں بنیادی حقوق کا نام دیا جاتا ہے اور گاہے انہیں شہری حقوق سے موسوم کر دیا جاتا ہے۔ ریاستی پابندیوں سے ماورا انہیں شہری آزادیوں کا نام دیا جاتا ہے۔ تاہم یہ طے شدہ امر ہے کہ ان اصطلاحات کی کوئی معین اور یکساں تعریف وضع نہیں کی گئی اور اکثر ایک کی جگہ دوسری اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ بنیادی حقوق سے بالعموم وہ حقوق مراد لئے جاتے ہیں جو ناقابل تنسیخ ہوتے ہیں اور ان سے کسی کو محروم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ انگلیوں پر گنے جاتے ہیں اور جدید ریاستی دساتیر میں ان حقوق کی آئینی شقوں کو شامل کر لیا جاتا ہے۔ وہ نہ صرف پالیسی کے راہنما خطوط متعین کرتے ہیں بلکہ اگر کوئی انتظامی یا قانون سازی عمل ان کے منافی ہو تو وہ اس کی روک تھام کے بھی ذمہ دار ہیں۔شہری آزادیوں اور شہری حقوق کی

(1) Levine, Andrew, *Human Rights & Freedom, "The Philosophy of Human Rights* , ed. S. Rosenbaum Aldwych Press, London, pp. 138, 147.

(2) Levine, Andrew, *Human Rights & Freedom, "The Philosophy of Human Rights* , ed. S. Rosenbaum Aldwych Press, London, p. 139.

اصطلاحات کو بمشکل ایک دوسرے سے ممتیز کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان کا استعمال یکساں سیاق وسباق میں کیا جاتا ہے لیکن بعض حالات میں ان کے مابین خط امتیاز کھینچا جاسکتا ہے۔ اگر آپ کو کسی حکومتی کارروائی سے تحفظ حاصل ہے تو آپ شہری آزادی سے استفادہ کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس آپ کو اس صورت میں شہری حق حاصل ہو جاتا ہے جب قانون آپ کو کسی کام کرنے کا مثبت اختیار تفویض کر دے اس طرح اپنے خیالات و رائے کے اظہار کا حق شہری آزادی متصور ہوگا۔ جبکہ جائداد رکھنے کا حق شہری حق تصور کیا جائے گا۔ بعض اوقات اقلیتوں کے دیوانی معاملات میں یکساں حقوق اور مذہبی رسوم کی بجا آوری اور اکثریتی مداخلت سے پاک باہمی امور جو شخصی قانون کے زمرے میں آتے ہیں کی ادائیگی کو شہری حقوق کہا جاتا ہے۔

بنیادی حقوق، شہری آزادیوں اور دیوانی حقوق کو ایک آزاد معاشرے کا سنگ بنیاد تصور کیا جاتا ہے۔ وہ ان طریقوں کے آئینہ دار ہیں جن سے ایک معاشرہ انفرادی حقوق کا تحفظ کرتا ہے لیکن ان حقوق کے مفہوم اور ان طریقوں کے بارے میں جو ان کے عملدرآمد کے ضامن ہیں مکمل اتفاق رائے نہیں پایا جاتا۔ ان پر ریاستوں اور معاشروں کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف اور عدم التفات رائے اس وقت تک رہے گا جب تک عوامی نظم ونسق کے بارے میں متضاد لائحہ عمل اور وسائل کے قلیل تر ہونے کا رجحان موجود رہے گا۔

یہ امر قابل غور ہے کہ وہ کون سا پیمانہ ہے جس سے انفرادی حقوق کو پرکھا جائے اور انہیں عوامی مفاد سے ممتیز کیا جائے؟ جب ہم تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عوامی مفاد اور اجتماعی نظم ونسق کی آڑ میں بہت سی حکومتوں نے اپنے اختیار کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور انفرادی حقوق پر یا تو پابندی لگا دی یا مکمل طور پر ان کی خلاف ورزی کو اپنا شعار بنا لیا۔(۱)

(1) Gastil, Raymond D, Freedom in The World, Freedom House New York, 1980, pp. 193-199.

اس ضمن میں لیوائن اپنا نقطہ نظر یوں بیان کرتا ہے:

’’انسانی حقوق کا تصور اس سیاسی ماحول کے اندر مصلح کا کردار ادا کرتا ہے جو انفرادی آزادیوں کے فروغ کے نام پر معاشرے کو ٹوٹ پھوٹ کا شکار کر دیتا ہے اور اس میں احترام انسانیت کو زک پہنچنے لگتی ہے۔ ان سیاسی روایات میں جو ہمیں ورثہ میں ملی ہیں انسانی حقوق کا علم بلند کرنا ہی وہ سب سے بڑا ذریعہ ہے جس سے انسانی شرف و وقار کو بحال رکھا جا سکتا ہے۔‘‘(۱)

حقوق کی درجہ بندی

حقوق کی درجہ بندی متعدد طریقوں سے کی گئی ہے۔ روایتی اور رواجی اعتبار سے حقوق کی تقسیم ’’اخلاقی‘‘ اور ’’قانونی‘‘ اعتبار سے کی گئی ہے۔ جبکہ جدید سیاسی نظریہ کی رو سے حقوق کی تقسیم، شہری، سیاسی، معاشی، معاشرتی، ثقافتی وغیرہم حقوق کی ذیل میں کی جاتی ہے۔ حقوق کی تفہیم کے لئے ہم ان درجہ بندیوں کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

ا۔ روایتی درجہ بندی

روایتی طور پر حقوق کی درجہ بندی اخلاقی اور قانونی اعتبار سے کی جاتی ہے۔ ایک اخلاقی حق کسی قوم کے ضابطۂ اخلاقیات کی بنیاد پر وضع کیا جاتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ خلاف ورزی کی صورت میں اس کی تائید میں ریاستی قوانین کی تائید نہ حاصل ہو۔ دوسری جانب ایک قانونی حق وہ ہے جس کو ریاست نہ صرف تسلیم بلکہ قوانین کے ذریعے لاگو کرتی ہے اور اگر اس کی خلاف ورزی ہو تو کوئی بھی شہری ریاست یا دیگر شہریوں کے خلاف کسی قانونی عدالت میں چارہ جوئی کرسکتا ہے۔

قانونی حقوق کی مزید تقسیم بندی دیوانی حقوق اور سیاسی حقوق میں کی جاتی ہے۔ دیوانی حقوق زندگی، عزت و آبرو اور جائیداد کی حفاظت سے متعلق ہوتے ہیں اور وہ

(1) Levine, Andrew, *Human Rights & Freedom*, "The Philosophy of *Human Rights*, ed. S. Rosenbaum Aldwych Press, London, p. 138.

بعض شہری آزادیوں اور بنیادی حقوق کو یقینی بناتے ہیں۔ اس طرح دیوانی حقوق کے ذیل میں زندگی کا حق، شخصی آزادی، عزتِ نفس کی حفاظت کا حق، جائیداد کی ملکیت اور انتفاع کا حق، روزگار کا حق، برابری کا حق، ٹھیکے کا حق، مذہب اور ضمیر کی آزادی، اظہار و خیال کی آزادی وغیرہ سب شامل ہیں۔ سیاسی حقوق کسی مرد و زن کو اس کے حکومتی کاروبار میں شراکت کا حقدار بناتے ہیں۔ سیاسی شعور کے آجانے اور جمہوری حکومتوں کے قیام سے تقریباً ہر ریاست کے آئین اور قوانین نے شہریوں کو کسی نہ کسی حد تک سیاسی حقوق تفویض کر رکھے ہیں جن میں رائے دہی اور انتخاب کا حق، منتخب ہونے کا حق، سرکاری عہدے پر تعیناتی کا حق، علیٰ ہذا القیاس متعدد دیگر حقوق شامل ہیں۔ جماعت سازی اور یونین بنانے کا حق، سیاسی جماعت سازی کا حق، حکومت کی پالیسیوں پر تنقید اور اختلاف رائے کا حق، احتجاج کا حق، اجتماع اور اجلاس کرنے کا حق بھی سیاسی آزادیوں کے ذیل میں آتے ہیں۔

۲۔ جدید درجہ بندی

انسانی حقوق کی انتہائی باضابطہ اور سائنسی درجہ بندی فرانسیسی ماہر قانون کارل واسک(Karel Vask) کی وضع کردہ ہے۔ اسے ''واسک ماڈل'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ''سہ نسلی انسانی حقوق'' کے تصور پر مبنی ہے۔ اسے شائد1789ء کے انقلابِ فرانس کے مشہور زمانہ تین تصوراتِ اقدار(Normative Themes) آزادی، مساوات اور اخوت سے تحریک ملی تھی۔ اسی طرح اس کا تشکیل کردہ ماڈل انسانی حقوق کے تین درجوں پر مشتمل ہے جو بالترتیب

(۱) دیوانی اور سیاسی حقوق

(۲) معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق

(۳) نژادِنو کے استحکام کے حقوق شمار کئے جاتے ہیں۔

دیوانی اور سیاسی حقوق کی نسلِ اوّل انسانی حقوق کو مثبت کی بجائے منفی تصور

کرتی ہے اور وہ بجائے کسی چیز پر حق جمانے کے اس سے آزادی حاصل کرنے پر زور دیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ ان حقوق کے حصول کیلئے حکومتی مداخلت کی بجائے عدم مداخلت یا اعراض کو ترجیح دیتی ہے لیکن ایسا سو فیصد پیمانے پر نہیں ہوتا۔ ان حقوق کی مثالیں انسانی حقوق کے عالمی اعلان کے آرٹیکل 2 تا 21 کے تحت تفویض کردہ حقوق میں ملتی ہیں۔ ان حقوق میں نسلی یا اس سے مماثل امتیاز کی شکلیں، کسی شخص کی زندگی، حریت اور سلامتی کا حق، غلامی سے آزادی، غیر اختیاری محکومی، اذیت ظالمانہ غیر انسانی ہتک آمیز سلوک یا سزاؤں سے آزادی، یک طرفہ گرفتاری، حراست یا جلا وطنی سے آزادی، منصفانہ سرِ عام مقدمہ چلائے جانے کا حق، نجی معاملات اورخط وکتابت میں دخل اندازی سے آزادی، نقل وحمل اور قیام کی آزادی، ظلم و زیادتی سے امان طلبی کا حق، آزادی خیال ضمیر و مذہب، آزادی رائے و اظہار، پرامن اجتماع کا حق، بالواسطہ آزادانہ انتخابات کے ذریعے یا بلاواسطہ حکومتی اقتدار میں اشتراک کا حق یہ سب ان حقوق میں شامل ہیں۔ اس پر مستزاد جائداد کی ملکیت اور اس سے یکطرفہ طور پر محروم نہ کئے جانے کا حق بھی شامل ہے۔ یہ حقوق جدید دنیا کے تقریباً تمام دساتیر جو 170 سے بھی زائد ریاستوں میں رائج ہیں میں درج شدہ ہیں۔

معاشی، معاشرتی و ثقافتی حقوق کی نسل دوم کے ڈانڈے اشتراکی کیمپ سے جاملتے ہیں جس کی فکر سرمایہ داری، کارکن، مزدور اور پیشہ ورطبقوں کے استحصال اور استعمار کے مخالف سیاسی و اقتصادی فلسفیوں کے نظریات کی پیداوار ہے۔ اس فکر میں بجائے منفی نوعیت کی آزادیوں کے مثبت حقوق کے تصور پر مبنی اصطلاحات کی کارفرمائی ہے۔ اس طرح اعراض کی نسبت حکومتی دخل اندازی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان حقوق پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جاسکے اگرچہ اس میں بعض مستثنیات بھی ہوتی ہیں۔ ان حقوق کی مثالیں وہ ادعائی حقوق ہیں جو انسانی حقوق کے عالمی اعلان کے آرٹیکلز 22 تا 27 میں درج کئے گئے ہیں۔ یہ حقوق ہیں معاشرتی سلامتی کا حق، کام کرنے کا حق بے روزگاری سے تحفظ کا حق، آرام اور فراغت کا حق بشمول باتنخواہ رخصت وتعطیلات، اپنی اور کنبے کی

صحت و بہبود کے لئے مناسب معیارِ زندگی کا حق، تعلیم کا حق، ذاتی سائنسی، ادبی و فنی پیداوار کے تحفظ کا حق ٹریڈ یونین بنانے اور یونین میں شرکت کرنے کا حق، معاشرے کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے کا حق اور آزادی سے روزگار حاصل کرنے کا حق۔

استحکامِ حقوق کی نسل سوم جو سابقہ بیان کردہ دونسلوں کے حقوق سے مربوط و منسلک ہے چھ ادعائی حقوق پر محیط ہے۔ یہ حقوق ہیں: سیاسی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حق، خود ارادی معاشی اور معاشرتی ترقی کا حق، مشترکہ انسانی ورثہ میں اشتراک اور استفادہ کرنے کا حق، امن کا حق، صحت مند اور متوازن ماحول کا حق اور انسانی تباہ کاریوں سے بچاؤ کا حق۔

اِنسانی حقوق کی تاریخ

حقوقِ انسانی کے تاریخی منابع کا سراغ قدیم یونان اور روم میں دریافت کیا گیا ہے۔ ایتھنز اور دیگر یونانی ریاستوں میں عام درجے کے شہریوں کو سیاسی اور حکومتی امور میں حصہ لینے کے پورے حقوق حاصل تھے۔ ایتھنز میں تمام مرد شہریوں کو پارلیمان کے ان اجلاسوں میں حصہ لینے کا حق حاصل تھا جو حکومتی اختیار و اقتدار میں مطلق العنان تھے۔ مجسٹریٹ اور عہدیداران جو عوام کے نمائندوں کی حیثیت سے برسرِ حکومت تھے وہ شہریوں کے منتخب تھے۔ ان کا مدت عہدہ قلیل ہوتا تھا اور وہ بار دیگر منتخب نہیں ہوسکتے تھے یہ انتخابی طریق کار اور عدالتوں کا نظام ریاستی امور و حکمرانی میں شہریوں کے شریک اقتدار ہونے کے یقینی طور پر آئینہ دار تھے۔

اہل روم کے اداراتی شعبوں کا قیام بالخصوص رومی محکمۂ قانون فطری قانون کے نظریے کے تابع تھا۔ جس کی ابتداء رواقی مسلک سے متعلق یونانیوں نے کی اور اس نظریے کا بانی سسرو(Cicero) تھا، جس کی رو سے دنیا عالمی سطح پر کارفرما قانون فطرت کے تابع ہے اور اس قانون کی روشنی میں تمام لوگ برابر ہیں۔ بنی نوع انسانی اس قانون کو ماننے کے پابند ہیں اور وہ قانون سازی جو اس سے متصادم اور متعارض ہو اخلاقی طور پر

غلط ہے۔ حکمرانوں کی اخلاقی ذمہ داری پر زور دینے اور ان کے اعمال و افعال کو ایک اعلیٰ و برتر قانون کے تابع فرمان قرار دینے سے فطری قانون کے عقیدے نے کم از کم عمالِ حکومت کے اختیارات پر ایک نظری قدغن ضرور عائد کر دی تھی۔

عصر جدید کی تاریخ میں انگلستان، ریاستہائے متحدہ امریکہ اور فرانس نے بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں کے ارتقاء میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔

برطانیہ میں 1215ء کے میگنا کارٹا کو شہری آزادیوں کے فروغ میں ایک سنگِ میل تصور کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ بنیادی طور پر اشرافیہ کی ان کاوشوں کا نتیجہ تھا جو انہوں نے بادشاہ کے غیر قانونی تجاوزات کو روکنے اور طبقہ اشراف کے لئے اس سے مراعات حاصل کرنے کی خاطر سرانجام دیں۔ تاہم میگنا کارٹا قوانین کی اس شق نے جس میں یہ امر یقینی طور پر طے پایا کہ برطانوی طبقہ امراء کے پانچ مساوی ارکین کے قانونی تصفیہ کے بغیر آزاد انسانوں کو مستوجب سزا نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ اس ملکی قانون سے ایک انگریز کے حقوق کی آئینی اور قانونی ضمانتوں کی سمت ایک نئے باب کے کھل جانے کی شروعات ہوگئیں۔ سترھویں صدی میں انگریزوں کے حقوق میں 1628ء کے عرضداشت حقوق اور 1639ء کے بل آف رائٹس نے توسیع پیدا کر دی تھی۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اعلان آزادی نے انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کے تصور سے روشناس کیا۔

تھامس جیفرسن جس نے لاک (Locke) اور ماٹیسکو (Montesquieu) کے نظریات کا مطالعہ کیا تھا، نے وہ اعلانِ آزادی تحریر کیا جسے 4 جولائی 1776ء کو تیرہ امریکی ریاستوں نے مشتہر کرتے ہوئے کہا:

''ہم اس صداقت کو اظہر من الشّمس سمجھتے ہیں کہ تمام انسان برابر پیدا ہوئے ہیں اور ان کے خالق نے انہیں بعض نا قابل انتقال لاینفک حقوق عطا کر رکھے ہیں جن میں آزادی، حریت اور مسرت و شادمانی کے حصول کا حق ہے، نیز یہ کہ ان حقوق کی

پاسداری کیلئے لوگوں میں سے حکومتوں کی تشکیل کی جاتی ہے جن کے اختیارات زیرِ فرمان رعایا سے اخذ کئے جاتے ہیں اور جب کبھی کوئی حکومت ان مقاصد کو تباہ کرنے پر اتر آتی ہے تو لوگوں کو ایسی حکومت کو تبدیل کرنے یا ختم کرنے کا استحقاق ہوتا ہے''۔

تاہم امریکی شہریوں کو 1791ء کے قانونی حقوق کے بل کے ذریعے قانونی تحفظ فراہم کیا گیا جس کے ذریعے امریکی آئین میں پہلی دس ترامیم منظور کی گئیں۔ پہلی ترمیم کے تحت آزادی مذہب، آزادی تقریر، پریس کی آزادی، اجتماع سازی کا حق اور حکومتی چارہ جوئی کیلئے عرض داشت کا حق تسلیم کیا گیا جبکہ دوسری ترامیم میں زندگی، حریت، جائیداد کا حق، لوگوں کے اسلحہ رکھنے، اسلحہ اٹھا کر چلنے، افراد، مکانات اور اشیاء کی غیر معقول تلاشیوں سے تحفظ، ملزم کے بلا تاخیر برسرعام غیر جانبدار جیوری سے منصفانہ چارہ جوئی کا حق اور بھاری جرمانوں یا غیر معمولی سزاؤں سے تحفظ وغیرہ کا حق شامل ہیں۔

فرانس میں فرانسیسی شہریوں کے بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں کی فراہمی کا اعلان 26 اگست 1789ء کو انقلاب فرانس کے ساتھ ہی فرانس کی قومی اسمبلی کے مجریہ ڈیکلریشن برائے شہری و انسانی حقوق میں کر دیا گیا تھا جس میں اس امر پر زور دیا گیا کہ ''انسان آزاد پیدا ہوتے ہیں اور وہ اپنے حقوق میں آزاد اور برابر ہیں'' ان حقوق کی شناخت آزادی و حریت، جائیداد، مساوات اخوت، تحفظ اور ظلم و جبر کی مزاحمت کے حوالے سے کی گئی۔ ''حریت'' کی تعریف میں بلا روک ٹوک تقریر، اجتماع، مذہبی آزادی اور یک طرفہ گرفتاری اور حراست سے آزادی کو شامل کیا گیا ہے۔

اس طرح امریکی اور فرانسیسی ڈیکلریشنوں (اعلانات) میں ابراہام لنکن کے فرمان کی رو سے انسانیت سے اس امر کا وعدہ کیا گیا کہ وقت گزرنے کے ساتھ انسانی کندھوں سے سارا بوجھ اٹھا لیا جائے گا اور سب کو اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا یکساں موقع بہم پہنچایا جائے گا۔

اِنسانی حقوق اور اِقوامِ متحدہ

اقوام متحدہ کے منشور میں انسانی حقوق کا خیال رکھتے ہوئے اس کے متن میں انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے۔ چارٹر کا آغاز ہی اس توثیق سے ہوتا ہے۔اقوام عالم کے مابین برابری کے حقوق اور عوام کی خود ارادیت کی بنیاد پر باہمی دوستانہ تعلقات کو فروغ دیا جائے اور اس کے حصول کے لئے بین الاقوامی تعاون کی فضا پیدا کی جائے اور ایسا اس وقت ہوگا جب انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کو بلا امتیاز نسل، جنس، زبان اور مذہب فروغ حاصل ہوگا۔

اقوام متحدہ کے منشور کے تحت انسانی حقوق کے فروغ کی بنیادی ذمہ داری جنرل اسمبلی پر عائد کی گئی ہے جس کے لئے انسانی حقوق کا ایک کمیشن تشکیل دیا گیا ہے جو انسانی حقوق کے میدان میں یو این کا مرکزی پالیسی آرگن تصور کیا جاتا ہے۔ کمیشن کی سرگرمی زیادہ تر تصوراتی قدر پیمائی اور مشاورتی نوعیت کی ہے۔ یہ سالانہ مجلس عاملہ کے گروپ کا قیام عمل میں لاتا ہے تاکہ مبینہ سنگین انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی نشان دہی کرکے سفارشات پر غور وخوض کرکے انہیں پیش کیا جائے۔

انسانی حقوق پر کمیشن نے اقوام متحدہ کی دیگر تنظیمات آئی ایل او(ILO) اور یونسکو(Unesco) کے ساتھ مل کر حقوق انسانی کے تحفظ کے لئے قوانین بنائے ہیں۔ ان میں سب سے اہم ''انسانی حقوق کا عالمی ڈیکلریشن(1948) (Universal Declaration of Human Rights) سول اور سیاسی حقوق کا بین الاقوامی معاہدہ(International Covenant on Civil and Political Rights) اور اقتصادی، معاشی اور ثقافتی حقوق کا بین الاقوامی معاہدہ(1976) (International Covenant on Economic, Social and Cultural Rights) ان سب کو اجتماعی طور پر ''انٹرنیشنل بل آف رائٹس'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ تینوں قوانین اقوام متحدہ کے منشور کی انسانی حقوق کی شقوں کی تشریح وتعبیر کے لئے بنیادی راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

اِنسانی حقوق کا عالمی ڈیکلریشن

(Universal Declaration of Human Rights)

اسے 10 دسمبر 1948ء کو یو این جنرل اسمبلی نے اتفاق رائے سے منظور کیا۔اس سے یہ مشتہر کرنا مقصود تھا کہ ایک مشترک معیار برائے اقوامِ عالم وضع کیا جائے۔ چونکہ یہ کوئی معاہدہ نہیں اس لئے اس کی کوئی قانونی افادیت نہیں۔ اساسی حقوق کی تعریف میں یہ تیس(30) آرٹیکلز پر مشتمل ہے۔

انسانی حقوق کا عالمی ڈیکلریشن ان تمام اہم روایتی، سیاسی اور شہری حقوق کا احاطہ کرتا ہے جو قومی دساتیر اور قانونی نظاموں میں قانون کے سامنے برابری، یک طرفہ گرفتاری سے تحفظ، منصفانہ مقدمے کے لئے عدالتی چارہ جوئی اور ماورائے عدل فوجداری قوانین سے آزادی، جائیداد حاصل کرنے کا حق، خیال وضمیر اور مذہب کی آزادی، رائے اور اظہار کی آزادی پرامن اجتماع اور تنظیم سازی کی آزادی پر محیط ہیں۔ اس میں معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق بھی گنوائے گئے ہیں جیسے کام کرنے کا حق کام کے انتخاب کا آزادانہ حق، برابر کے کام کے لئے برابر کی اجرت کا حق، ٹریڈ یونینوں کو بنانے اور ان میں شمولیت کا حق، آرام و فراغت کا حق، مناسب و موزوں معیار زندگی کا حق اور تعلیم کا حق وغیرہ۔

وقت گزرنے کے ساتھ عالمی ڈیکلریشن اپنی ابتداء سے کہیں زیادہ اہم حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس کے اثرات بہت سے ترقی پذیر ملکوں کے دساتیر پر نمایاں نظر آتے ہیں جن میں ڈیکلریشن کی تعریفات کے مطابق حقوق اختیار کرنے کی ذمہ داری اٹھائی گئی ہے۔ یہاں تک کہ مختلف عدالتوں نے یو این منشور کے تحت انسانی حقوق کی دفعات سے اپنے فیصلوں کو ہم آہنگ کرنے کے لئے اس کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ اس ڈیکلریشن نے یورپ اور لاطینی امریکہ میں علاقائی انسانی حقوق کنونشنوں کے لئے بنیاد فراہم کی ہے۔

شہری اور سیاسی حقوق کا بین الاقوامی چارٹر

(International Charter on Civil and Political Rights)

یہ اِقرار نامہ 23 مارچ 1979ء کو نافذ العمل ہوا۔ وہ سول اور سیاسی حقوق جن کی اس اقرار نامے میں ضمانت دی گئی ہے وہ بیشتر ان تمام حقوق پر مشتمل ہیں جن کا اعلان انسانی حقوق کے عالمی ڈیکلریشن میں کر دیا تھا۔ اس میں دیگر حقوق کی ایک اضافی فہرست کااضافہ کیا گیا ہے جو عالمی ڈیکلریشن میں موجود نہیں مثلاً لوگوں کا حق خود ارادیت، اقلیتی گروہوں کا ثقافتی طور پر لطف اندور ہونے کا حق، اپنے مذہب پر عملدر آمد کا حق اور اپنی زبان استعمال کرنے کا حق۔

اقرار نامے کے آرٹیکل 2 میں ان ریاستوں کی ذمہ داریوں کی تعریف وضع کی گئی ہے جنہوں نے اس پر دستخط کئے ہیں۔ یہ ریاستیں اس امر کی پابند ہیں کہ اقرار نامے میں مذکور تمام حقوق کو بلا امتیاز نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، سیاسی یا دیگر رائے، قومی یا سماجی رتبہ، جائداد، پیدائش یا کسی دوسری حیثیت سے قطع نظر تمام افراد کیلئے یقینی بنائیں۔

معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق پر بین الاقوامی چارٹر

(International Charter on Economic, Social and Cultural Rights)

سول اور سیاسی حقوق کے بین الاقوامی اقرار نامے کی طرح اس اقرار نامے میں ان معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق پر زور دیا گیا ہے جن کی انسانی حقوق کے عالمی ڈیکلریشن میں وضاحت کی گئی ہے ان حقوق کا تعلق کام کے حق، کام کے لئے موزوں و مناسب حالات کار، معاشرتی سلامتی کے حق، خاندان کے تحفظ کے حق، مناسب معیار زندگی کے حق، صحت کے حق، تعلیم کے حق اور ثقافت وسائنس سے متعلق حقوق سے ہے۔

یہ اقرار نامہ بنیادی طور پر اس میں درج حقوق کو فروغ دینے سے متعلق ہے

اور اس کا فوری عملدار آمد مقصود نہیں۔ اس میں فریق ریاستیں صرف وہ اقدامات کرنے پر رضامند ہیں جو اس میں تسلیم شدہ حقوق کو دستیاب وسائل کے اندر رہتے ہوئے بھرپور طریقے سے بجا لانے کے لئے پیش رفت کرسکیں۔ اس اقرار نامے کا نفاذ ان رپورٹوں کے ذریعے ہوگا جو حکومتیں نظرثانی کیلئے یو این ایجنسیوں جیسے ای سی او ایس اوسی (Economic Community of West African States, ECOSOC) اور انسانی حقوق کمیشن وغیرہ کو پیش کریں۔

اِنسانی حقوق کے تحفظ کے دیگر اقدامات

دیگر انسانی حقوق معاہدات جو یو این کی وساطت سے حاصل کئے گئے ہیں ان میں سے اہم یہ ہیں:

۱۔ جرم نسل کشی کے امتناع اور تعزیرات کا کنونشن (1948ء)

(Convention on the Prevention and Punishment of the Crime of Genocide)

۲۔ خواتین کے سیاسی حقوق کا کنونشن (1952ء)

(Convention on Political Rights of Women)

۳۔ بے ریاست افراد کی حیثیت کا کنونشن (1954ء)

(Convention on the Status of Statless Persons)

۴۔ انسداد غلامی کا سپلیمنٹری کنونشن (1956ء)

(Supplementary Convention on the Abolition of Slavery)

۵۔ رضامندی سے شادی کا کنونشن، شادی کے لیے زیادہ سے زیادہ عمر، شادی کی رجسٹریشن (1962ء)

(Convention on Consent to Marriage, Minimum Age for Marriage and Registration for Marriage)

۶۔ ہر قسم کے نسلی امتیازات کے خاتمے کا کنونشن (1965ء)

(International Convention on the Elimination of All Forms of Racial Discrimination)

۷۔ انفرادی حقوق و فرائض کا امریکی اعلان (1948ء)

(American Declaration of Rights and Duties of Man)

۸۔ یورپی کنونشن برائے تحفظ حقوقِ انسانی (1950ء)

(European Convention for the Protection of Human Rights)

۹۔ یورپی معاشرتی چارٹر (1961ء)

(The European Social Charter)

۱۰۔ انسانی حقوق کا امریکی کنونشن (1969ء جو کہ 1972ء میں نافذ العمل ہوا۔)

(The American Convention of Human Rights)

۱۱۔ انسانی و عوامی حقوق کا افریقی چارٹر (1981ء)

(The African Charter on Human and Peoples Rights)

باب سوُم

اِنسانی حقوق کا تقابلی پہلو

اس باب میں اسلام کے انسانی حقوق اور یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) کے بعض پہلوؤں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے تاکہ انسانی حقوق اور بہبود کے بارے دونوں کا نقطہ نظر سامنے آ سکے۔

ا۔ زندگی کے تحفظ کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) کے آرٹیکل 2 کے مطابق:

(۱) ہر ایک کا حقِ زندگی قانون کے ذریعے محفوظ کیا جائے گا اور کسی کو بھی دیدہ و دانستہ اس کی زندگی سے محروم نہ کیا جائے گا ماسوائے اس کے کہ وہ عدالت سے اس جرم کے ارتکاب پر سزا یافتہ ہو جس کی سزا قانون نے مقرر کر رکھی ہے۔

(۲) جان سے محرومی کی سزا اس آرٹیکل کی خلاف ورزی متصور نہ ہوگی جب کہ یہ اس طاقت کے استعمال کا نتیجہ ہو جو ان صورتوں میں ضروری ہو:

ا۔ تشدد سے کسی شخص کے دفاع کے لئے

ب۔ قانونی طور پر گرفتار کرنے کے لئے یا قانونی حراست سے بچ کر بھاگنے سے روکنے کے لئے

ج۔ دنگا، فساد یا شورش کو دبانے کے لئے

اِسلامی قانون کا تصوّر

(۱) انسانی زندگی مقدس اور واجب الاحترام ہے جس کو محفوظ رکھنے کی ہر کوشش کی جائے گی، بالخصوص کسی کو بھی ضرب یا موت کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا سوائے یہ کہ عدالت ایسا کرنے کا حکم دے۔

(۲) دوران زندگی اور بعد از موت بھی انسان کا جسم واجب الاحترام ہوگا۔ اہل ایمان کا فریضہ ہے کہ متوفی کی نعش کا بھی احترام کریں۔

یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) کے آرٹیکل 2 کی شق 2-A اور 2-C کا جواز کسی کے تشدد سے دفاع کے لئے ہے بالخصوص اس وقت جب تشدد، دنگا فساد یا شورش میں اس شخص کی زندگی یا عوامی امن وامان کو خطرہ لاحق ہو جائے۔ تاہم شق 2 بی کا جواز مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں اس شخص کی جان جانے کا خطرہ ہے جس نے ایک جرم خفیف کا ارتکاب کیا ہو۔ اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ قانون نے کسی شخص کو حراست سے فرار ہونے کے جرم میں موت کی سزا دی ہے۔ اس کی استثنا کی صورت یہ ہے کہ جب قانون کے مطابق کسی شخص کو عدالت کی طرف سے موت کی سزا سنائی جا چکی ہو اور وہ شخص حراست سے فرار ہونے کی کوشش کر رہا ہو کیونکہ اس شخص کی گرفتاری اور سزائے موت سے بچنے کی کوشش نے قانون کو اس امر پر مجبور کیا ہے کہ وہ وہ سزا کو عملی جامہ پہنائے۔

زندگی کے حق کو محض کسی غیر واضح جرم کی بنا پر گرفتار کرنے اور حراست میں رکھنے کے لئے خطرے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ قانونی گرفتاری کو معمولی جرم کی سزا کے طور لیا جائے لہٰذا سزا دینے کے لئے طاقت کا اسقدر استعمال جائز نہیں کہ زیر حراست فرد کے فرار کی کوشش کو روکنا اس کی زندگی کو گزند پہنچانے کا باعث بن جائے۔

تشدد کے بارے میں اِسلام کا نظریہ

اسلامی قانون کے نزدیک زندہ رہنے کا حق واجب الاحترام تقدس کا درجہ رکھتا ہے۔ اس لئے کسی شخص کی زندگی کو خطرے میں ڈال دینے والا تشدد تمام قوم بلکہ خود انسانیت کے لئے خطرہ تصور کیا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًام بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا(۱)

’’جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد (پھیلانے یعنی خونریزی، ڈاکہ زنی وغیرہ کی سزا) کے بغیر (ناحق) قتل کر دیا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔‘‘

امام قرطبی نے ’الجامع لاحکام القرآن (۶: ۱۴۵۔۱۴۷)‘ میں ’’جو کسی ایک شخص کی جان بچاتا ہے‘‘ کے قرآنی الفاظ کی شرح رحم اور معافی کے عمومی اصول کے سیاق و سباق کے اعتبار سے کی ہے جو قانون کے اس تقاضے پر دلالت کرتے ہیں کہ مقتول کے رشتے داروں کے لئے سفارش ہے حکم نہیں کہ اگر وہ کر سکیں تو مجرم کو معاف کر دیا جائے۔

اسلامی قانون کے مطابق انسانی زندگی کو مندرجہ ذیل حالات میں قصاص کے طور پر ختم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ قتلِ عمد

۲۔ بدکاری

۳۔ مسلح رہزنی

۴۔ اِرتداد

(۱) القرآن، المائدہ، ۵: ۳۲

i- قتلِ عمد

اگر مقتول کے رشتے دار قصاص پر مصر ہوں اور کسی قسم کا خون بہا لینے یا معافی دینے سے انکاری ہوں تو پھر قاتل کو موت کی سزا دی جائے گی۔

اگرچہ قانون جرائم کی روک تھام کے لئے حوصلہ شکن اقدام کا حکم دیتا ہے، یہ کسی قسم کے خون بہا لینے یا ہتک آمیز سلوک کرنے کے لئے مداخلت نہیں کرتا۔ اس طرح مقتول کے رشتے داروں کو ان تین صورتوں میں ایک صورت بطور فیصلہ اختیار کرنے کی اجازت ہے: معافی نامہ، معاوضہ (خون بہا)، بدلہ (خون کے بدلے خون) بطور قصاص کے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِی حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ۔(۱)

’’تم کسی جان کو قتل مت کرنا جسے (قتل کرنا) اللہ نے حرام قرار دیا ہے سوائے اس کے (کہ اسکا قتل کرنا شریعت کی رو سے) حق ہو اور جو شخص ظلماً قتل کیا گیا تو بے شک ہم نے اس کے وارث کے لئے (قصاص کا) حق مقرر کر دیا ہے، سو وہ بھی (قصاص کے طور پر بدلہ کے) قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے۔‘‘

یعنی فیصلے کی ان صورتوں میں رحم کی صورت بھی شامل ہے جو کہ قانون قاتل کو بطور انسان اس کے کمزور اور ناتواں ہونے کے ناطے عطا کرتا ہے کہ کوئی بھی کامل یا بے عیب نہیں۔ لہٰذا سزائے موت قاتل کو دی جانے والی انتہائی درجے کی سزا ہے جس کو اس لئے عملی جامہ پہنایا جاتا ہے تاکہ وہ شخص جو اس جرم کا ارتکاب کرکے دوسروں کی زندگی کو خطرے میں ڈالتا ہے اس کی اپنی زندگی بھی اس (سزائے موت) سے دوچار ہو لہٰذا ایسی صورت میں کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ سزا، ظالمانہ، غیر انسانی، ہتک آمیز یا غیر منصفانہ ہے۔

(۱) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۳

ii- بدکاری

بدکاری کے بعض معاملوں میں شادی شدہ، طلاق یافتہ افراد ہوں یا رنڈوے جو باہمی رضا مندی سے اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں انہیں بطور سزا سنگسار کرکے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ قرآنی حکم ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا○(۱)

’’اور تم بدکاری کے قریب بھی مت جانا، بے شک یہ بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی بری راہ ہے○‘‘

یہ سزا اگرچہ بادی النظر میں قانون کی طرف سے دی جانے والی انتہائی سخت سزا تصور کی جاتی ہے لیکن یہ محض نظری اور خیالی طور پر ایسا ہے کیونکہ اس سزا پر عملدرآمد کے لئے بہت کڑی شرائط عائد کی گئی ہیں جن کی تکمیل قانون کے تقاضے پورے کرنے کے لئے لازمی ہیں۔ اس سزا کو اس وقت تک قابل اطلاق نہیں سمجھا جاتا جب تک چار قابل بھروسہ چشم دید گواہ حلف اٹھا کر یہ نہ کہیں کہ وہ ارتکاب جرم کے وقت وہاں موجود تھے۔ یہ اس لئے کہ جنسی فعل کے وقوع میں کسی قسم کے شک و شبہ کا امکان باقی نہ رہ جائے۔(۲)

باوجود اس کے جب زناکاری کا فعل پوشیدہ ہو اور کوئی اس کا گواہ نہ ہو تب بھی اگر مجرم اپنے آپ کو گناہ سے پاک کرنے کے لیے بلا اکراہ وجبر اعترافِ گناہ کرے تو قانون اس کو ملامت نہیں کرتا لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ چار بار قسم اٹھا کر اپنے گناہ کا اعتراف کرے۔ مزید برآں اس صورت میں ملزم سے یہ بھی نہیں پوچھا جائے گا کہ جس سے وہ گناہ میں ملوث ہوا ہے وہ کون ہے۔ اس پر مستزاد اگر جرم کا سزاوار اعتراف کے دوران پچھتاوے کی وجہ سے اپنا اقبالی بیان جاری نہیں رکھتا تو اس پر بطور حد سزا لاگو نہیں کی جائے گی۔

---

(۱) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۲

(۲) رازی، التفسیر الکبیر، ۲۳: ۱۳۰-۱۴۸

یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں بدکاری کے صرف دو واقعات کی تصدیق ہوتی ہے اور وہ بھی ارتکاب کرنے والوں کے اقبالِ جرم کرنے کے نتیجے میں(۱)۔ علاوہ ازیں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ گواہان کی شہادتوں پر مبنی کوئی ثبوت سامنے آیا ہو۔ یہ حقائق اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بدکاری کی سزا کوئی ظلم نہیں بلکہ اس کا مقصد معاشرے کو بلند کرداری، پاکیزگی اور اعلیٰ اخلاق سے مزین کرنا تھا اور اس سے یہ مقصد حاصل ہو کر رہا۔

iii- مسلح رہزنی

جرائم کی یہ قسم عوامی زندگی میں تشدد کے ذریعے جائیداد کو برباد اور امن و سلامتی کو تہ و بالا کر دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ اکثر قتل و غارت گری اور مالی و جسمانی نقصان کی صورت میں نکلتا ہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ○(۲)

’’بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد انگیزی کرتے پھرتے ہیں (یعنی خونریزی اور ڈاکہ زنی کے مرتکب ہوئے ہیں) ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا پھانسی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا (وطن کی) زمین میں چلنے پھرنے) سے دور (یعنی ملک بدر یا قید) کر دیئے جائیں۔ یہ تو ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے○‘‘

---

(۱) بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۲۱۴

(۲) القرآن، المائدہ، ۵: ۳۳

گویا ان سخت تر سزاؤں کا مقصد عوامی مفاد کو جارح اور غیر ذمہ دار افراد کے ہاتھوں پامال ہونے سے محفوظ رکھنا ہے۔

iv- فتنۂ اِرتداد

وہ شخص جو اسلام سے کفر میں پلٹ جائے اسے ایوانِ انصاف کی طرف سے ایک موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے اور اسلام کی طرف دوبارہ پلٹ آئے۔ لیکن اگر وہ اپنے ترکِ اسلام کے فیصلے پر اڑا رہے تو اسے موت کی سزا دی جائے گی۔ ارشادِ ربانی ہے:

كَيۡفَ يَهۡدِى اللّٰهُ قَوۡمًا كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِيۡمَانِهِمۡ وَ شَهِدُوۡۤا اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ‌ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمۡ اَنَّ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةَ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ○ (۱)

''اللہ ان لوگوں کو کیونکر ہدایت فرمائے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے حالانکہ وہ اس امر کی گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچا ہے اور ان کے پاس واضح نشانیاں بھی آ چکی تھیں، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا○ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت پڑتی رہے○''

اسلام قانونی نقطۂ نظر سے ایک ایسے قانونی نظام کی حیثیت رکھتا ہے جس میں اجتماعی نظم کو قائم رکھ کر مسلم معاشرہ کو تحفظ دیا جاتا ہے۔ اس بنا پر عمل اِرتداد کو معاشرے کے تانے بانے اور نظام کے خلاف ایک جارحانہ کوشش تصور کیا جاتا ہے چنانچہ اس نظریے کو کسی طرح آزادی مذہب سے متصادم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

کسی دوسرے علاقائی قانونی نظام سے مماثل اسلامی قانون کا اطلاق صرف اہل اسلام پر اس کے دائرہ کار کے اندر ہوتا ہے اور چونکہ یہ دیگر مذاہب کے دائرہ کار کا احترام

---

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۸۶، ۸۷

کرتا ہے اس لیے دوسروں سے بھی یہ عدم مداخلت کی توقع کرتا ہے ۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِO(۱)

''تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین O''

یہ اس لئے ہے کہ مسلم اجتماعیت کے نظام میں اسلام صرف ایک عقیدہ اور طریقہ عبادت ہی نہیں بلکہ وہ شخصی اور قومی زندگی کی بقاء کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ تاہم غیر مسلم آبادی جو خواہ اسلامی ملک میں رہتی ہے یا نہیں اس کے عقیدہ و مذہب کا احترام کیا جاتا ہے اور اسلامی قانون غیر مسلموں کو اپنے مذہب پر کاربند رہنے کی آزادی دیتا ہے۔

۲۔ اذیت سے تحفظ کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) کے مطابق:

''کسی کو بھی اذیت یا غیر انسانی سلوک یا ہتک آمیز رویے کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔''

اِسلامی قانون کا تصوّر

۱۔ ہر شخص کو سرکاری ایجنسیوں کے خوف و ہراس سے تحفظ کا حق حاصل ہے وہ حساب دینے کا پابند نہیں سوائے اس صورت کے کہ اسے کسی جرم میں ملوث ہونے گرفتار کیا جائے اور وہ اس صورتِ حال میں اپنے دفاع پر مجبور ہو جائے۔

(۱) القرآن، الکافرون، ۱۰۹: ۶

۲۔ کسی شخص کو جسمانی اور ذہنی اذیت کا نشانہ بنایا جائے گا نہ ہی اس کی اہانت کی جائے گی یا اسے اور اس کے ساتھی یا تعلق دار کو تشدد آمیز دھمکی دی جائے گی یا اس کو کسی ارتکاب جرم کے زبردستی اعتراف پر مجبور کیا جائے گا یا اس کام پر رضامند ہونے کے لئے مجبور کیا جائے گا جو اس کے مفادات کے منافی ہو۔

۳۔ ہر شخص کو اپنی عزت و ناموس اور شہرت کو بہتانوں، بے بنیاد الزامات، بدنامی سے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

اذیت دہی، ہتک آمیز یا غیر انسانی سلوک کو دونوں معاہدات میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ تاہم ان سے چند تصورات کے طریق کار کے بارے میں اختلافات ہیں یعنی کہ ان کا اطلاق کس طرح کیا جائے۔ کوڑے لگانے اور چور کے ہاتھ کاٹنے جیسی جسمانی سزاؤں کو اسلامی قانون ظالمانہ تصور نہیں کرتا اس لئے مخصوص صورتوں میں ان کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ انسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) میں سوائے سزائے موت کے جو یورپی کونسل کے چند رکن ممالک میں رائج ہے، اسلامی سزاؤں کو ظالمانہ تصور کیا جاتا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر کو موخر الذکر جسمانی سزاؤں کے باب میں اجاگر کرنے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان پر کچھ روشنی ڈالی جائے:

i- کوڑوں کی سزا کی حکمت

درج ذیل جرائم کے لئے کوڑے مارنے کی سزا تجویز کی گئی ہے:

i- بدکاری

قرآن حکیم کے مطابق ایک ہی صورت میں بدکاری کے ارتکاب پر سو کوڑوں

کی سزا دی جاتی ہے وہ یہ کہ جب آزاد مرد یا عوت اس جرم کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس کی تصدیق چار گواہوں کے بیان سے ہو جاتی ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ○ (۱)

’’بدکار عورت اور بدکار مرد (اگر غیر شادی شدہ ہوں) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو، تمہیں ان دونوں پر (اجرائے حکم میں) ذرا ترس نہیں آنا چاہیئے اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اور چاہیئے کہ ان دونوں کی سزا (کے موقع) پر مسلمانوں کی (ایک اچھی خاصی) جماعت موجود ہو○‘‘

جبکہ غلام کے لئے اس جرم کی پاداش میں پچاس کوڑوں کی سزا ہے۔ اس کی توجیہ یوں ہے کہ غلام کے لئے شادی کے ذریعے جنسی خواہش کی تسکین کے مواقع آزاد انسان کے مقابلے میں کم ہیں، اسلئے قانون غلام کے حوالے سے رحمدلی کا مظاہرہ کرتا ہے جس میں اس مرد اور عورت کے انسانی حالات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔(۲)

بدکاری کو اسلام کی نظر میں گھناؤنا جرم تصور کیا جاتا ہے۔ اسے اخلاقی اعتبار سے ناپسندیدہ اور ایک ایسی برائی سمجھا جاتا ہے جو افزائش نسل کے تولیدی طریق کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ امام رازی کی نظر میں یہ لوگوں کی عزت و آبرو پر ایک قسم کا غیر قانونی حملہ ہے جو معاشرے میں بگاڑ اور بے راہروی کی راہیں کھول دیتا ہے۔

ii- اگر کسی بے گناہ شخص پر بدکاری کا جھوٹا الزام لگایا جائے تو الزام لگانے والے کی سزا اَسی کوڑے ہیں اور الزام لگانے والے کی گواہی مستقبل کے کسی مقدمے میں قبول نہیں

---

(۱) القرآن، النور، ۲۴: ۲

(۲) رازی، التفسیر الکبیر، ۲۳: ۱۶۳

کی جائے گی۔ اگر الزام لگانے والا غلام ہو تو اسے چالیس کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ارشاد ربانی ہے:

وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (۱)

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (بدکاری کی) تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو تم انہیں (سزائے قذف کے طور پر) اَسّی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں○''

iii- نشہ آور اشیاء کا استعمال

اکثر مسلم فقہاء کے نزدیک خمر اور نشہ آور اشیاء استعمال کرنے کی سزا اسی کوڑے ہیں۔ یہ سزا اس لئے عائد کی گئی ہے تاکہ لوگوں کو شراب نوشی سے روکا جائے کیونکہ نشہ آور اشیاء کو ممنوع قرار دینے کا مقصد معاشرے کو ایک قسم کا تحفظ دینا ہے۔ گویا یہ تحفظ ان ضروریات میں سے ایک ہے جو اسلامی قانون کے تحت حاصل بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ و نفاذ کے لئے ضروری ہیں۔

ii- چور کے ہاتھ کاٹنے کی حکمت

چوری کے جرائم کی سزا چوروں کے ہاتھ کاٹنا ہے۔قرآن کہتا ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءً ۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللهِ ؕ وَاللهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ○ (۲)

''اور چوری کرنے والا (مرد) اور چوری کرنے والی (عورت) سو دونوں کے

(۱) القران، النور، ۲۴: ۴،

(۲) القرآن، المائدہ، ۵: ۳۸

ہاتھ کاٹ دو اس (جرم) کی پاداش میں جو انہوں نے کمایا ہے، (یہ) اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے اور اللہ بڑا غالب ہے بڑی حکمت والا ہے o‘‘

یہ سزا اس وقت معطل ہوجاتی ہے جب چوری کے ارتکاب کا محرک بھوک اور فاقہ کشی ہو۔ اس شخص سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہوگی، جو اپنی جان بچانے کے لئے روٹی کا ٹکڑا چوری کرتے ہوئے پکڑا جائے۔ اس لئے کہ جائداد کے حق سے پہلے زندگی کا حق فوقیت رکھتا ہے۔ مزید برآں اگر وہ جس کی چوری ہوئی ہے، مقدمہ عدلیہ تک پہنچنے سے پہلے اپنے حقوق سے دستبردار ہوجائے تو سزا کا اطلاق نہیں ہوگا۔(۱)

ایک حدیثِ نبوی کے مطابق مسروقہ چیز کی کم از کم مالیت جو مستوجب سزا ہوگی تین نقرئی درہم یا طلائی دینار کا ایک چوتھائی حصہ ہے۔ اس کی توثیق مالکی، شافعی اور حنبلی مکاتب فکر کے فقہا نے کی ہے جبکہ حنفی مسلک کے علماء کی رائے میں کم از کم مالیت دس درہم سے کم نہیں ہونی چاہئے۔ ابن کثیر کی روایت حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابراہیم نخعی کی اسناد کے ساتھ ایک دینار مقرر کرنے کے حق میں ہے۔ وہ حضرت سعید بن جبیر کے حوالے سے ایک اور روایت کا ذکر کرتے ہیں جس میں کم سے کم مقدار چار دینار مذکور ہے۔

ان روایات سے یہ استنباط کیا جاتا ہے کہ مسروقہ چیز کی کم سے کم مالیت کا تعین اس علاقے کے لوگوں کے معیار زندگی کے مطابق ہوگا اور اس میں حالات کے مطابق کمی بیشی کی جاسکتی ہے تاکہ یہ قومی مفاد سے ہم آہنگ ہو۔

اب تک کی جانے والی بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلامی قانون انسانی حقوق کا احترام کسی بھی بین الاقوامی اور علاقائی قانون کی نسبت کہیں زیادہ بجا لاتا ہے۔ جس قدر یہ حقوق مقدس اور قابل احترام ہیں ان کی پامالی کو روکنے کے لئے یہ اتنی ہی کڑی سزائیں بھی نافذ کرتا ہے۔

(۱) ابن حزم، المحلی، ۱۳: ۵۸

جسمانی سزائیں اسلامی قانون کے تحت اس وقت قابلِ اطلاق ہیں جب ایک بنیادی حق کی خلاف ورزی کی جائے۔ ان حقوق کو تمام بین الاقوامی معاہداتی قوانین نے قائم رکھا ہے ۔اس کے باوجود ان کے تحفظ کے لئے کئے جانے والے اقدامات کافی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ممالک میں اوسط درجے کے جرائم کی شرح میں ہوش ربا اضافہ ہوا ہے جس کے نتیجے میں لا تعداد لوگ قانون شکنی کا شکار ہوتے رہتے ہیں اور ان کے حقوق کی دھجیاں اڑا دی جاتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ حقوق جن سے لوگوں کو مستفید ہونا تھا روز بروز کم ہو رہے ہیں۔

۳۔ غلامی اور محکومی سے آزادی

مغربی قانون کا تصوّر

یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) کے آرٹیکل 4 کے مطابق:

(۱) کسی کو غلامی اور محکومی کی حالت میں نہیں رکھا جائے گا۔

(۲) کسی کو مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ جبری اور بیگار کی مشقت کرے۔

(۳) اس آرٹیکل کے مقصد کے لئے ''جبری یا لازمی مشقت'' کی اصطلاح میں درج ذیل امور شامل نہ ہوں گے:

(ا) کوئی کام جو عام نظر بندی کے عرصہ میں کیا جانا درکار ہو اور اسے آرٹیکل نمبر ۵ کی شقوں کے مطابق مسلط کیا گیا ہو یا نظر بندی سے مشروط رہائی کے دوران کیا جائے۔

(ب) فوجی نوعیت کی کوئی خدمت یا باشعور معترضین کے معاملے میں ان ملکوں میں جہاں انہیں تسلیم کیا جاتا ہو ان سے جبری فوجی خدمت کی بجائے کوئی اور خدمت لی جائے۔

(ج) کوئی خدمت جو کسی ہنگامی صورت حال میں یا آفات سماوی کے دوران لی جائے جس سے اجتماعی زندگی اور فلاح و بہبود کو خطرہ لاحق ہو گیا ہو۔

(د) کوئی کام یا خدمت جو معمول کی شہری ذمہ داریوں اور فرائض کا حصہ ہو۔

اِسلامی قانون کا تصوّر

(ا) انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔ اس کی آزادی کے حق میں کوئی مداخلت اور روک ٹوک نہیں کی جائے گی سوائے اس کے جو قانون کے عمل کے دوران کسی مجاز اتھارٹی کی طرف سے عائد کی جائے۔

(ب) ہر فرد اور ہر قوم کی آزادی کا حق ناقابلِ انتقال ہے اور یہ حق تمام طبعی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی صورتوں میں کارفرما ہے اور وہ اس حق پر کسی روک ٹوک، پابندی یا منسوخی کے بغیر تمام تر دستیاب وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کے لئے جدوجہد کرنے کے حقدار ہوں گے۔ ظلم و جبر کا شکار کوئی بھی فرد یا قوم ایسی جدوجہد کے دوران جائز اور بجا طور پر دوسرے افراد اور اقوام کی مدد اور حمایت حاصل کرنے کی حقدار ہے۔

۳۔(ا) تمام افراد قانون کی نظر میں برابر ہیں اور برابری کی بنیاد پر قانونی تحفظ اور مواقع کا استحقاق رکھتے ہیں۔

(ب) تمام لوگ یکساں نوعیت کے کام کے لئے یکساں مزدوری اور معاوضہ کے حقدار ہوں گے۔

(ج) کسی شخص کو کام کا موقع دینے سے انکار کیا جائے گا نہ اس کے خلاف کسی طرح کا کوئی امتیاز برتا جائے گا اور نہ ہی اس کے مذہبی عقیدہ، رنگ و نسل، قومیت، جنس یا زباں کی وجہ سے اسے زیادہ جسمانی خطرات کا سامنا کرنے کے لئے مجبور کیا جائے گا۔

(۱۷) اسلام کام اور کارکن کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور مسلمانوں کو اس امر کی تلقین کرتا ہے کہ کارکن سے صرف انصاف ہی نہیں بلکہ فیاضانہ سلوک روا رکھے۔ اس کی مزدوری نہ صرف بلا تاخیر ادا کی جائے بلکہ وہ اس کے لئے مناسب آرام اور فراغت کا بھی حقدار ہے۔

سیگھارٹ (Seighar t) کے مطابق ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ غلامی کی تنسیخ کی طرف جدید دور میں زیادہ توجہ کا مبذول ہونا ایک حالیہ مسئلہ ہے۔ مغربی اقوام کے سرکاری حلقوں میں گزشتہ تین صدیوں میں اس پر نظر ثانی کی گئی ہے۔ تاہم ۱۲۱۵ء کا برطانوی میگنا کارٹا جو یک طرفہ من مانے طریقے سے کسی کو زندگی سے محروم کرنے کو ممنوع قرار دیتا ہے اس میں بھی آزاد انسانوں (نوبل مین) اور کم تر درجہ کے لوگوں کے درمیان امتیاز روا رکھا گیا ہے اور کچھ حقوق صرف آزاد انسانوں کے طبقے کو ہی دیئے گئے ہیں۔ برطانوی منشورِ آزادی ''میگنا کارٹا'' میں طے پایا کہ ''کوئی بھی آزاد انسان نظر بند یا گرفتار نہیں کیا جائے گا، اسے اس کے آزادانہ قبضے اور آزادیوں، رسوم و رواج سے دستبردار نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اسے قانونی مراعات سے محروم کیا جائے گا یا جلا وطن کیا جائے گا یا کسی دوسری طرح تباہی سے دوچار کیا جائے گا۔ ہم اس کے حقوق کو پامال نہیں کریں گے نہ ہی اس کی مذمت کریں گے سوائے ملک کے قانون کے مطابق اور برطانوی طبقہ اُمراء کے قانونی فیصلے کے مطابق۔(۱)

امریکہ میں قوم کے تمام افراد کے درمیان مساوات کے اصول کو ۱۷۸۹ء کے امریکی آئین میں تسلیم کیا گیا لیکن امریکی عیاں طور پر غلامی کے مسئلے سے اس وقت تک حتمی طور پر عہدہ برآ نہ ہوئے جب تک ابراہام لنکن نے منصب صدارت پر فائز ہونے کے بعد غلامی کا مکمل خاتمہ نہ کر دیا۔

بین الاقوامی عزم و ارادہ کے بارے میں قانون دان سیگھارٹ ۱۸۸۵ء میں

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights,* pp. 131, 132.

وسطی افریقہ پر منعقدہ برلن کانفرنس کے عمومی ایکٹ (قانون) کا حوالہ دیتا ہے جس میں یہ طے پایا کہ بین الاقوامی قانون کے اصولوں کی رو سے غلاموں کی تجارت ممنوع قرار دی جاتی ہے۔ وہ غلامی پر کئے گئے کنونشن یعنی Slavery Convention (SC) کا حوالہ بھی دیتا ہے جو ۱۹۲۷ء میں نافذ العمل ہوا اور ۱۹۵۳ء میں اس میں ترمیم ہوئی۔ وہ اس بات کو زور دے کر بیان کرتا ہے کہ ۱۹۱۹ء میں اپنے قیام سے لے کر اب تک انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (ILO) نے اس شعبہ میں بین الاقوامی معیارات کی پیش رفت میں خاطر خواہ کردار ادا کیا ہے۔

سلیوری کنونشن (SC) غلامانہ تجارت کی وضاحت یوں کرتا ہے:

''یہ ان تمام افعال پر مشتمل ہے جو کسی شخص کے زبردستی تحویل میں لئے جانے اور اس سے بیگار اور کوئی بھی کام لینے سے متعلق ہے جس سے اس کی حیثیت گر کر غلامی کی ہو جائے۔ وہ تمام افعال جو غلاموں کی خرید و فروخت اور بیچنے جانے کے ارادے سے کسی شخص کو فروخت اور تبادلے کے لئے کئے جائیں اس زمرے میں آتے ہیں۔ اس میں عمومی طور پر کسی بھی ذرائع سے نقل وحمل سے غلاموں کی تجارت اور منتقلی کا کوئی بھی امر شامل ہے۔''(۱)

یہ بات مسلّمہ ہے کہ اسلامی قانون نے غلاموں کی حیثیت میں بہتری لانے کا آغاز ابتدا ہی سے یعنی ساتویں صدی عیسوی میں ہی کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ اسلامی قانون نے اپنے دورِ اوائل ہی میں معاملہ فہمی کے انداز میں بتدریج غلامی کے خاتمے کے لئے مؤثر کوششوں کا آغاز کر دیا تھا جس کے نتیجے میں یہ عمل انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور وہ وقت بھی آ گیا کہ انسان اس سمت فیصلہ کن قدم اٹھانے کے قابل ہوگیا جس سے غلامی کی تمام صورتیں حرفِ غلط کی طرح ناپید ہوگئیں۔ لہٰذا یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) نے

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights,* pp. 229-233.

غلامی کے بارے میں اس کے سوا اور کوئی عملی کردار ادا نہیں کیا کہ اس نے Universal Declaration of Human Rights, 1948 کے آرٹیکل 4 میں درج بین الاقوامی اصولوں کو لفظ بہ لفظ دہرا دیا۔

غلامی کو ممنوع کئے جانے کے تناظر میں یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) نے کوئی ٹھوس قابل ذکر کارنامہ سر انجام نہیں دیا کیونکہ ۱۹۵۰ء میں یورپ سے غلامی کا پہلے ہی صفایا ہو چکا تھا لیکن بعض یورپی طاقتیں ان سمندر پار علاقوں میں جہاں غلامی اب بھی موجود تھی اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں مصروف تھے جبکہ اس سے صدیوں پہلے غلامی، استحصال اور اداروں کا غلط استعمال اسلام نے غیر منصفانہ قرار دے کر ممنوع قرار دیا ہے۔ اسلام نے زمانہ جاہلیت کی اس رسم کو مٹا دیا جس کی رو سے خاوند کی وفات کے بعد عورت وراثت کے ساتھ خاوند کے رشتے داروں کے پاس منتقل ہو جاتی تھی۔ مزید برآں اسلام نے معاہدہ نکاح میں جو پابندیاں لگائیں وہ عورت کی حیثیت بڑھانے کے اقدامات ہیں۔ اسلامی قانون بچوں اور کمتر و ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کا بھی خیال کرتا ہے تاکہ انہیں غلامی اور استحصال سے تحفظ دیا جا سکے ان کے مشکل حالات سے غلط فائدہ اٹھا کر انہیں نشانہ نہ بنا سکے۔ الغرض امتناعِ غلامی سے متعلق اسلامی اُصول بے انصافی اور ظلم و استحصال کی روک تھام کے اعتبار سے یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) سے کہیں زیادہ ضامن ہے۔

جبری مشقت کی ممانعت

آزادی اور حریت کے عمومی اصول ہر ایک کو آزادانہ روزگار کے انتخاب کا حق دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

1. Article 25 of Universal Declaration of Human Rights, 1948.
2. Article 14 of The Amercian Declaration of Rights and

Duties of Man, 1948
3. Article 1 and 2 of European Social Character, 1961.
4. Article 15 and 29 of The African Character on Human and Peoples' Rights, 1981.

یہ بات ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کہ آزادی فرد کو اپنے اور اپنی قوم کے حق میں اپنی تخلیقی صلاحیتیں ثابت کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے اس لیے کہ اس حق پر کوئی قدغن نہ لگائی جائے۔ایک ہنگامی صورتِ حال میں جس سے اجتماعی زندگی کو خطرات لاحق ہو جائیں حکومت کی طرف سے لازمی خدمت کے قانونی وجوہ کو قابل جواز قرار دیا جاسکتا ہے جب انہیں مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے لاگو کیا جائے۔تاہم کسی بھی بین الاقوامی معاہدے میں جبری یا لازمی مشقت کی تعریف نہیں کی گئی۔ILO کے آرٹیکل نمبر 29 میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ وہ کام یا خدمت جو کسی شخص سے سزا کے خوف اور دھمکی کے تحت لیا جائے جس کے لئے اس نے رضا کارانہ طور پر اپنے آپ کو پیش نہیں کیا سوائے ان مستثنیات کے جو یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) کے آرٹیکل(3) 4 سے مماثلت رکھتی ہیں۔مغربی ماہر قانون فاؤسٹ(Fawcett) نے اس تعریف کی تکنیکی دشواری کا ذکر کیا ہے کہ محنت کا منصوبہ بندی کے تحت استعمال، سخت محنت کے آزاد اور لازمی پابندیِ روزگار کے درمیان فرق بہت باریک اور ناقابل فہم حد تک مشکل ہے۔(۱)

جہاں تک اسلامی قانون کا تعلق ہے حالاتِ کار کے ہر پہلو پر نظر رکھی جاتی ہے تاکہ ہر فریق کے حق کو محفوظ رکھا جاسکے۔ نیز سود کو اس لئے ممنوع کیا گیا ہے کہ سرمایہ کے مالک کی طرف سے اس کا غلط استعمال روا رکھا جاتا ہے۔مزید یہ کہ اسلامی قانون کے تحت ایک خدمت کے بارے میں کوئی حکم یا ہدایت درج ذیل شرائط کے اندر ہونی چاہئے:

(۱) وہ خدمت بذاتِ خود قانونی کام ہو جس سے اس شخص کی شہرت اور عزت و آبرو

---

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, pp. 230,231.

پر کوئی حرف نہ آئے

(ب) وہ اس کارکن کی مرضی کے خلاف اس سے نہ لیا جائے۔

(ج) وہ کام کارکن کی برداشت اور صلاحیت سے زیادہ نہ ہو اور اس سے اسے کام کے مساوی معاوضہ اور منصفانہ اجرت حاصل ہو۔

۴۔ شخصی آزادی کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) کے آرٹیکل نمبر 5 کے مطابق:

ا۔ آزادی، حریت اور سلامتی ہر شخص کا حق ہے۔ کسی کو اس کی آزادی سے ماسوائے درج ذیل صورتوں اور قانون کے مطابق طے شدہ طریق کار کے بغیر محروم نہ کیا جائے:

(ا) عدالتِ مجاز سے سزا یافتہ ہونے پر کسی شخص کی قانونی نظر بندی۔

(ب) عدالت کے حکم کی عدم اطاعت کی صورت میں کسی شخص کی قانونی گرفتاری یا نظر بندی تا کہ اس سے قانون کے تقاضے پورے کرائے جائیں۔

(ج) معقول شبہ کی بنیاد پر کہ کسی شخص سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے یا وہ جرم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یا ارتکاب جرم کے بعد فرار ہونے سے روکنے کے لئے قانونی اتھارٹی کی طرف سے قانونی گرفتاری یا نظر بندی۔

(د) کسی نابالغ کی قانونی حکم کے تحت نظر بندی جو اس کی تعلیمی نگرانی یا اسے کسی مجاز قانونی اتھارٹی کے روبرو پیش کرنے کے مقصد سے ہو۔

(و) مخبوط الحواس اور ماؤف الذہن، شراب یا دیگر منشیات کے عادی یا آوارہ گرد بھگوڑوں کی قانونی نظر بندی تاکہ ان کی وجہ سے متعدی بیماریوں کو پھیلنے سے روکا جاسکے۔

(ر) کسی شخص کی قانونی گرفتاری یا نظر بندی تاکہ ملک میں اس کے بلا اجازت داخلے کو روکا جاسکے یا وہ شخص جس کے خلاف شہربدری یا تحویل ملزمین کے مقدموں کے تحت کارروائی کی جارہی ہو۔

۲۔ ہر اس شخص کو جسے گرفتار کیا جا رہا ہو اسے اس کی گرفتاری کی وجوہ اور اگر اس کے خلاف کوئی الزام ہے تو اس کے بارے میں فی الفور مطلع کر دیا جائے گا۔

۳۔ ہر شخص جسے اس آرٹیکل کے مطابق گرفتار یا نظر بند کیا گیا ہو اسے بسرعتِ تمام جج یا افسر مجاز کے روبرو پیش کیا جائے گا تاکہ قانون کے مطابق عدالتی اختیارات کو بروئے کار لایا جائے۔ محبوس معقول وقت کے اندر اندر اپنے خلاف عدالتی تحقیقات کا حقدار ہوگا یا فراہم کردہ ضمانتوں کے مطابق مقدمے کے اجزاء تک رہائی حاصل کر سکے گا۔

۴۔ گرفتاری یا نظر بندی کی بناء پر آزادی سے محروم ہونے والے ہر شخص کو اس کا حق ہوگا کہ بسرعت تمام عدالتی کارروائیوں میں اس کی نظر بندی کی قانونی حیثیت کا فیصلہ کر لیا جائے اور اگر اس کی نظر بندی قانون کے مطابق نہیں تو اس کی رہائی کا حکم صادر کر دیا جائے۔

۵۔ ہر وہ شخص جو اس آرٹیکل کے تحت غلط طور پر نظر بندی یا گرفتاری کا نشانہ بن گیا ہو اسکے معاوضے اور ہرجانے کا حق قابل نفاذ ہوگا۔

اِسلامی قانون کا تصوّر

اسلام کی تعلیمات کے مطابق انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کے اس فطری حق پر کسی بھی نوعیت کی سیاسی، قانونی یا دوسری پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ انسان اصلاً

آزاد ہے اور اس کی آزادی پر کوئی پابندی عائد کرنا روح اسلام کے منافی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی اسی روح کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

متی استعبد تم الناس و قد ولدتهم أمهاتهم أحرارا۔(۱)

’’تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔‘‘

۵۔ اِنصاف کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

۱۔ انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔ کی قانون جواز کے بغیر اس پر کوئی قدغن نہ لگایا جائے گا۔

۲۔ ہر فرد اور ہر گروہ ہر طرح کی ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی آزادی کا حق رکھتا ہے۔ وہ اس حق کے تعطل کے خلاف احتجاج کا حق رکھتا ہے۔

۳۔ ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی دوسرے کی حق آزادی کی جدوجہد اب اس کی معاونت کرے

یورپین کمیشن برائے تحفظ حقوق انسانی (European Conv ention for the Protetion of Human Rights, 1950.) کے مطابق:

۱۔ ہر شخص شہری حقوق اور فرائض کے تعین کی خاطر اور اگر کوئی فوجداری الزام ہے تو اس کی حیثیت کے بارے میں ایک آزاد اور غیر جانبدار ٹربیونل میں معقول وقت کے اندر اندر قانون کے ذریعے عمل میں لائی گئی منصفانہ اور اعلانیہ عدالتی کارروائی کا حق دار

(۱) محمد حسین ہیکل، الفاروق عمر رضی اللہ عنہ، ۲: ۱۹۸

ہے۔ فیصلہ کھلی سماعت کے بعد سرِ عام سنایا جائے گا لیکن اخلاقی مصالح، عوامی امن وامان، جمہوری معاشرے میں قومی سلامتی کے مفاد میں زیرِسماعت مقدمہ سے کلی یا جزوی طور پر پریس اور عوام کو خارج کر دیا جائے گا۔ ایسا کرنے کا مقصد نوعمروں کے مفادات اور فریقین کی خواہش کے مطابق نجی زندگی کے تحفظ کو ملحوظ رکھنا ہے۔ یہ ان خصوصی حالات کے پیشِ نظر بھی کیا جائے گا جن میں عدالت کی رائے میں مقدمے کے بارے میں کسی قسم کی تشہیر انصاف کے تقاضوں کو تعصب کی نذر کرسکتی ہے۔

۲۔ ہر شخص جس پر فوجداری نوعیت کا الزام ہو اسے اس وقت تک معصوم تصور کیا جائے گا جب تک قانون اسے مجرم نہ ثابت کر دے۔

۳۔ فوجداری مقدمے میں ماخوذ ہر شخص کو کم از کم درج ذیل حقوق حاصل ہیں:

ا۔ اسے فی الفور ایسی زبان میں جسے وہ سمجھتا ہے تفصیل سے اس کے خلاف الزام کی نوعیت اور سبب سے آگاہ کر دیا جائے۔

ب۔ اسے اپنا دفاع تیار کرنے کے لئے مناسب وقت اور سہولتیں فراہم کی جائیں

ج۔ اسے فی نفسہٖ اپنا دفاع یا اپنی مرضی کی قانونی امداد کے ذریعے دفاع کرنے کا حق دیا جائے۔ اگر اس کے پاس اتنے ذرائع نہیں کہ وہ اپنے خرچے پر قانونی امداد حاصل کرسکے تو انصاف کے تقاضے پورا کرنے کے لئے اسے مفت قانونی امداد دی جائے۔

د۔ اسے موقع دیا جائے کہ وہ اپنے خلاف گواہوں پر خود جرح کرے یا دوسروں کے ذریعے کرائے اور اپنی طرف سے پیش ہونے والے گواہوں کی حاضری انہی حالات میں حاصل کرے جیسا کہ اس کے خلاف پیش ہونے والے گواہوں کی تھی۔

ر۔ اگر وہ عدالت میں بولی جانے والی زبان نہیں سمجھتا تو اسے مترجم کی سہولت مہیا

کی جائے۔

اس کنونشن کے آرٹیکل 7 کے مطابق:

۱۔ کسی شخص کو ایسے فوجداری جرم میں موردِ الزام نہ ٹھہرایا جائے جو اس وقت جب وہ وقوع پزیر ہوا قومی اور بین الاقوامی قانون کی رو سے جرم کی ذیل میں نہیں آتا تھا۔ نہ ہی اس پر اس سے بھاری سزا لاگو کی جائے گی اس وقت قابلِ اطلاق تھی جب اس فوجداری جرم کا ارتکاب کیا گیا تھا۔

۲۔ یہ آرٹیکل کسی شخص کے مقدمے یا کردہ یا ناکردہ جرم پر اسے ملنے والی سزا کے شکار تعصب ہونے کا باعث نہیں بنے گا جو اس وقت جب اس کا ارتکاب ہوا مہذب اقوام کے تسلیم شدہ عمومی اصولوں کے مطابق فوجی نوعیت کا تھا۔

اِسلامی قانون کا تصوّر

۱۔ ہر شخص کا حق ہے کہ قانون اور صرف قانون کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کیا جائے۔

۲۔ ہر شخص کا حق ہے اور صرف حق ہی نہیں فرض بھی ہے کہ وہ بے انصافی کے خلاف احتجاج کرے اور اگر اس کے نتیجے میں اسے بلا جواز کوئی ذاتی تکلیف یا نقصان پہنچتا ہو تو قانون کے مقرر کردہ چارہ جوئی کے ذرائع سے اس کے ساتھ ہونے والی بے انصافی کا ازالہ کیا جائے۔

۳۔ اسے اپنے خلاف عائد کردہ کسی الزام کی صورت میں عدالتی چارہ جوئی کے لئے آزاد و غیر جانبدار ٹربیونل کے سامنے پیش ہونے کا بھی حق ہے خواہ اس کا تنازع حکام سے ہو یا کسی دوسرے شخص سے۔

۴۔ کسی بھی شخص کا یہ حق ہے اور فرض بھی کہ وہ کسی دوسرے شخص یا معاشرے کے

عمومی حقوق کا دفاع کر سکے۔

۵۔ نجی اور عوامی حقوق کے دفاع میں مصروفِ عمل کسی بھی شخص کے خلاف کسی قسم کا امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ یہ ہر مسلمان کا حق اور فرض ہے کہ وہ کسی ایسے حکم کو ماننے سے انکار کر دے جو قانون کے خلاف ہو اس سے قطع نظر کہ حکم دینے والا شخص کون ہے۔

۷۔ کوئی شخص کسی جرم میں مجرم نہیں گردانا جائے گا اور اسے مستوجب سزا نہیں سمجھا جائے گا ماسوائے اس کے کہ ایک آزاد عدالتی ٹربیونل کی کارروائی کے دوران اس کے جرم کا ثبوت پیش کر دیا گیا ہو۔

۸۔ کوئی بھی شخص مجرم نہیں گردانا جائے گا سوائے منصفانہ مقدمہ کے بعد کہ جس میں اسے اپنے دفاع کے لئے ہر معقول موقع مہیا کر دیا گیا ہو۔

۹۔ سزا قانون کے مطابق ہوگی اور وہ جرم کی سنگینی اور ان حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جن میں اس جرم کا ارتکاب ہوا دی جائے گی۔

۱۰۔ کوئی فعل جرم متصور نہیں ہوگا جب تک کہ قانون واضح لفظوں میں اسے صراحت کے ساتھ جرم قرار نہ دے دے۔

۱۱۔ ہر فرد اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہے۔ ایک جرم کی ذمہ داری بدل کے طور پر کنبے یا گروہ کے دیگر افراد جو کسی طرح بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر متعلقہ جرم میں ملوث نہ ہو کو منتقل نہیں کی جاسکتی۔

یہاں بھی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ مغربی قانون نے حق انصاف کے باب میں جن تحفظات کو بیان کیا اسلام کا عطا کردہ قانون انہیں زیادہ جامعیت سے پہلے ہی بیان کر چکا ہے۔

۶۔ شخصی رازداری اور عزت و آبرو کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protetion of Human Rights, 1950) کے مطابق:

۱۔ ہر ایک کا عزت و آبرو، نجی اور عائلی زندگی، اپنے گھر اور خط و کتابت و مراسلت پر حق ہے۔

۲۔ انتظامیہ کے کسی فرد کو اس حق میں مداخلت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ ایک جمہوری معاشرے میں قومی سلامتی، عوامی تحفظ، ملک کی اقتصادی بہبود، بدنظمی، ہلڑبازی اور جرائم کی روک تھام، صحت اور اخلاقیات کے تحفظ یا لوگوں کے حقوق اور دوسروں کی آزادی کی حفاظت کے لئے ایسا کرنا ضروری ہو۔

اِسلامی قانون کا تصوّر

ہر شخص کو رازداری کا حق ہے جس کا تحفظ کیا جائے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوْا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ اعلم فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِه وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (۱)

---

(۱) القرآن، النور، ۲۴: ۵۸، ۵۹

’’اے ایمان والوتمہارے لونڈی غلام اور وہ بچے جو سن بلوغ کو نہیں پہنچے انہیں تین وقتوں میں (تمہارے پاس آنے کے لیے) تم سے اجازت لینی چاہیے۔ (ایک) فجر کی نماز سے قبل اور (دوسرے) دوپہر میں جب تم اپنے (بعض) کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) عشاء کی نماز کے بعد (یہ) تین وقت تمہارے پردے کے ہیں (جب تم آزادانہ سوتے ہو) ان (تین وقتوں) کے علاوہ تم پر اور ان پر (بے تکلف آنے جانے میں) کوئی مضائقہ نہیں (کیونکہ ان اوقات کے علاوہ) وہ تمہارے پاس اور تم ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے ہی رہتے ہو۔ اسی طرح اللہ اپنے احکامات کھول کر بیان کرتا ہے (تاکہ تم بآسانی سمجھ سکو کہ یہ سب کچھ تم ہی کو شائستہ و مہذب بنانے کے لیے ہے) اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہےo اور جب تمہارے لڑکے (سن) بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اسی طرح اجازت لیں جس طرح ان سے قبل (ان کے بڑے) اجازت لیتے رہے ہیں (یعنی اب ان کو بھی آنے جانے میں وہی پابندیاں کرنا چاہیے جو ان کے بڑے کرتے رہے ہیں۔) اس طرح اللہ اپنے احکام صاف اور واضح طور سے بیان کرتا ہے (تاکہ لوگ سمجھیں اور اس کے پابند رہیں) اور اللہ بڑا علم والا اور حکمت والا ہےo‘‘

۷۔ مذہب اور رائے کی آزادی کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protetion of Human Rights, 1950) کے آرٹیکل نمبر 9 کے مطابق:

۱۔ خیال، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا ہر ایک کو حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کی تبدیلی بھی ہے اور یہ آزادی یا تو تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل کر جلوت اور خلوت میں ہر ایک کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ اپنے مذہب، عقیدہ، عبادت، تعلیمات،

معمولات، رسموں اور رواجوں کو کھلے بندوں ظاہر کرسکے۔

۲۔ مذہب یا عقیدہ کو ظاہر کرنے کی آزادی ایسی تحدیدات کی پابند ہوگی جو قانون نے وضع کی ہیں اور ایک جمہوری معاشرے میں عوامی امن وامان ،صحت و اخلاق یا دوسرے کے حقوق اور آزادیوں کے لئے ضروری ہے۔

یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protetion of Human Rights, 1950) کے آرٹیکل نمبر 10 کے مطابق:

۱۔ ہر ایک کو آزادی اظہار کا حق ہے۔ اس حق میں رائے رکھنے کی آزادی اور انتظامی اتھارٹی کی مداخلت کے بغیر اہم اطلاعات اور خیالات کی وصولی اور انہیں آگے منتقل کرنے کا حق شامل ہے۔ یہ آرٹیکل ریاستوں کی طرف سے نشریات ، ٹیلی ویژن اور سینما کاروبار کو لائسنس دینے میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔

۲۔ ان آزادیوں کے عمل کرنے میں چونکہ فرائض اور ذمہ داریاں شامل ہیں اس لئے وہ ایسی کارروائیوں، شرائط ، پابندیوں اور تعزیرات کے تابع ہیں جنہیں قانون ضروری قرار دیتا ہے اور وہ ایک جمہوری معاشرے میں قومی سلامتی، علاقائی سالمیت عوامی تحفظ، بدنظمی یا جرم کی روک تھام ،صحت و اخلاق کی حفاظت، دوسروں کی شہرت اور حقوق ، اطلاعات جو بصیغہ راز موصول ہوں ان کو مشتہر کرنے سے روکنا، اور عدلیہ کی حاکمیت اور غیر جانبداری کو قائم رکھنا ان سب امور پر مشتمل ہے۔

اِسلامی قانون کا تصوّر

۱۔ ہر شخص کو ضمیر کی آزادی اور اپنے مذہبی عقائد کے مطابق عبادت و پرستش کرنے کا حق ہے۔

۲۔ ہر شخص کو اپنے خیالات اور عقائد کو ظاہر کرنے کا حق ہے تاآنکہ وہ قانون کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہے۔ تاہم کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ بے سروپا جھوٹی باتوں کو

پھیلائے یا ایسی رپورٹیں لوگوں تک پہنچائے جو عوامی جذبات کو غضب ناک اور مشتعل کرنے کا باعث بنیں، اسی طرح کسی کو یہ حق نہیں کہ بہتان طرازی، طعن و تشنیع اور لوگوں پر ہتک آمیز آوازے کسے۔

۳۔ علم کا حصول اور حق کی تلاش صرف حق ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان کا فرض بھی ہے۔

۴۔ یہ ہر مسلمان کا حق اور فرض ہے کہ ظلم و جبر کے خلاف احتجاج کرے اور قانون کی حدود میں رہ کر آواز بلند کرتا رہے خواہ اسے ریاست کے حاکمِ اعلیٰ ہی کو کیوں نہ چیلنج کرنا پڑے۔

۵۔ کوئی دوسرے کے مذہبی عقائد کو نفرت اور تمسخر کا نشانہ نہیں بنائے گا، ان کے خلاف دشمنی کی آگ کے شعلے نہیں بھڑکائے گا۔ دوسروں کے مذہبی جذبات کا احترام تمام مسلمانوں پر فرض عین ہے۔

۶۔ قرآنی اصول ”لا إكراه في الدين“ غیر مسلم اقلیتوں کے مذہبی حقوق کے حوالے سے لاگو ہوگا۔

۷۔ ایک مسلم ملک میں مذہبی اقلیتوں کو اس بات کا انتخاب کرنا ہوگا کہ وہ اپنے ذاتی معاملات کے حوالے سے اسلامی قانون کے تابع ہوں یا اپنے ذاتی قوانین کے۔

۸۔ اسلامی قانون کے تحت غیر مسلموں کے اپنے مذہبی حقوق سے محروم ہونے کا کوئی امکان نہیں کیونکہ ان کے مذہبی اور ذاتی معاملات کو سختی سے واضح قانونی شقوں میں تحفظ دیا گیا چنانچہ ان کی جزوی طور غلط تشریح و تعبیر کا بھی کوئی امکان نہیں۔

۸۔ شادی اور خاندان کے قیام کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for

(the Protetion of Human Rights, 1950) کے مطابق:

شادی کی عمر کو پہنچے ہوئے مردوں اور عورتوں کو ان قومی قوانین کے مطابق جو طے کر دیئے گئے ہیں شادی کرنے اور کنبے کی بنیاد رکھنے کا حق ہے۔

اِسلامی قانون کا تصوّر

۱۔ شادی کرنا، کنبے کی بنیاد رکھنا اور اپنی مذہبی روایات اور کلچر کے مطابق بچوں کی پرورش کرنا ہر ایک کا حق ہے ہر میاں بیوی کو استحقاق کے طور پر ایسے حقوق اور مراعات حاصل ہیں اور وہ ان فرائض اور ذمہ داری داریوں کے پابند ہیں جنہیں قانون میں واضح طور پر طے کر دیا گیا ہے۔

۲۔ شادی کے ہر فریق کو ایک دوسرے کے احترام اور توجہ حاصل کرنے کا حق ہے۔

۳۔ ہر خاوند اس امر کا پابند ہے کہ وہ اپنے بیوی اور بچوں کی اپنے ذرائع کے مطابق پرورش اور کفالت کرے۔

۴۔ ہر بچے کا حق ہے کہ اس کی کفالت کی جائے اور والدین اس کی مناسب پرورش کریں۔ یہ ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ ان پر ایسا بوجھ ڈال دیا جائے جس سے ان کی فطری نشوونما رک جائے یا اس کو نقصان پہنچے۔

۵۔ اگر بوجوہ والدین بچے کی طرف سے ان پر عائد ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں تو یہ ریاست کا فرض ہے کہ ان ذمہ داریوں کو سرکاری خرچ پر ادا کرے۔

۶۔ اپنے بچپن، بڑھاپے اور معذوری کے حال میں ہر شخص کا حق ہے کہ اس کی مادی مدد، خیال اور حفاظت کی جائے۔

۷۔ امومت (motherhood) خصوصی احترام کی حقدار ہے، معاشرے کو چاہیے کہ عوام کے کل پرزوں کی طرف سے کنبے کے اس حصے یعنی ماؤں کا خیال رکھا جائے اور ان کو سہارا دیا جائے۔

۸۔ خاندان کے اندر مردوں اور عورتوں کواپنے فرائض اور ذمہ داریوں میں اپنی صنفی، فطری، صلاحیتوں ، قابلیتوں اور رجحانات کے حوالے سے ایک دوسرے کا دست و بازو بننا ہے یہ یاد رکھتے ہوئے کہ اپنے آنے والی نسلوں اور قرابتداروں کی طرف ان پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

۹۔ کسی شخص (مرد وزن) کی شادی اس کی مرضی کے خلاف نہ ہواور نہ ہی شادی کی بناء پر اس (مردوزن) کی قانونی شخصیت کو کوئی نقصان پہنچے یا اس پر کوئی حرف آئے۔

اِسلام اور شادی شدہ خواتین کے حقوق

ہر شادی شدہ خاتون کا حق ہے کہ:

۱۔ اس گھر میں رہے جہاں اس کا خاوند رہتا ہے۔

۲۔ کفالت کے لئے اس کو جو ذرائع اوراسباب میسر ہوں وہ معیار زندگی کے اعتبار سے اس کے خاوند سے کسی طور کمتر اور گھٹیا نہ ہوں۔ اور اگر طلاق واقع ہو جائے تو عدت کی شرعی مدت کے دوران اسے خاوند کی آمدنی میں سے اس کے ذرائع کی مناسبت سے اپنے نان ونفقہ اور دودھ پیتے یا بڑے بچوں کی کفالت کرنے کا حق ہوگا۔قطع نظر اس کی اپنی مالی حیثیت اور جائداد سے جس پر اس کا حق ہے۔

۳۔ قانون میں طے شدہ شرائط کے مطابق وہ خلع کے لئے رجوع کر سکے گی اور خلع حاصل کر سکے گی۔

۴۔ قانونِ وراثت کے مطابق وہ اپنے خاوند، اپنے والدین اور اپنے بچوں کے مال و جائداد کی وارث ہوگی۔

۵۔ عورت کا حق ہے کہ کسی ایسی خبر یا اطلاع جو اس کے لیے تباہ کن ہوسکتی ہے، کو اپنے خاوند سے صیغہ راز میں رکھے۔ اس طرح کی ذمہ داری اپنے خاوند کے بارے میں خاتون پر بھی عائد ہوتی ہے۔

۶۔ اسلامی ریاست اس امر کی پابند ہے کہ وہ اقلیتوں کو شادی، بچوں کی پرورش اور تعلیم کے بارے میں اپنے عائلی قوانین کو روبہ عمل لانے کا حق فراہم کریں جو ان کے مذاہب، روایات اور ثقافتوں سے ہم آہنگ ہوں۔ ان کی مزید تصریحات افرادِ کنبہ کے حقوق اور فرائض میں طے کر دی گئی ہیں۔

شادی سے متعلق اسلام کے عطا کردہ حقوق زیادہ جامع اور تحفظ دینے والے ہیں۔جبکہ مغرب میں شہریوں کو خاندان کے قیام کے باب میں اس نوعیت کا تحفظ فراہم کرنے کے لئے بتدریج قانون سازی کی گئی۔ یورپی کونسل نے یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) کے بعد 1953ء سے 1971ءتک اس میں پانچ تکمیلی پروٹوکولز کا اضافہ کیا جن میں تعلیم و تربیت اور دیگر جزئیات کا احاطہ کیا گیا۔

۹۔ تعلیم و تربیت کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) کے مطابق:

کسی شخص کو تعلیم کے حق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ تعلیم اور درس و تدریس کے فرائض کے باب میں ریاست والدین کے حقوق کا احترام کرے گی اور ان کے مذہبی اور فلسفیانہ عقائدونظریات کے مطابق تعلیمی اور تدریسی فرائض کی ادائیگی کو یقینی بنائے گی۔

یورپین سوشل چارٹر (European Social Charter, 1961) بھی تعلیم و تربیت کے حق کو اس طرح بیان کرتا ہے:

۱۔ ہر شخص کا حق ہے کہ اس کے ذاتی میلان اور دلچسپیوں کی مناسبت سے پیشے کے چناؤ میں مدد دینے کے لئے اسے پیشہ وارانہ طور پر مناسب سہولیات فراہم کی جائیں۔

۲۔ حرفتی پیشہ ورانہ تربیت کے لئے مناسب سہولتوں پر ہر ایک کا حق ہے۔

۳۔ پیشہ وارانہ راہنمائی کے حق کو مؤثر انداز سے بروئے کار لانے کے لئے عوام کو ایسی امداد فراہم کی جائے گی جو ان کے لئے ذہنی یا جسمانی معذوری میں مددگار ہو اور ان مسائل کو حل کیا جائے جو پیشہ وارانہ انتخاب اور ترقی سے مربوط ہوں۔ یہ مدد نوعمر افراد جن میں سکول کے بچے اور بالغ بھی شامل ہیں کو بلا معاوضہ دی جائے گی۔

اِسلامی قانون کا تصوّر

اسلام میں تعلیم و تربیت کے حق کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی پہلی وحی کا آغاز حرف اقراء سے ہوا جو تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی اہمیت کو بیان کرتا ہے، قرآن حکیم کے نازل ہونے والے اس پہلے حکم کے مطابق اسلام میں تعلیم و تربیت حاصل کرنا حق نہیں بلکہ فرض ہے۔ اسلامی ریاست اس امر کی پابند ہے کہ وہ شہریوں کو وہ تمام سہولتیں فراہم کرے جو ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ضروری ہیں۔ اسی طرح:

۱۔ ہر شخص اپنی فطری صلاحیتوں اور قابلیتوں کے مطابق تعلیم حاصل کرنے کا حقدار ہے۔

۲۔ ہر شخص اپنے پیشے اور مستقبل کے مشاغل منتخب کرنے کا آزادانہ حق رکھتا ہے۔ اسے اپنی فطری صلاحیتوں کے جوہر کے بھرپور اظہار کا موقع دیا جائے۔

اسلام اور مغربی قانون کے تصورات کے تقابلی مطالعہ سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ مغربی قانون نے تعلیم و تربیت کے حق کا جو اعتراف دور حاضر میں کیا گیا ہے، اسلام نے صدیوں قبل اپنی وحی کے آغاز سے ہی اس کی بنیاد رکھ دی تھی۔

۱۰۔ نقل و حرکت اور رہائش کی آزادی کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

یورپین کمیشن برائے تحفظ حقوق انسانی (European Convention for the Protetion of Human Rights, 1950.P4) کا چوتھا یورپی پروٹوکول 1963ء میں منظور ہوا اور 1964ء میں اس پر عمل درآمد ہو۔(۱)

۱۔ ہر شخص جو ایک ریاست کی علاقائی حدود میں بطور قانونی شہری رہائش پزیر ہے اسے حق اور آزادی حاصل ہے کہ جہاں چاہے نقل مکانی کرے اور جائے سکونت اختیار کرے۔

۲۔ ہر شخص بشمول اپنے ملک کسی ملک کو چھوڑنے کے لئے آزاد ہوگا۔

۳۔ سوائے اس پابندی کے جو قانون کے مطابق ہو اور ضروری ہو جیسا کہ کسی جمہوری معاشرے میں قومی سلامتی، اجتماعی حفاظت اور عوامی امن و امان کی بحالی کے لئے، جرائم کی روک تھام، صحت اور اخلاق کی حفاظت اور دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کسی کے ان حقوق پر کوئی پابندیاں نہیں لگائی جائے گی۔

۴۔ وہ حقوق جو پیرا گراف نمبر 1 میں درج ہیں بعض مخصوص علاقوں میں ان پابندیوں کے تابع ہیں جو قانون کے مطابق ایک جمہوری معاشرے میں عوامی مفاد کے پیش نظر لگائی جائیں۔

یورپین کمیشن برائے تحفظ حقوق انسانی (European Convention for the Protetion of Human Rights, 1950.P4) کے آرٹیکل 3 کے مطابق:

۱۔ کسی شخص کو انفرادی یا اجتماعی اقدام کے نتیجے میں اس ریاست کی حدود سے جس کا وہ شہری ہے ملک بدر نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ کوئی شخص اس ریاست کی حدود میں داخلے سے نہیں روکا جائے گا جس کا وہ

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, p. xv.

شہری ہے۔

۳۔ غیرملکیوں کا اجتماعی اخراج ممنوع ہے۔

یورپین سوشل چارٹر (European Social Charter, 1961) میں اس حوالے سے کئے گئے متعلقہ اقدامات یہ ہیں:

۱۔ شریکِ معاہدہ ممالک کے شہریوں میں سے کسی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ کسی دوسری ریاست کے علاقے میں ان کے اپنے شہریوں سے برابری کی بنیاد پر منافع بخش پیشہ اختیار کریں جہاں وہ ان پابندیوں کے تابع ہوں گے جو معقول اقتصادی اور سماجی وجوہ کی بنیاد پر لگائی جائیں۔

۲۔ کسی بھی شریک معاہدہ ملک کے علاقے میں منافع بخش کاروبار کے حق پر عمل درآمد کے لئے شریک معاہدہ ممالک درج ذیل اقدامات کریں گے:

i- (جوابدہی کے احساس کے ساتھ) موجودہ ضابطوں کا اطلاق کرنا۔

ii- موجودہ طریق کار کو سہل اور آسان بناتے ہوئے واجبات اور دیگر چارجز کو جو غیرملکی کارکنوں یا ان کے مالکوں سے واجب الادا ہیں کو کم یا ختم کرنا۔

iii- ان ضابطوں میں جو غیرملکی کارکنوں کی طریق ملازمت سے متعلق ہیں انفرادی یا اجتماعی طور پر مزید وسعت اور کشادگی پیدا کرنا۔

iv- ان کے ملکی شہریوں کو ملک چھوڑ کر معاہدے میں شریک ملکوں کے علاقوں میں جا کر منافع بخش پیشہ اختیار کرنے کا حق دینا۔

۳۔ تارکینِ وطن کارکنان جو شریکِ معاہدہ ملک کے قومی شہری ہیں انہیں اور ان کے اہل و عیال کو حق دیا جائے کہ معاہدے میں شریک دوسرے ملک کی حفاظت اور مدد حاصل کرسکیں۔

۴۔ تارکینِ وطن کارکنان اور ان کے اہل و عیال کو شریک معاہدہ ملک کے علاقے

میں تحفظ اور مدد کے حق کو یقینی بنانے کی خاطر شرکائے معاہدہ درج ذیل اقدامات کا عہد کرتے ہیں:

i- اس امر کی تسلی کرنا کہ ایسے کارکنوں کی مدد اور بالخصوص دُرست خبریں حاصل کرنے کے لئے انہیں مسلسل بلا معاوضہ خدمات مہیا کی جارہی ہیں، اور جہاں تک قوانین و ضوابط اجازت دیں وہ تمام مناسب اقدامات کئے جا رہے ہیں جن سے مہاجرت اور ترک وطن کے بارے میں گمراہ کن پراپیگنڈے کا توڑ کیا جا سکے۔

ii- ان کے اپنے حلقہ اختیار میں ایسے مناسب اقدامات اٹھانا جن سے ان کارکنوں اور ان کے اہل خانہ کی روانگی، سفر اور استقبال میں آسانیاں پیدا کی جائیں اور ان کے اپنے دائرہ کار میں صحت، طبی علاج کی مناسب خدمات اور دوران سفر حفظان صحت کے اچھے حالات مہیا کئے جائیں۔

iii- سماجی خدمات کے مابین نجی اور سرکاری سطح پر مناسب تعاون کی فضا کو فروغ دینا ان ملکوں میں جن کے درمیان نقل مکانی اور ہجرت کا سلسلہ جاری ہے۔

iv- ان علاقوں میں ایسے کارکنوں کے ساتھ باضابطہ طور پر جہاں تک وہ معاملات قوانین وضوابط کے دائرے اور انتظامی حکام کے کنٹرول میں ہوں ایسا سلوک کرنا جو ان کے قومی شہریوں سے درج ذیل معاملات میں کم خوشگوار نہ ہو۔

(ا) صلہ و معاوضہ اور دیگر روزگار کے مواقع اور حالات کار فراہم کرنا۔

(ب) ٹریڈ یونینوں کی رکنیت سازی اور اجتماعی کاوشوں کو ثمرات سے بہرہ یاب کرنا۔

(ج) رہائش مہیا کرنا۔

v- ایسے کارکنان کے لئے جو ان علاقوں میں قانونی طور پر مقیم ہیں ان کے قومی شہریوں کے ملازمین سے روزگار ٹیکس، واجبات اور دیگر واجب الادا محصولات مراعات کے معاملے میں کم تر خوشگوار سلوک روا نہ رکھنا۔

vi- جہاں تک ممکن ہو غیر ملکی کارکنوں کے اہل خانہ کے ساتھ دوبارہ ملنے کے لئے سہولتیں بہم پہنچانا جنہیں اس علاقے میں رہنے کا اجازت نامہ حاصل ہے۔ (اس مقصد کے لئے ''غیر ملکی کارکن کے اہل خانہ'' سے مراد کم از کم اس کی بیوی اور ۲۱ سال سے کم زیر کفالت بچے ہیں)۔

vii- ان علاقوں کے غیر ملکی کارکنوں کے لئے ان کے قومی شہریوں کے ہم پلہ ایسے معاملات میں جن کا حوالہ اس آرٹیکل میں دیا گیا ہے قانونی کارروائیوں کے سلسلے میں برابری کا سلوک حاصل کرنا۔

viii- ایسے کارکنوں کو یہ اجازت دلانا کہ قانونی حدود کے اندر اپنی کمائیوں اور بچتوں کا وہ حصہ جس کے وہ خواہشمند ہوں منتقل کر سکیں۔

ix- اس بات کا تحفظ کہ ایسے کارکن جو ان علاقوں کے قانونی باسی ہوں انہیں ملک بدر نہ کیا جائے جب تک وہ قومی سلامتی کے لئے خطرہ نہ بنیں یا عوامی مفاد یا اخلاقیات کے منافی حرکت کے مرتکب ہوں۔

x- اس حفاظت اور مدد، جو یہ آرٹیکل مہیا کرتا ہے، کا دائرہ کار خود روزگار تارکین وطن تک بڑھانا تا کہ ان پر ان اقدامات کا اطلاق ہو سکے۔

اِسلامی قانون کا تصوّر

۱۔ عالم اسلام اخوت باہمی پر مبنی امت ہے ہر مسلمان کو حسب قانون آزادانہ نقل و حرکت اور رہائش کا حق حاصل ہے چونکہ ہر مسلمان کو یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ آزادانہ کسی ملک کے اندر اور باہر آ جا سکے۔

۲۔ کسی بھی فرد کو زبردستی اپنی جائے رہائش سے بے دخل اور ملک بدر نہ کیا جائے اور نہ ہی قانون کی طرف رجوع کئے بغیر یکطرفہ طور پر ترک وطن پر مجبور کیا جائے۔

مغربی قانون نے آزادانہ نقل وحرکت اور رہائش کے حق کو 1950ء تا 1961ء

میں اختیار کیا تا کہ متعلقہ ملک کے افراد کو مزید بہتر زندگی کے مواقع میسر آ سکیں۔ مگر اسلام نے ان اقدامات کا آغاز ایک ایسی وسیع بنیاد پر ۱۴۰۰ سال قبل کر دیا تھا جس کی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ ہماری مراد نوزائیدہ مملکت مدینہ میں مواخات کا قیام تھا۔ جس کے تحت نہ صرف اس ریاست میں ہر شہری کو قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے آزادانہ نقل وحرکت، روزگار، رہائش کا حق دیا گیا تھا بلکہ ہر صاحب حیثیت فرد معاشرہ کے کمزور حیثیت کے افراد کو اپنے اموال کاروبار اور رہائشوں میں برابر کا شریک کر لیا تھا۔

۱۱۔ جائے پناہ و دار الامان کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

یہ امر قابل ذکر ہے کہ یورپین کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protetion of Human Rights, 1950) پناہ اور امان طلبی کے حق کے بارے میں خاموش ہے گو متعلقہ یورپی ممالک United Nations Charter, 1945، Universal Declaration of Human Rights, 1948 اور The International Covenant on Civil and Political Rights, 1966 کے عمومی اصولوں کی روشنی میں اس حق کو تسلیم کرتے ہیں مگر The International Covenant on Civil and Political Rights, 1966 میں اس موضوع پر کوئی واضح قانونی شق نہیں۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو اسلامی قانون کا نقطہ نظر گزشتہ چودہ صدیوں میں ممتاز حد تک ترقی پسندانہ رہا ہے کہ اس کی رو سے نہ صرف یہ کہ انسانوں کے حق اماں طلبی کو تسلیم کیا گیا ہے بلکہ یہ حق عملی طور پر دیا بھی گیا ہے جو کہ اگر ایک مسلمان عورت نے بھی کسی کو امان دے دی تو اسے ریاستی سطح پر تسلیم کیا گیا۔

اِسلامی قانون کا تصوّر

۱۔ ہر وہ شخص جوظلم و جبر اور تشدد کا نشانہ مشق بنایا جائے اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ امان اور پناہ کا طالب ہو۔ ہر فرد کو نسل، مذہب، رنگ اور جنس سے قطع نظر اس حق کی ضمانت دی جاتی ہے۔

۲۔ مسجد الحرام (خدا کا مقدس گھر) تمام مسلمانوں کے لیے جائے امان اور پناہ گاہ ہے۔

۱۲۔ اِجتماعی معاملات میں عوامی شرکت کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

۱۔ یورپین کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protetion of Human Rights, 1950) کے پہلے پروٹوکول کے آرٹیکل 3 کے مطابق معاہدے کے اعلیٰ فریق معقول وقفوں سے خفیہ رائے شماری کے ذریعے آزادانہ انتخابات کرانے کی ذمہ داری ان شرائط کے تحت قبول کرتے ہیں کہ جو مجلس قانون ساز (legislative) کے چناؤ میں لوگوں کے آزادانہ اظہار رائے کو یقینی بنا دیں۔

۲۔ یورپین کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protetion of Human Rights, 1950) کے آرٹیکل 16 کے مطابق آرٹیکل 10، 11 اور 14 میں مذکور کسی بات سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ معاہدے میں شریک ارباب اقتدار کو غیر ملکیوں کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندیاں عائد سے منع کیا گیا ہے۔(۱)

اِسلامی قانون کا تصوّر

۱۔ قانون کے تابع رہتے ہوئے امت کا ہر فرد عوامی عہدے پر تعینات کئے جانے

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, pp. 360-366.

کا حق رکھتا ہے۔

۲۔ آزادانہ مشاورت (شوریٰ) کا عمل حکومت اور لوگوں کے مابین انتظامی تعلق اور رابطے کی بنیاد ہے۔ اس اصول کی رو سے لوگوں کو اپنے حکمرانوں کو منتخب کرنے اور اقتدار سے ہٹانے کا بھی اختیار ہے۔

۱۳۔ اِجتماع اور تنظیم کے قیام کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

یورپین کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protetion of Human Rights, 1950) کے آرٹیکل 11 کے مطابق:

ا۔ ہر شخص کو پرامن اجتماع اور دوسروں سے مل کر ایسوسی ایشن بنانے کا حق ہے جس میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ٹریڈ یونین بنانے اور اس میں شامل ہونے کا حق بھی شامل ہے۔

۲۔ ان حقوق کو روبہ عمل لانے کی راہ میں کوئی پابندیاں نافذ نہیں کی جائیں گی سوائے ان کے جو ضروری ہوں اور ایک جمہوری معاشرے میں جرائم یا بدامنی کی روک تھام، صحت یا اخلاق کے تحفظ اور دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کو محفوظ کرنے کے لئے ازروئے قانون عائد کی گئی ہوں۔ یہ آرٹیکل مسلح افواج، پولیس یا ریاست کی انتظامیہ کے اراکین کو ان حقوق کی بجا آوری کی راہ میں کوئی پابندیاں عائد کرنے سے نہیں روکے گا۔(۱)

اِسلامی قانون کا تصوّر

ا۔ ہر شخص انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے مذہبی، معاشرتی، ثقافتی اور سیاسی زندگی میں حصہ لینے کا حق رکھتا ہے کہ وہ اس مقصد کے حصول کے لئے ایسے ادارے قائم کرے

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, pp. 348-358.

جو نیکی کی تلقین اور برائی سے منع کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں جسے 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۔ ہر شخص کا حق ہے کہ وہ ایسے اداروں کے قیام کے لئے کوشاں ہو جن سے ان حقوق سے استفادہ کرنا ممکن ہو، من حیث المجموع معاشرہ ایسے حالات پیدا کرنے کا پابند ہے جو افراد کو اس قابل بنائے کہ وہ اپنی شخصیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔

۱۴۔ جائیداد اور ملکیت کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

یورپین کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protetion of Human Rights, 1950) کے پہلے پروٹوکول کے مطابق ہر شہری فطری اور قانونی طور پر اپنے مملوکہ اسباب اور مال ومتاع سے پرامن طور پر محظوظ ہونے کا حق رکھتا ہے کسی کو اپنے اسباب اور مال و متاع سے محروم نہیں کیا جائے گا سوائے عوامی مفاد کے ان حالات میں جن کو قانون میں طے کیا گیا ہے اور وہ بین الاقوامی قانون کے عمومی اصولوں سے مطابقت رکھتے ہوں۔

تاہم قانون کی یہ شقیں جن کا ذکر گزر چکا ہے کسی طور ریاست کے اس حق میں حارج نہیں ہوں گی کہ وہ نظریۂ ضرورت کے تحت کسی ایسے قانون کا نفاذ عمل میں لا سکے جو عمومی مفاد کے پیش نظر کسی جائیداد کے استعمال کے کنٹرول کے لئے ضروری ہو اور جس سے ٹیکس واجبات، محصولات اور دیگر چنگی محصول یا تاوان وغیرہ کی ادائیگیوں کو محفوظ کیا جا سکے۔

اِسلامی قانون کا تصوّر

۱۔ تمام افراد کو اس امر کا حق حاصل ہے کہ فطرت اور اس کے تمام تر وسائل کے فوائد اپنے تصرف میں لا سکیں یہ اللہ کی وہ نعمتیں ہیں جو من حیث المجموع تمام بنی نوع

انسان کے فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔

۲۔ معاشرے کے تمام افراد قانون کے مطابق اپنی روزی کمانے کے حقدار ہیں۔

۳۔ ہر فرد کا حق ہے کہ وہ اپنی جائیداد کو انفرادی طور پر یا دوسروں کے ساتھ اشتراک کے ذریعے اپنے قبضے میں لائے تاہم مجموعی عوامی مفاد میں ریاست جائز طور پر بعض اقتصادی وسائل پر قابض ہوسکتی ہے۔

۴۔ غرباء اور محروم المعیشت لوگوں کا امیروں کی دولت کے ایک حصے پر جسے زکوٰۃ کی صورت میں مقررہ شرح سے لاگو کیا گیا اور قانون کے مطابق اکٹھا کیا گیا ہو حق ہے۔

۵۔ تمام ذرائعِ پیداوار امت کے مجموعی مفاد کے لئے زیر تصرف لائے جائیں گے، ان کو استعمال کرنے میں نہ تو غفلت اور تساہل روا رکھا جائے اور نہ ہی ان کا بے جا استعمال کیا جائے۔

۶۔ ایک متوازن معیشت کی ترقی کے فروغ اور معاشرے کو استحصال سے محفوظ رکھنے کے لئے قانونِ اسلامی اجارہ داریوں، غیرمعقول مانعِ ترقی تجارتی پالیسیوں، سودی لین دین، معاہدہ سازی میں جبر و زبردستی اور گمراہ کن اشتہارات و پروپیگنڈے کی اشاعت کو ممنوع قرار دیتا ہے۔

۷۔ تمام معاشی سرگرمیوں کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ عامۃ الناس کے مفادات کے منافی نہ ہوں اور اسلامی قوانین اور اقدار کی خلاف ورزی نہ کرتی ہوں۔

۱۵۔ معاشرتی سلامتی، اِمدادِ باہمی و بہبود کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

یورپین سوشل چارٹر (European Social Charter, 1961) کے مطابق:

۱۔ تمام کارکنان اور ان کے زیر کفالت افراد معاشرتی سلامتی کا حق رکھتے ہیں۔

۲۔ مناسب ذرائع سے محروم کوئی بھی شخص سماجی اور طبی امداد کا حقدار ہے۔

۳۔ ہر فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ معاشرتی بہبود کی خدمات سے بہرہ یاب ہو سکے۔

۴۔ معذور افراد کو پیشہ وارانہ تربیت، بحالی اور آبادکاری کا حق ہے قطعِ نظر اس سے کہ ان کی معذوری کی اصل اور نوعیت کیا ہے؟

۵۔ معاشرتی سلامتی کو بروئے کار لانے کے حق کو یقینی بنانے کی خاطر شرکائے معاہدہ کو یہ اُمور ملحوظ رکھنا ہوں گے۔

i- معاشرتی سلامتی کے نظام کا قیام اور اس کی بحالی

ii- معاشرتی سلامتی کے نظام کی بحالی کم از کم اس تسلی بخش سطح پر ہو جو کم از کم انٹرنیشنل لیبر کنونشن (InternationalLabour Convention) میں دیئے گئے کم سے کم معاشرتی سلامتی کے معیار کے برابر ہو۔

iii- معاشرتی سلامتی کے نظام کو بتدریج بلند تر معیار پر لانے کے لئے کسی غفلت اور تساہل سے کام نہ لیا جائے۔

iv- مناسب دوجہتی اور کثیر الجہاتی معاہدات یا دیگر ذرائع کی وساطت سے اور ان معاہدات میں طے شدہ شرائط کی مطابقت سے ایسے اقدامات کرنا جو ان امور کو یقینی بنائیں:

(ا) شرکائے معاہدہ ممالک کے شہریوں سے بہ اعتبار معاشرتی سلامتی مساوی سلوک اور اس بارے میں ہونے والی قانون سازی سے ملنے والے حقوق کی حمایت قطع نظر اس سے کہ شرکائے معاہدہ کے علاقوں کے مابین کسی بھی پیمانے پر بھی نقل و حرکت ہو رہی ہو۔

(ب) معاشرتی سلامتی کے حقوق کی تفویض اور بحالی جو شہریوں کو مختلف ذرائع مثلاً انشورنس یا ہر شریک معاہدہ ملک کے قانون کے مطابق مکمل شدہ عرصۂ روزگار کے ذریعے حاصل ہوں۔

اِسلامی قانون کا تصوّر

قومی وسائل کی مناسبت سے ہر شخص کا خوراک، رہائش، کپڑے، تعلیم اور طبی علاج معالجہ پر حق ہے، ان بنیادی ضرورتوں کی فراہمی کا حق بالخصوص ان افراد کے لئے ہے جو عارضی یا مستقل معذوری کی بنا پر ان کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

اسلام نے معاشرتی سلامتی اور فلاح و بہبود کا وہ تصور دیا جو فرد اور معاشرہ دونوں کے حقوق کا احاطہ کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے انفرادی سطح پر اس حق کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے مومن کی علامت اس امر کو قرار دیا کہ مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے افرادِ معاشرہ کو سلامتی، فلاح اور بہبود پہنچے۔ جبکہ قومی سطح پر قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے ذریعے ایک ایسے معاشرے کے قیام کی تعلیم دی جو **لاخوف علیھم ولاھم یحزنون** کا مظہر ہو، اور جہاں ہر شخص کو معاشرتی سلامتی اور فلاح و بہبود کا حق عملاً میسر ہو۔

۱۶۔ فراہمیٔ حقوق کی اَبدی ضمانت کا حق

مغربی قانون کا تصوّر

مغربی قانونی فکر میں حق کا تصور مبہم حیثیت کا حامل ہے۔ انسانی حقوق کی اصطلاح کا اطلاق عام طور پر انسانی زندگی، عزت و وقار اور اس سے متعلق دوسرے تصورات پر کیا جاتا ہے۔ حق کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے معروف مغربی مفکر Andrew Levine لکھتا ہے:

> In general, rights continue to be claimed within social frameworks. Rights are possessed in relation to others; and rights claims are directed, forensically, to those others. To talk of rights is to presuppose the existence of a community in which rights claims are advanced and in virtue of which rights are 'possessed.' A human right, then is a claim advanced within the 'human community', which is possessed by

virtue of being human; and advanced to all other humans. For those who regard the concept of right as unproblematic, the existence of human rights depends upon the cogency of conceiving a human community; and the nature and extent of human rights depends upon the character of that community.(1)

’’عموماً حقوق کا دعویٰ سماجی دائرہ کار کے اندر ہی کیا جاتا ہے۔ حقوق دوسروں کے ساتھ تعلق سے وجود پاتے ہیں اور دعویٰ حقوق بھی معناً دوسروں ہی سے کیا جا رہا ہوتا ہے۔ حقوق کی بات کرنے کا مطلب ایک ایسے معاشرے کے وجود کا اعتراف ہے جہاں پر دعویٰ حقوق تسلیم کیا جاتا ہو اور اس کے نتیجہ میں حقوق حاصل کئے جاتے ہوں گویا انسانی حق انسانی معاشرے میں کئے جانے والا ایسا دعویٰ ہے جس کا حامل بنی نوع انسان کا ہر فرد ہے اور اس کی تکمیل کے لئے دوسرے تمام انسانوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ وہ جو حق کے تصور کو غیر مبہم سمجھتے ہیں ان کے نزدیک انسانی حقوق کے وجود کا انحصار انسانی معاشرے کے واضح تصور پر ہے اور حقوق انسانی کی نوعیت و دائرہ کار کا انحصار بھی اس معاشرے کی نوعیت پر ہے۔‘‘

لیوائن کی مندرجہ بالا توضیح کے مطابق مغربی قانونی فکر میں انسانی حقوق کا کوئی واضح تصور موجود نہیں بلکہ یہ ایک اضافی حقیقت ہے جو حالات اور انسانی معاشرے کی نوعیت کے مطابق بدل بھی سکتی ہے۔

تصورِ حق کی فکری بنیاد کے علاوہ مغربی قانون میں انسانی حق اپنے قانونی ماخذ کے لحاظ سے بھی کوئی مستقل بنیاد نہیں رکھتا۔ مغرب میں معروف قانونی مآخذ درج ذیل ہیں:

---

(1) Levine, Andrew, *Human Rights and Freedom, The Philosophy of Human Rights*, p.137.

1. Common Law (Domestic Law)

Constitutions

Statutes/Codes

Regulations

Court Decisions/Judgements

Scholarly Commentary

Customs

Conventions

2. Civil Law (Domestic Law)

Constitutions

Statutes/Codes

Regulations

Court Decisions/Judgements

Scholarly Commentaries

Customs

Conventions

3. Public International Law

Treaties

Agreements

Customary Law

Decisions of Intl Tribunals

Diplomatic Practices

Municipal Law concerning international obligations

Legislative acts of intergovernmental organizations

Generally Recognized Principles of Law

Court Decisions

Scholarly Commentaries (Teachings of publists)

4. Private International Law

National Law

Treaties

Customary Law

Court Decisions/Judgements

Scholarly Commentaries

مغربی قانون کے متذکرہ بالا مآخذ اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ یہ حق کے تصور، تعریف یا توضیح کے باب میں کوئی واضح اور ٹھوس بنیاد فراہم نہیں کر سکتے۔ چونکہ مغربی قانون میں 'انسانی حقوق' تصور، تعریف یا قانون کی صحت میں واضح، پائیدار اور بیّن اساس نہیں رکھتے لہٰذا مغربی قانون اپنے بدلتے معیارات کے سبب اَفرادِ معاشرہ کو حقوق کی فراہمی کی ابدی ضمانت فراہم نہیں کر سکتا۔

اِسلامی قانون کا تصور

اسلام کے تفویض کردہ بنیادی حقوق مقدس اور ناقابل فسخ ہیں اس لئے کہ یہ حقوق اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں جنہیں کوئی انسانی حاکمیت کسی عذر کی بناء پر نہ تو پامال کرسکتی ہے نہ ہی ان کی خلاف ورزی کی مرتکب ہوسکتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس امر کا اعلان فرمایا کہ اگر لوگ اپنے فرائض ادا کرتے رہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کریں، نماز اور روزے وغیرہ کی ادائیگی کا اہتمام کریں تو ان کی زندگیاں اور جائدادیں (ہماری حکومت کے تحت) محفوظ ہیں ماسوائے اس کے کہ وہ کسی دوسرے فرد کی زندگی اور جائداد کے حق کو پامال کریں اور یہ بات ثابت ہوجائے۔ میثاق مدینہ کے آرٹیکل ۴۳ میں یہ قرار دیا گیا:

و ان اللہ جار لمن بر و اتقی و محمد رسول اللہ ﷺ۔(۱)

''جو (اسلامی ریاست کے) دستور کے ساتھ وفا شعار رہے اور (اسلامی ریاست کے قوانین پر عمل کرتے ہوئے) نیکی و امن پر کاربند رہے، تو اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ اس کے محافظ ونگہبان ہیں۔''

اسی مفہوم کی متعدد اوراحادیث نبوی ﷺ ہیں جو بلاشبہ اس امر پر دلالت کرتی

(۱) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۳: ۳۵

ہیں کہ زندگی، مال و آبرو اور شخصی وقار کے حقوق کو کسی بھی صورت میں پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا ماسوائے اس کے کہ کوئی فرد خود حقوق شکنی کا مرتکب پایا جائے اور اس پر یہ الزام ثابت ہوجائے۔ اس طرح ایک اسلامی ریاست میں حکومت کسی بھی شہری کو اس کے بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں سے محروم نہیں کرسکتی سوائے اس کے کہ اس سے قانون شکنی کا جرم سرزد ہو اور منصفانہ مقدمہ کے بعد عدالت اس کے جرم کو ثابت کردے۔ انسانی حقوق کے احترام کا یہی تصور تھا جس کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ مصر کے گورنر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایک غریب مصری کی فریاد پر یہ کہتے ہوئے سرزنش کی:

متی استعبدتم الناس و قد ولدتھم امھاتھم احرارا۔(۱)

''اے عمرو بن العاص! تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنانا شروع کردیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا۔''

اس اعتبار سے یہ اسلامی ریاست کا فریضہ ہے کہ وہ نہ صرف شہریوں کے حقوق کا احترام کرے بلکہ اس امر کو یقینی بھی بنائے کہ عمالِ حکومت میں سے کوئی فرد یا کوئی شہری دوسرے شہریوں کے حقوق کو پامال نہ کرسکے۔ اس طرح خود انصاف کرنا اور حقوق شکنی سے دوسروں کو روکنا اسلامی ریاست کا اولیں اور بنیادی فرض ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلامی ریاست کا سربراہ بننے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں اعلان فرمایا:

أیھا الناس فإنی قد ولیت علیکم و لست بخیرکم فأن احسنت فأعینونی و إن اسأت فقومونی الصدق أمانة والکذب خیانة والضعیف فیکم قوی حتی أرجع علیه حقه إن شاء الله، والقوی فیکم ضعیف حتی آخذ الحق منه إن شاء الله۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ہیکل، الفاروق عمر، ۲: ۱۹۸

۲۔ ابوبکر اسماعیل محمد میقا، مبادی الاسلام و منھجہ: ۲۷

(۲) ۱۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۵: ۳، ۴ ←

’’اے لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر خطا کروں تو مجھے سیدھا کر دینا، سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ لوگو! تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقتور ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے واپس دلا دوں اور تم میں سے طاقتور میری نظر میں کمزور ہوگا جب تک کہ انشاء اللہ میں اس سے کسی کا چھینا ہوا حق واپس نہ لے لوں۔‘‘

قرآن و سنت کے عطا کردہ حقوق کو کوئی اسلامی ریاست کسی ہنگامی یا بحرانی حالت میں بھی معطل نہیں کرسکتی۔ عوام، حکومت کی ہر سطح کی پالیسیوں اور منصوبوں پر تنقید کر سکتے ہیں اور یہ تنقید حکومت کو اس امر کا مجاز نہیں بناتی کہ وہ کسی شہری کو نظر بندی اور حراست میں لے یا اس کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی عمل میں لائے۔

چونکہ اسلامی ریاست کے شہریوں کے بنیادی حقوق خود اللہ تعالیٰ نے عطا کئے ہیں، سو ان کے نفاذ و تعطل کا فیصلہ بھی کسی دنیوی قوت نافذہ کے زیر اثر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قانون کے تحت ہی ہو گا جس کی خلاف ورزی کے بارے میں قرآن حکیم نے یہ کڑی وعید سنائی ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (۱)

’’اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے متعلق فیصلہ و حکومت نہیں کرتے وہی ظالم ہیں○‘‘

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (۲)

------ ۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۲۰۳

۳۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام، ۱: ۲۰۵

(۱) القرآن، المائدہ، ۵: ۴۵

(۲) القرآن، المائدہ، ۵: ۴۷

’’اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ و حکومت نہیں کرتے وہی لوگ فاسق ہیں o‘‘

بحث کا ماحصل

اسلام اور مغربی قانون میں انسانی حقوق کے تصور کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) اور بعض دیگر مغربی قوانین کے متعلقہ پہلوؤں کا اسلامی قانون سے تقابلی جائزے کے بعد یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مغرب میں مختلف بین الاقوامی اور علاقائی قوانین بالخصوص یورپی کنونشن برائے تحفظِ حقوقِ اِنسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) ایک مسلسل ارتقائی عمل کے بعد تشکیل دیئے گئے تاکہ انسانی حقوق کا تحفظ ہو سکے جبکہ اسلام میں روز اول سے انسانی حقوق کے احترام سے متعلق تعلیمات دی گئیں اور ریاست مدینہ کے قیام کے ساتھ ہی آئین مدینہ کی شکل میں ان تعلیمات کو ریاستی سطح پر نافذ بھی کیا گیا۔ خلفائے راشدین اور بعد کے ادوار میں اسلامی قانون کے تحت انسانی حقوق کے بہت سے پہلوؤں کی کارفرمائی آج کے صنعتی اور ترقی یافتہ دور سے بھی بہتر صورت میں نظر آتی ہے۔ بنیادی انسانی حقوق کا احترام و نفاذ کے باب میں اسلام کے عطا کردہ اصول قوانین زیادہ جامع، مفصل اور موثر ہیں۔ یہی وہ نظام اور ضابطہ حیات ہے جو آج کے تقاضوں اور ضرورتوں کو نہ صرف پورا کر سکتا ہے بلکہ احترام آدمیت اور انسانی فلاح و بہبود کی فراہمی کی زیادہ بہتر ضمانت بھی فراہم کرتا ہے۔

حصہ دُوُم

بنیادی اِنسانی حقوق

بابِ اوّل

اِنفرادی حقوق

اسلام پوری انسانیت کے لئے رحمت بن کر آیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانیت کو اسلام کی آفاقی تعلیمات عطا کر کے ہر نوع کی غلامی، جبر اور استحصال سے آزاد کر دیا۔ انسانیت پر آپ ﷺ کے اس احسان اور منصب نبوت کے اس پہلو کا تذکرہ قرآن حکیم نے یوں کیا:

وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔(۱)

’’اور (یہ رسول گرامی ﷺ) اہل ایمان پر سے ان کے بارگراں اور طوق (قیود) جو ان پر (مسلط) تھے، ساقط فرماتے اور انہیں نعمت آزادی سے بہرہ یاب کرتے ہیں۔‘‘

آپ کی شانِ ’’إیضاع إصر و الأغلال‘‘ کا فیضان انفرادی و اجتماعی دونوں سطح پر روبہ عمل ہوا۔ انفرادی سطح پر اسلام نے افراد معاشرہ کو وہ حقوق عطا کئے جن کا شعور انسانیت آج حاصل کر رہی ہے۔ آپ ﷺ کے عطا کردہ نمایاں انفرادی حقوق یہ ہیں:

۱۔ زندگی کے تحفظ کا حق

۲۔ اِنسانی جان کی حرمت کا حق

۳۔ رحم مادر میں جنین کا حق

۴۔ عزتِ نفس کا حق

۵۔ عزت کی حفاظت کا حق

۶۔ نجی زندگی کے تحفظ کا حق

(۱) القرآن، الاعراف، ۷:۱۵۷

۷۔ شخصی رازداری کا حق

۸۔ سلامتی کا حق

۹۔ سماجی مساوات کا حق

۱۰۔ قانونی مساوات کا حق

۱۱۔ حصولِ اِنصاف کا حق

۱۲۔ آزادانہ سماعت کا حق

۱۳۔ دوسروں کے جرائم سے برات کا حق

۱۴۔ صفائی پیش کرنے کا حق

۱۵۔ آزادی کا حق

۱۶۔ شخصی آزادی کا حق

۱۷۔ مذہبی آزادی کا حق

۱۸۔ اِظہارِ رائے کی آزادی کا حق

۱۹۔ مریض کا حق

۲۰۔ طبی سہولیات کی فراہمی کا حق

۲۱۔ ملکیت کا حق

۲۲۔ بنیادی ضروریات کی کفالت کا حق

۲۳۔ تعلیم کا حق

۲۴۔ معاہدہ کرنے کا حق

۲۵۔ اَزدواجی زندگی کا حق

۲۶۔ خاندان کے قیام کا حق

۲۷۔ میت کا حق

اب ذیل میں ان حقوق کی وضاحت کی جاتی ہے:

۱۔ زندگی کے تحفظ کا حق

زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ عظیم نعمت ہے اور کسی بھی معاشرہ اور ریاست کی طرف سے فرد کو دیئے جانے والے جملہ حقوق زندگی پر ہی منحصر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں زندگی کے تحفظ کا حق اساسی نوعیت رکھتا ہے۔ اور اسلام نے انسانی زندگی کے تقدس پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن حکیم نے بے شمار مقامات پر انسانی زندگی کی اہمیت اور تقدس بیان کیا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًاؕ وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا(۱)

''جو کوئی (نفس کی خواہش کے ضمن) میں کسی کو مار ڈالے، سوائے (جان کے بدلے جان) قصاص کے یا ملک میں فساد پھیلانے کے۔ تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے کسی جان کو قتل سے بچالیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچالیا۔''

اس آیت مبارکہ میں انسانی زندگی کے قدر و قیمت کو بیان کیا گیا ہے اور قرآن حکیم کے نزدیک انسانی زندگی کے تقدس کا یہ عالم ہے کہ ایک آدمی کا قتل پوری انسانیت کے قتل اور ایک فرد کی زندگی کا تحفظ پوری انسانیت کے تحفظ کے مترادف گردانا گیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے بھی اپنے آخری تاریخی خطبہ میں اس بات پر زور دیا کہ اہل ایمان کی جان و مال اور عزت ایک دوسرے کیلئے اتنی ہی مقدس ہے جتنا کہ حجۃ الوداع۔ اسلام کے نزدیک کسی بھی شخص کو قتل کرنا انتہائی قبیح ترین جرم ہے الا یہ کہ وہ قتل کسی انسانی جان کے بدلے میں ہی کیا جائے کیونکہ قاتل کو زندگی کی امان دینے کا مطلب معاشرے میں بدامنی، بغاوت اور اللہ کے قانون سے سرکشی کے رجحانات کو راہ دینا ہے۔

(۱) القرآن، المائدہ، ۵:۳۲

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے قتل کے جرم کے خاتمہ کیلئے قصاص کا قانون دیا ہے۔ انسانی جان کی حرمت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوْآ اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ـ(۱)

''اور مفلسی کی وجہ سے (یا مفلسی کے ڈر سے) اپنی اولاد کو نہ مار ڈالو۔ ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔''

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ○(۲)

''اور جس جان کو اللہ نے حرام کر دیا تم اس کو بجز حق کے مت مار ڈالو (یعنی سوائے اس کے کہ یہ جان لینا حق ہو جیسے قصاص وغیرہ) یہ وہ باتیں ہیں جن کا (اللہ نے) تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو○''

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا○ (۳)

''اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے مت مار ڈالو۔ (کیونکہ) ہم ہی ان کو روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی بے شک ان کو مار ڈالنا بہت بڑا گناہ ہے○''

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ط اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا○(۴)

''اور جس جان کو اللہ نے (قتل سے) سے منع فرما دیا۔ اسے مت مارو مگر جائز

(۱) القرآن، الانعام، ۶:۱۵۱

(۲) القرآن، الانعام، ۶:۱۵۱

(۳) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷:۳۱

(۴) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷:۳۳

طور پر (کہ شرعاً تم مجبور ہوجاؤ کہ وہ قاتل ہو یا مرتد وغیرہ) اور جو کوئی ناحق مارا جائے۔ تو ہم نے اس کے وارثوں کو حق دیا ہے۔ (کہ قتل کا بدلہ طلب کریں) لیکن قتل کرنے (یعنی قصاص لینے) میں حد سے تجاوز نہ کریں۔ بے شک اس کو (اللہ اور اس کے نیک بندوں کی) مدد حاصل ہے o''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ قف وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًاO(۱)

''اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق ناجائز طور پر نہ کھاؤ ہاں اگر تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو (تو کوئی مضائقہ نہیں) اور آپس میں خونریزی نہ کرو۔ (کہ نفس پرستی اور مال و دولت پر ناجائز قبضہ کرنے کا یہ بہت ہی برا طریقہ ہے اور اللہ تم کو یہ اس لئے بتا تا ہے کہ) بے شک اللہ تم پر مہربان ہے o''

اسلام نہ صرف قتل کی ممانعت کرتا ہے بلکہ خودکشی کو بھی اتنا ہی برا عمل تصور کرتا ہے۔

زندگی کے تحفظ کے حق میں اپنے آپ کو کسی حملہ سے بچانے کا حق بھی شامل ہے۔اسلام نہ صرف زندگی کو درپیش خطرات سے بچنے کا حق دیتا ہے بلکہ خطرے کے خلاف اقدام کا حق بھی دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ(۲)

''پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو مگر اسی قدر جتنی اس نے تم پر کی۔''

---

(۱) القرآن، النساء، ۴:۲۹

(۲) القرآن، البقرہ، ۲:۱۹۴

اسلام کا عطا کردہ حق تحفظ زندگی مطلق نہیں ہے بلکہ جب اسلامی ریاست خطرات سے دوچار ہو تو اہل ایمان اسلامی ریاست کو ان خطرات سے نجات دلائیں گے چاہے انہیں اس کی قیمت اپنی زندگی ہی کی صورت میں ادا کرنی پڑے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ○ (۱)

''اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں (ہاں) مگر حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا○''

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ (۲)

''بے شک مومن (تو) وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر (دل و جان سے) ایمان لاتے ہیں پھر (اس میں ذرا) شک نہیں کرتے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے ہیں یہی لوگ سچے (اور پکے مسلمان) ہیں○ (ان کا منتہائے نظر منزل صدق ہے ان میں سب سے بڑے کا نام صدیق ہے)○''

حقِ زندگی اور سزائے موت

اسلام نے معاشرے سے مختلف جرائم کے قلع قمع کیلئے سزائے موت بھی تجویز کی ہے۔ جو کسی طور بھی انسان کے حق زندگی سے متصادم نہیں کیونکہ سزائے موت کے نفاذ

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۱۹۰

(۲) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۱۵

کا مقصد ان محرکات کا خاتمہ ہے جو معاشرے میں کئی افراد کی زندگی کو خطرے سے دوچار کر سکتے ہیں۔تاہم مغرب میں سزائے موت کا تصور مختلف ہے۔

سزائے موت کی تنسیخ کی حوصلہ افزائی کے باب میں 1969ء کے The Amercian Convention of Human Rights نے ان ملکوں میں جہاں سزائے موت پہلے ہی ختم کی جاچکی ہے اسے دوبارہ قائم کرنے سے منع کر دیا ہے۔ ماسوائے دیگر بین الاقوامی معاہداتی قوانین قانونی جسمانی سزا کو جو عدالتِ مجاز نے قانون کے مطابق دی ہو ظالمانہ، غیر انسانی اور ہتک آمیز تصور نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر 1966ء کا The International Covenant on Civil and Political Rights سزائے بامشقت کی اجازت دیتا ہے۔ اس لئے بادی النظر میں تصور سزائے جسمانی اور ظالمانہ سلوک کے درمیان کیا فرق ہے 1975ء کے Declaration on the Protection of all Persons from Degrading Treatment or Punishment میں خصوصیت کے ساتھ اس کا کوئی تعین نہیں کیا گیا یعنی دردناک سزا اور اس نوع کے ظالمانہ رویوں کے امتناع کا ذکر Declaration on the Protection of all Persons from Degrading Treatment or Punishment, 1975 کے ابتدائیہ میں بحوالہ United Nations Charter, 1945 کے آرٹیکل 55 اور آرٹیکل 7 میں کیا گیا ہے لیکن یہ آرٹیکلز سزا کی نوعیت اور ظالمانہ سلوک کے بارے میں خاموش ہیں جبکہ Universal Declaration of Human Rights, 1948 کا آرٹیکل 5 ظالمانہ سلوک اور سزا ان دونوں تصورات میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں کرتا۔ تاہم وہ سزا ظالمانہ، غیر انسانی یا ہتک آمیز تصور کی جاسکتی ہے جب وہ ماورائے قانون ہو۔ اس کے برعکس جب کسی مجرم کو قانون میں جتنی گنجائش ہے اس سے سزا زیادہ دی جاتی ہے تو یہ صورت حال اسے عدم انصاف سے دوچار کر دیتی ہے۔ لہذا یہ بات طے شدہ سمجھی جائے کہ وہ سزا جو کردہ جرم کی مناسبت سے دی جائے وہ ظالمانہ، غیر انسانی اور ہتک آمیز نہیں تصور کی جاسکتی۔ نتیجتاً Declaration on the

Protection of all Persons from Degrading Treatment or Punishment, 1975 اور Universal Declaration of Human Rights, 1948 کو ظالمانہ سلوک اور قانونی سزا کے تصور کے درمیان واضح فرق اور تمیز کی بنیاد پر ترمیم کے عمل سے گزارنا چاہئے۔ یہ فطری ضرورت کا معاملہ ہے کہ عوامی مفاد کو محفوظ کرنے کے لئے (جو قانون کا بنیادی مقصد ہے) ان قوانین کی متعلقہ شقوں کو بڑھا کر لوگوں کے سیاسی حقوق تک لے جایا جائے اور وہ اپنی حکومتوں کو زیادہ جمہوریت اور انسانی حقوق دینے کی ترغیب دیں۔

متعدد ممالک میں سزائے موت اور قید بامشقت اب بھی رائج ہیں باوجود اس کے کہ یہ سزائیں شدید ذہنی تکلیف اور جسمانی اذیت کا باعث بنتی ہیں۔ قیدیوں سے متعلق کم از کم معیاری ضابطے ابھی اتنے موثر نہیں کہ ان سے سزاؤں کی شدت میں تخفیف ہو سکے۔ پھر یہ ضابطے معاشرے کے تحفظ کے لئے ضروری اور مناسب اقدام کے پیش نظر حقیقت پسندانہ بھی نہیں۔ چنانچہ جن ملکوں میں جسمانی سزاؤں کا خاتمہ ہوا ہے وہاں جرائم میں بتدریج اضافہ اس پر شاہد ہے۔ چونکہ بڑھتے ہوئے جرائم سے اجتماعی عوامی سلامتی کو سنگین خطرہ ہے لوگوں کے پاس اور کوئی راستہ نہیں کہ وہ یا تو حوصلہ شکن سزاؤں کے نفاذ کا مطالبہ کریں یا پھر مجرموں کو معاشرے کا امن و امان برباد کرنے کی کھلی چھٹی دے دیں۔ اس عذر کی بناء پر بہت سے ممالک میں موت اور قید بامشقت کی سزاؤں کے خاتمے میں ہچکچاہٹ قابل فہم ہے اور اس کا جواز موجود ہے۔ چونکہ قانونی نظام کا مطمحِ نظر عوامی مفاد کو ترجیح دینا ہے اس لیے اسے ظالمانہ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ انسانیت نوازی اور جذبۂ رحم کو قانون سے ہم آہنگ کرنا ایک ترجیحی مسئلہ ہے۔ تاہم بین الاقوامی معاہدات اور قوانین کی رو سے انسانی زندگی کی بقا کے لئے چند حفاظتی اقدامات فراہم کئے گئے ہیں:

۱۔ **سزائے موت کا امتناع:** ان افراد پر جن کی عمر جرم کے ارتکاب کے وقت اٹھارہ سال سے کم تھی۔ اس میں اس فرد کو رعایت نابالغ ہونے کی حیثیت سے اور قانونی نا اہلیت کے اعتراف کے طور پر دی گئی ہے۔ اسی طرح حاملہ خواتین کو بھی موت کی سزا نہ دی جائے

جس سے جنین کی زندگی کا تحفظ مقصود ہے۔ ستر سال سے زیادہ معمر افراد کو بھی اس سے مستثنیٰ رکھا جائے۔(۱)

۲۔ اسی طرح 'اسقاط حمل' اور 'بانجھ کاری' کی حیثیت کا تعین کرنا بھی باقی ہے کہ آیا یہ بھی بالارادہ اور بالقصد زندگی سے محروم کرنے کے عمل متصور ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس ضمن میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بین الامریکی کمیشن برائے حقوق اِنسانی (Inter American Commission of Human Rights) کے نزدیک آبادی کے بے تحاشا اضافے کی وجہ سے معاشی اور روزگار کے مسائل پر قابو پانے کے لئے اسقاط حمل کا استعمال انسانی حقوق کی واضح اور سنگین خلاف ورزی ہے۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَ کُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيْرًا۝(۲)

''اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو ہم ہی انہیں روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بیشک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے ۝''

قرآن پاک کی آیت (۶: ۱۴۰،۱۵۱) میں بھی یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا امریکی کمیشن (Inter-American Commission of Human Rights) کی رائے تحفظِ تولید کے اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ ہے جو ایک طرح سے نسلِ انسانی کی بقا اور انسان کے حق زندگی پر دلالت کرتے ہیں جس کے پیش نظر اسقاطِ حمل کو بالعموم ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ یورپی کمیشن برائے حقوق انسانی (European Commission of Human Rights) یا European

---

(1) Van Boven, *Survey of the Positive International Law of Human Rights*, 1:97-99.

(۲) القرآن، الاسراء، ۱۷:۳۱

Convention for the Protection of Human Rights, 1950 اپنے آرٹیکل نمبر۲ کے حوالے سے یہ تصور کرتا ہے کہ اسقاطِ حمل کے امتناع کا قانون اس حد کے تابع ہے کہ ماں کی زندگی اور صحت کو بچانے کے لئے حمل ختم کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔(۱)

یورپی کمیشن برائے حقوق انسانی European Commission of Human Rights) کی رائے میں بانجھ کاری کے لئے کئے گئے آپریشن کو بعض مخصوص حالات میں حق زندگی کی خلاف ورزی پر محمول کیا جائے گا۔

۳۔ اسلامی قانون نے گزشتہ چودہ صدیوں سے آسان موت یا سہل مرگی کے سوال پر جو امتناعی پابندی لگائی ہے اس پر ابھی تک کسی بین الاقوامی معاہدے میں کوئی قانونی رائے زنی نہیں کی گئی۔

چونکہ اسلامی قانون خودکشی سے منع کرتا ہے اس لیے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے کو بھی حکم دے کہ مجھے مارڈالو۔ بصورت دیگر جب بھی ایسے جرم کا ارتکاب ہوگا تو وہ شخص مجرم گردانا جائے گا اور قاتل کی حیثیت سے مستوجب سزا ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْآ اَنْفُسَكُمْ۔(۲)

''اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو۔''

اِضطراری حالت میں زندگی کے تحفظ کا حق

اسلام شدید بھوک اور پیاس کی حالت میں زندگی بچانے کے لئے کیے گئے ایسے اقدامات پر گرفت نہیں کرتا جو عام حالات میں قابل گرفت ہوں۔

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, p. 132.

(۲) القرآن، النساء، ۴:۲۹

حضرت سعید بن مسیّب روایت کرتے ہیں:

أن عمر بن الخطاب اُتی بامرأة لقيها راع بفلاة من الارض و هی عطشی، فاستسقه، فأبی ان يسقيها الا ان تتركه فيقع بها، فناشدته بالله فابی، فلما بلغت (جهدها) أمكنته فدرأ عنها عمر الحدَّ بالضرورة۔(۱)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جسے صحراء میں جبکہ وہ شدید پیاسی تھی، ایک چرواہا ملا۔ عورت نے اس سے پانی مانگا۔ اس نے اسے پانی دینے سے انکار کیا، سوائے اس صورت کے کہ وہ اسے اجازت دے کہ وہ اس کے ساتھ بدکاری کرے۔ عورت نے اسے اللہ کا واسطہ دیا مگر وہ نہیں مانا جب اس عورت کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تو اس نے اس شخص کو اپنے آپ پر قدرت دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اضطرار کی اس حالت کی بناء پر اس عورت سے حد ساقط کر دی۔''

اسی طرح حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے مزینہ کے ایک شخص کی اونٹنی چرالی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ نہیں کاٹا، کیونکہ انہوں نے شدید بھوک سے مجبور ہوکر یہ اونٹنی چرائی تھی۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے زمانے میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی اور فرمایا کہ ہم قحط سالی اور سختی کے دنوں میں قطع ید کی سزا نہیں دیں گے۔(۲)

---

(۱) ا۔ عبدالرزاق، المصنف، ۷: ۴۰۷، رقم: ۱۳۶۵۴

۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۲۳۶

۳۔ ابن قدامہ، المغنی، ۸: ۱۸۷

(۲) ا۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۲۷۸

۲۔ مالک، المؤطا، ۲: ۷۴۸، رقم: ۱۴۳۶

←

عبد الملک بن قدامہ جمحی روایت کرتے ہیں کہ اُن سے ان کے والد نے بیان کیا:

أن رجلا تدلی بحبل لیسار عسلا فأتت امرأته فقالت له لا قطعن الحبل او لتطلقنی فنا شدها اللہ تعالی فأبت فطلقها فلما ظهراتی عمر بن الخطاب فذکر ذلك له فقال له عمر ارجع الی امرأتك فان هذا لیس بطلاق ۔(۱)

''کہ ایک شخص رسی باندھ کر (کنویں میں) لٹکا، تاکہ شہد اتارے۔ اسی حالت میں اس کی بیوی آئی اور اس سے کہا کہ یا تو تو مجھے طلاق دے دے یا میں یہ رسی کاٹ دیتی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اپنی بیوی کے پاس لوٹ جاؤ کیونکہ یہ طلاق نہیں ہوئی۔''

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے:

أن عمر بن الخطاب أُتی بسارق، فاعترف قال اری ید رجل ما هی بید سارق، فقال الرجل: واللہ! ما آنا بسارق و لکنهم

...... ۳۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰: ۲۳۸، رقم: ۱۸۹۷۷

۴۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰: ۲۴۲، رقم: ۱۸۹۹۰

۵۔ شافعی، المسند، ۱: ۲۲۴

۶۔ ابن حزم، المحلی، ۱۱: ۳۴۳

۷۔ ابن قدامہ، المغنی، ۸: ۲۷۸

(۱) ۱۔ ابن حزم، المحلی، ۱۰: ۲۰۲

۲۔ ابن قدامہ، المغنی، ۷: ۱۱۹

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۷: ۳۵۷، رقم: ۱۴۸۷۶

تھدّدونی، فخلّی سَبیله، ولم یقطعه(۱)

''حضرت عمرؓ کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے اعتراف جرم کرلیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے خیال میں اس شخص کے ہاتھ چور کے ہاتھ نہیں ہیں۔ اس پر وہ شخص بولا قسم بخدا میں سارق نہیں ہوں، دراصل انہوں نے ڈرا دھمکا کر مجھ سے اعتراف کروالیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے چھوڑ دیا اور قطع ید کی سزا نہیں دی۔''

۲۔ اِنسانی جان کی حرمت کا حق

انسان کو حاصل جملہ حقوق کی بنیاد اس کی اپنی جان کی حفاظت سے منسلک ہے۔ یعنی جب تک کسی معاشرے میں انسانی جان کو تحفظ حاصل نہ ہو، بقیہ حقوق کے نفاذ و حصول کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ اسلام نے اسی بنیادی حق کو بیان کرتے ہوئے اہل ایمان کے کردار کو یوں بیان کیا:

وَلَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ۔(۲)

''اور (خدائے رحمان کے مقبول بندے) کسی ایسی جان کو قتل نہیں کرتے جسے بغیر حق مارنا اللہ نے حرام فرمایا ہے۔''

خودکشی کی ممانعت

زندگی اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی عظیم نعمت ہے جو بقیہ تمام نعمتوں کے لئے ایک اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لئے اسلام نے زندگی کے تحفظ کا حق عطا کرتے ہوئے افراد معاشرہ کو اس بات کا بھی پابند کیا ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں خودکشی کے مرتکب نہ

---

(۱) عبدالرزاق، المصنف، ۱۰: ۱۹۳، رقم: ۱۸۷۹۳

(۲) القرآن، الفرقان، ۲۵: ۶۸

ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رحمتِ دو عالم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من تردى من جبل فقتل نفسه فهو فى نار جهنم يتردى فيه خالدا مخلدا فيها أبدا، و من تحسى سما فقتل نفسه فسمه فى يده يتحساه فى نار جهنم خالدا مخلدا فيها أبدا ومن قتل نفسه بحديدة فحديدته فى يده يجأ بها فى بطنه فى نار جهنم خالدا مخلدا فيها أبدا۔(۱)

”جو اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر ہلاک کرے وہ دوزخ میں جائے گا، ہمیشہ اس میں گرتا رہے گا جو زہر کھا کر اپنے آپ کو ختم کرے تو وہ زہر دوزخ میں اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے دوزخ میں کھاتا ہوگا اور ہمیشہ اس میں رہے گا جو لوہے کے ہتھیار سے اپنے آپ کو قتل کرے تو وہ ہمیشہ اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے دوزخ کی آگ کے اندر ہمیشہ اپنے پیٹ کے اندر مارتا رہے گا اور ہمیشہ اس کے اندر رہے گا۔“

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۱۷۹، رقم: ۵۴۴۲
۲۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۱۰۳، رقم: ۱۰۹
۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۳۸۶، رقم: ۲۰۴۳
۴۔ نسائی، السنن، ۴: ۶۶، رقم: ۱۹۶۵
۵۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۱: ۶۳۸، رقم: ۲۰۹۲
۶۔ دارمی، السنن، ۲: ۲۵۲، رقم: ۲۳۶۲
۷۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۵۴، ۴۷۸، ۴۸۸

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من حلف علی ملة غير الاسلام فهو کما قال، وليس علی ابن آدم نذر فيما لايملك ومن قتل نفسه بشیء فی الدنيا عذب به يوم القيامة، ومن لعن مؤمنا فهو کقتله ومن قذف مؤمنا بکفر فهو کقتله (۱)

''جس نے اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب کی جھوٹی قسم کھائی تو وہ اس کے مطابق ہے جو کہا اور جس نے کسی چیز کے ساتھ خودکشی کی تو وہ جہنم کی آگ میں اسی چیز کے ساتھ عذاب دیا جائے گا اور مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے اور جس نے کسی مسلمان پر کفر کا الزام لگایا تو یہ اسے قتل کرنے جیسا ہے۔''

زندگی کا مفہوم اور اُس کے مضمرات

مغربی قانون کی دستاویزات اور معاہدات میں کسی میں بھی زندگی کی تعریف نہیں کی گئی۔ پس اس کا مفہوم وہی ہے جو عام طور لیا جاتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے دستور کی چالیسویں ترمیم کا ذکر کرتے ہوئے سیگھارٹ(Sieghart)نے زور دے کر کہا ہے کہ زندگی حیوانوں کی طرح جینے سے کہیں وسیع تر مفہوم رکھتی ہے، یعنی بطور اصطلاح

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۴۷، رقم: ۵۷۰۰
۲۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۶۴، رقم: ۵۷۵۴
۳۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۴۵۱، رقم: ۵۷۵۴
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲: ۷۵، رقم: ۱۳۳۷
۵۔ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، ۲: ۲۷۷، رقم: ۳۴۱۰
۶۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، ۳۰: ۲۱۴

زندگی کا دائرہ پھیل کر انسانی جسم کے تمام اعضاء پر محیط ہوجاتا ہے اور حق زندگی کے دعوے کا مدعا یہ ہے کہ کوئی بھی اپنی شخصیت کے آزادانہ ارتقاء سے محروم نہ کیا جائے(۱) جبکہ اسلام کا تصور حقوق انسانی اس بارے میں امتیاز رکھتا ہے کیونکہ اس کے دائرے کو توسیع دے کر اس میں زندہ انسان کے علاوہ مردہ انسان بھی شامل کرلئے گئے ہیں۔ اس میں یہ واضح کردیا گیا کہ جس طرح زندگی میں انسانی شخصیت کو تقدس حاصل ہے اسی طرح موت کے بعد بھی اس کے شخصی تقدس کو پامال نہیں کیا جائے گا۔ بعد مرگ بھی اس کو متبرک شے کی طرح دفن کیا جائے گا۔

اس کے مضمرات کی تفہیم تمام قوانین اور معاہدات بالخصوص تمام افراد کے اذیت سے تحفظ کے اعلان (Declaration on the Protection of all Persons from Degrading Treatment or Punishment, 1975) سے ہوتی ہے۔(۲)

تحفظِ زندگی کے لئے وہ عملی اقدامات جن سے زندگی کی سلامتی کے حق کو یقینی بنایا گیا ہے جدید بین الاقوامی اعلانات ہیں۔ ان میں غیر انسانی سلوک، جسمانی سزا اور سزائے موت کے خاتمے کے ارادے کا اظہار کیا گیا ہے۔ تاہم اس میں قانونی جسمانی سزا اور اذیت کے درمیان فرق کو ہتک آمیز غیر انسانی سلوک کے حوالے سے واضح نہیں کیا گیا۔ اس ضمن میں Declaration on the Protection of all Persons from Degrading Treatment or Punishment, 1975 کی تعریف میں اس بات پر زور دیا گیا ہے:

۱۔ اعلان میں مذکور مقصد کی خاطر اذیت سے مراد وہ فعل ہے جس سے شدید درد یا تکلیف خواہ جسمانی ہو یا ذہنی بالارادہ کسی سرکاری عہدیدار یا شخص کے ایماء پر کسی کو اس نیت سے دی جائے کہ اس سے یا کسی تیسرے شخص سے معلومات یا اقبالی بیان حاصل کرنا

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, p. 134.

(2) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, p. 173.

مقصود ہے یا اسے کسی ایسے فعل کے لئے دی جائے جو اس نے کیا ہے یا اس کے مرتکب ہونے کا شبہ ہے، اس میں اس کو اور دیگر اشخاص کو دھمکی دینا بھی شامل ہے۔ اعلان میں پوشیدہ یا ظاہری قانونی پابندیوں کے نفاذ میں درد یا تکلیف کا عنصر شامل نہیں اور اس کا اطلاق قیدیوں سے سلوک کے قواعد میں متعین کم سے کم معیار کے مطابق کیا جانا مطلوب ہے۔

۲۔ اذیت کسی سنگین اور دیدہ و دانستہ ظالمانہ غیر انسانی یا ہتک آمیز سلوک یا سزا پر مبنی رویے سے عبارت ہے۔ اذیت کی تعریف ابتداءً ایسے فعل کے طور پر کی جاتی ہے جو تحقیق و تفتیش کے دوران کسی شخص کے ساتھ سزا کے طور پر روا رکھا جاتا ہے۔ بعد میں توسیع دے کر قانونی جسمانی سزا کو بھی اس تعریف میں شامل کر لیا گیا ہے۔

اپنے اوّل الذکر مفہوم میں وہ فعل جو منصفانہ مقدمے اور حتمی عدالتی فیصلے کی خاطر زیر حراست کسی شخص سے روا رکھا جاتا ہے Declaration on the Protection of all Persons from Degrading Treatment or Punishment, 1975 کے مطابق مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر اذیت کے استعمال کو مکمل طور پر ممنوع قرار دے دینا چاہیئے:

ا۔ سزا کی کوئی بھی نوعیت ہو اس کا فیصلہ عدالت کے حکم سے ہونا چاہیئے۔ اس لئے منصفانہ مقدمے سے پہلے روا رکھا جانے والا کوئی بھی فعل یا سلوک عدالتی اتھارٹی کے منافی ہے اور شائد قانون کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کے تصور کی بھی خلاف ورزی ہے۔ یعنی وہ اہلکار جو پولیس یا محکمہ سراغرسانی کا کوئی افسر ہو اگر وہ لوگوں کو گرفتار کرتا ہے عدالت لگا کر ان کے فیصلے کرتا ہے اور اذیت رسانی کرتا ہے گویا وہ خود مقنّنہ، عدلیہ اور انتظامیہ تینوں کا نمائندہ ہے۔ وہ قانون کو سبوتاژ کرتا ہے اور اپنے فعل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ وہی قانون اور سب کچھ ہے۔ اس لئے ایسی صورت حال میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے حاکمانِ مجاز کی کیا ذمہ داری ہے اور قانون کا کیا مقصد ہے؟

ب۔ وہ معلومات اور امثالی بیان جو بالجبر اور طاقت کے بل بوتے پر حاصل کیا جائے وہ نہ تو مستند طور پر قابلِ اعتبار ہوتا ہے نہ ہی اس کی کوئی قانونی حیثیت ہوتی ہے تاآنکہ اس کو دیگر معتبر ذرائع سے ثابت نہ کردیا جائے۔(۱)

بہت سے سیاسی جرائم میں یہ ثابت کردیا جاتا ہے (جیسا کہ بعض تیسری دنیا کے ممالک میں مجرموں اور مشتبہ افراد کو پرتشدد اذیتی کارروائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے) کہ شدید اذیت اور ظالمانہ سزا کے نتیجے میں جرائم پیشہ افراد اپنی جان چھڑانے اور غیر انسانی سلوک سے بچنے کے لئے صرف افسران کو مطمئن کرنے کی خاطر جھوٹی معلومات فراہم کرتے ہیں۔

جسمانی سزا کے تصور کی مؤخر الذکر غلط تعبیر کے بارے میں ......
جسے Declaration on the Protection of all Persons from
Degrading Treatment or Punishment, 1975 کے تحت ایک قسم کی
اذیت گردانا گیا ہے ...... یہ بات وضاحت طلب ہے کہ Universal Declaration
The International Covenant on، of Human Rights, 1948
European Convention اور Civil and Political Rights, 1966
for the Protection of Human Rights, 1950 کی متعلقہ شقوں کی رو
سے سزائے موت کو ممنوع قرار دینے کی کوئی بات نہیں کی گئی صرف The American
Convention of Human Rights, 1969 نے سیاسی مواخذوں کی صورت میں
سزائے موت پر قدغن عائد کی ہے۔ بہت سے ملکوں بالخصوص جنوبی امریکہ اور تیسری دنیا
کے اکثر علاقوں میں اس اصول شکنی کا باعث وہاں پائے جانے والا سیاسی عدمِ استحکام
ہے۔ لہٰذا The Amercian Convention of Human Rights, 1969
میں لوگوں کے سیاسی حقوق کو توسیع دے کر انہیں اپنی حکومتوں کو زیادہ جمہوری آزادی اور
انسانی حقوق دینے کی ترغیب دی جاسکتی ہے۔

(1) *The International Covenant on Civil and Political Rights, 1966.*

۳۔ رحمِ مادر میں جنین کا حق

اسلام نے انسانیت کو اتنا شرف عطا کیا کہ اس کے حقوق کا آغاز اس وقت سے کیا جب سے وہ مرحلہ تخلیق میں داخل ہوا۔ اولاد کو قتل کرنے سے منع کر کے جنین کو نہ صرف حقِ زندگی دیا گیا بلکہ اسے میراث کا حقدار بھی ٹھہرایا گیا۔

اخبرنی عطاء اَن سعد بن عباده قسم ماله بين بنيه، ثم توفی، و امراته حبلی لم يعلم بحملها، فولدت غلاماً فارسل ابوبکر و عمر فی ذلك الی قيس ابن سعد بن عبادة قال انا امر قسمه سعد و ارضاه فلن اعود فيه ولكن نصيبی له قلت اَعلی كتاب الله قسم، قال لا نجدهم كانوا يقسمون الا علی كتاب الله۔(۱)

عطاء بن ابی رباح تابعی سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی ساری جائداد اپنی اولاد میں تقسیم کردی اور ملک شام کے سفر پر چلے گئے۔ پھر ان کی وفات ہوگئی۔ وفات کے وقت ان کی بیوی حاملہ تھیں لیکن حضرت سعد کو اس کی خبر نہیں تھی جب بچہ پیدا ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد کے بیٹے قیس بن سعد کو کہلا بھیجا کہ سعد کو اپنی وفات کے وقت اس حمل کے بارے میں کچھ پتہ نہ تھا اب ہمارا خیال یہ ہے کہ ان کی جائیداد میں اس نوزائیدہ کا بھی حصہ ہونا چاہیئے جو اسے دے دیا جائے قیس بن سعد نے جواب میں کہا ’’میرے والد نے جس طرح جائداد تقسیم کی اور اس پر عملدرآمد کیا اس میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا۔ البتہ میں اپنا حصہ اس نوزائیدہ کو دیتا

---

(۱) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۹:۹۹
۲۔ ابن حزم، المحلی، ۹:۱۴۲
۳۔ حسام الدین ہندی، کنز العمال، ۱۱:۲۳
۴۔ ابن قدامہ، المغنی، ۵: ۶۷۷

ہوں''۔ ابن جریج نے عطاء بن ابی رباح سے پوچھا ''حضرت سعد نے یہ تقسیم کتاب اللہ کے مطابق کی تھی؟'' تو انہوں نے جواب دیا کہ صحابہ کرام کتاب اللہ کے مطابق ہی تقسیم کرتے تھے۔

عن عائشة رضی الله عنها زوج النبی ﷺ انها قالت ان ابابکر الصدیق رضی اللہ عنہ نحلها جداد عشرین و سقا من مال بالغابة فلما حضرته الوفاة قال والله یا بنیة ما من الناس احد احب الی عنی بعدی منك ولا اعز علی فقرا بعدی منك و انی کنت نحلتك من مالی جداد عشرین و سقافلو کنت جدد تیه و احتزتیه کان لك ذالك و انما هو مال الوارث و انما هو اخواك و اختاك فافتسموه علی کتاب الله فقالت یا ابت والله لو کان کذا و کذا لترکته انما هو اسماء فمن الاخری قال ذو بطن بنت خارجة اراها جاریة۔(۱)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مقام غابہ میں اپنے کھجور کے درختوں میں بیس وسق (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع ساڑھے تین سیر کا) کھجور انہیں بطور ہبہ دینے کے لئے مخصوص کرلیا تھا۔ جب آپ کی وفات قریب ہوئی تو انہیں بلا کر فرمایا ''بیٹی! بخدا دنیا میں میرے لئے تم سے بڑھ کر کوئی پیارا نہیں اور نہ ہی میرے بعد تمہاری تنگ دستی سے بڑھ کر کوئی چیز میرے لئے تکلیف دہ ہے۔ میں نے بیس وسق کھجور دینے کے لئے مخصوص کر لئے تھے اگر تم نے یہ کھجور اتروا لئے ہیں اور ان کا ذخیرہ کرلیا ہے

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبری، ۶: ۱۶۹، رقم: ۱۱۷۲۸

۲۔ مالک، الموطا، ۲: ۷۵۲، رقم: ۱۴۳۸

۳۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، ۴: ۸۸

تو پھر یہ تمہارے ہیں اب یہ آج کے بعد سے وارث کا مال ہیں، اور اس کے وارث تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اس لئے اس متروکہ مال کو میرے بعد کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کر لینا۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اباجان! اگر آپ مجھے اس لئے بھی زیادہ مال بطور عطیہ دے دیتے تو پھر بھی میں وارث کی تقسیم کی خاطر اس مال سے دست بردار ہوجاتی، اباجان! ایک بہن تو اسماء ہوئی دوسری بہن کونسی ہے۔؟'' فرمایا **ذو بطن بنت خارجة أراها جارية۔** ''جو میری بیوی کے رحم میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی ہوگی۔''

جنین کے علاوہ حمیل کے حق کا تعین بھی کیا گیا۔ حمیل سے مراد وہ بچہ ہے جو اسیر عورت اپنے ساتھ لائے اور کہے کہ یہ میرا بچہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں دو اقوال مروی ہیں:

ایک یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شریح کو لکھا:

لا یورث الحمیل إلا ببینة۔ (۱)

'' گواہوں کے بغیر حمیل کو وارث نہ بنایا جائے۔''

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کل نسب یتواصل علیه فی الاسلام فھو وارث موروث۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰: ۲۹۹، رقم: ۱۹۱۷۳
۲۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶: ۲۷۸، رقم: ۳۱۳۷۳
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۱۳۰
۴۔ دارمی، السنن، ۲: ۴۸۰، رقم: ۳۰۹۵
۵۔ ابن حزم، المحلی، ۹: ۳۰۳

(۲) ۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶: ۲۷۸، رقم: ۳۱۳۷۸
۲۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰: ۳۰۱، رقم: ۱۹۱۸۰

←

’’جو نسب اسلام میں جڑا ہوا ہو وہ وارث بھی ہے اور موروث بھی۔‘‘

مغربی قانون اور اِمتناعِ جرائمِ نسل کشی

جُرمِ نسل کشی کی تعریف اقوامِ متحدہ کے کنونشن برائے تحفظ و تعزیرات جرم نسل کشی (crime of genocide) میں اس طرح کی گئی ہے:

درج ذیل افعال میں سے کوئی بھی فعل جو قومی، نسلی یا مذہبی گروہ کو کلی یا جزوی طور پر تباہ و برباد کرنے کے لئے کیا جائے جیسے

(۱) اس گروہ کے افراد کا قتل کرنا

(۲) اس گروہ کے افراد کو جسمانی یا ذہنی طور پر شدید گزند پہنچانا

(۳) دیدہ و دانستہ اس گروہ پر ایسے حالاتِ زندگی مسلط کر دینا جن سے ان کی کلی یا جزوی تباہی مقصود ہو

(۴) ایسی تدابیر اور اقدامات کرنا جن کا مقصد اس گروہ کے اندر تولید (عملِ پیدائش) کی روک تھام ہو

(۵) جبری طور پر اس گروہ کے بچوں کو دوسرے گروہ میں منتقل کرنا۔

درج ذیل افعال قابلِ سزا متصور ہوں گے۔

(i) نسل کُشی

(ii) نسل کُشی کے لئے کی جانے والی سازش

(iii) نسل کُشی کے ارتکاب کی بالواسطہ اور سرِ عام ترغیب و دعوت

(iv) نسل کُشی کے اِرتکاب کی کوشش

...... ۳۔ ثوری، الفرائض، ۱: ۲۱، رقم: ۶

۴۔ ابن حزم، المحلی، ۹: ۳۰۳

(v) نسل کُشی کے لئے شریک جرم ہونا۔

CG یعنی (crime of genocide) کے آرٹیکل نمبر 1 میں مزید اس پابندی کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں امتناعِ جُرمِ نسل کُشی کو قابل سزا گردانا گیا ہے خواہ اس کا ارتکاب زمانہ امن میں ہو یا حالتِ جنگ میں یہ ایک قسم کا احتیاطی اقدام تھا جس کا مقصد حالت جنگ کے غلط استعمال کی روک تھام ہے جیسا کہ ماضی میں جنگ کے دوران نسل کُشی کی وارداتوں میں اضافہ رونما ہوگیا تھا۔(۱)

۴۔ عزتِ نفس کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ کے قائم کردہ معاشرے کی اہم خصوصیت باہمی اکرام و احترام ہے۔ آپ ﷺ نے ہر فردِ معاشرہ کو عزت نفس اور احترام کا حق عطا کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أنزلو الناس منازلهم۔(۲)

---

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, p. 142.

(۲) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۶۱، رقم: ۴۸۴۲
۲۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۶
۳۔ حکیم ترمذی، نوادر الاصول فی احادیث الرسول، ۱: ۴۱۰
۴۔ قزوینی، التدوین فی اخبار قزوین، ۳: ۳۵۴
۵۔ حسینی، البیان والتعریف، ۱: ۲۹۹، رقم: ۷۹۹
۶۔ ابوطیب، عون المعبود، ۱۳: ۱۳۱
۷۔ مناوی، فیض القدیر، ۵: ۴۲۷
۸۔ عجلونی نے 'کشف الخفاء و مزیل الالباس (۱: ۲۲۵، رقم: ۵۹۱)' میں کہا ہے کہ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔
۹۔ عجلونی نے 'کشف الخفاء و مزیل الالباس (۱: ۲۴۱، رقم: ۲۶۹)' میں کہا ہے کہ اسے مسلم اور ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

’’لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق سلوک کیا کرو۔‘‘

جب بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ کے حکم پر اپنے قلعوں سے نکلنا منظور کیا اور حضرت سعد وہاں پہنچے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

قوموا إلی سیدکم۔(۱)

’’اپنے سردار کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔‘‘

آپ ﷺ نے عام معاملات زندگی اور معاشرتی طرزِ عمل میں بھی ایک دوسرے کے عزتِ نفس کے حق کا احترام کرنے کی تعلیم دی تاکہ باہمی میل جول میں بھی ایسا طرزِ عمل ہرگز نہ اختیار کیا جائے جس سے کسی کی عزتِ نفس کا حق مجروح ہوتا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إذا کانوا ثلاثۃ فلا یتناجی اثنان دون الثالث(۲)

---

(۱) ا۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۰۰
۲۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۱۰۷، رقم: ۲۸۷۸
۳۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۵۱۱، رقم: ۳۸۹۵
۴۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۱۰، رقم: ۵۹۰۷
۵۔ مسلم، الصحیح، کتاب التفسیر، ۳: ۱۳۸۸، رقم: ۱۷۶۸
۶۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۳۵۵، رقم: ۵۲۱۶
۷۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۶۲، رقم: ۸۲۲۲
۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۲۲:۷
۹۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۴۱
۱۰۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۵۰۰، رقم: ۷۰۲۸
۱۱۔ ابوعوانہ، المسند، ۴: ۲۶۴، رقم: ۶۷۱۸

(۲) ا۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۱۸، کتاب الاستیذان، رقم: ۵۹۳۰
۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۲۳۲، رقم: ۵۶۸۸

←

''جب تم تین آدمی ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمی (آپس میں) سرگوشی نہ کریں۔''

۵۔ عزت کی حفاظت کا حق

اسلامی ریاست میں رنگ، نسل، عقیدہ، مال و دولت، سماجی مرتبہ، اور سیاسی عزت و وقار سے قطع نظر ہر شخص کو وہ عزت اور مقام حاصل ہے جسے کوئی فرد یا معاشرہ پامال نہیں کرسکتا۔ یہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی عزت اور وقار کی حفاظت کرے اور کوئی ایسا قانون لاگو نہ ہونے دے جس سے کسی بھی شہری کی عزت اور وقار کی پامالی کی راہ نکلتی ہو۔ اسلام نہ صرف حکومت کو اس فرض کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے کہ وہ کوئی ایسا کام سرانجام نہ دے جس سے معاشرے کے کسی بھی فرد کی عزت و وقار مجروح ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ۔(۱)

''اے ایمان والو(مردوں کی) ایک جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑایا کرے ممکن ہے کہ (بعض معاملات میں) وہ (جس کا مذاق اڑا رہے ہیں) ان سے بہتر ہو۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے کہ وہ عورتیں (جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے) ان سے بہتر ہوں اور نہ اپنے لوگوں (پر

...... ۳۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۷۱۷، ۱۸۱۷، رقم: ۲۱۸۳، ۲۱۸۴

۴۔ ابن حبان نے 'الصحیح (۲: ۳۴۴، رقم: ۵۸۳)' میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت لی ہے۔

۵۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۱۲۸، رقم: ۲۸۲۵

(۱) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۱۱

نکتہ چینی کرو اور نہ ان) پر عیب لگاؤ۔ اور نہ ایک دوسرے کو (برے القاب رکھ کر) بدنام کرو۔‘‘

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا(۱)

’’اے ایمان والو! بیشتر بدگمانیوں سے بچتے رہو بے شک بعض بدگمانیاں گناہ (کا موجب) ہوتی ہیں اور (کسی کی برائیوں کے) کھوج میں نہ لگے رہا کرو۔ اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہا کرو۔‘‘

قرآن حکیم کی مندرجہ بالا آیت مبارکہ یہ تعلیم دیتی ہے کہ مسلم معاشرے کا کوئی بھی فرد کسی دوسرے کا نہ مذاق اڑائے نہ ہی بے توقیری کرے حتی کہ غیبت، شخصی رازداری میں مداخلت کو بھی گناہ اور جرم ٹھہرایا گیا ہے۔

شخصی عزت و وقار کے تحفظ کو یقینی بنانے کیلئے قرآن حکیم نے کسی پر جھوٹے الزامات اور بہتان تراشی کو بھی جرم اور گناہ قرار دیا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ○(۲)

’’اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لائیں تو (ان کی سزا یہ ہے کہ) ان کو اسی 80 درے لگاؤ اور (آئندہ) کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور یہی لوگ نافرمان ہیں (کہ دوسروں پر تہمت لگاتے ہیں)○‘‘

وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ

(۱) القرآن، الحجرات، ۴۹:۱۲

(۲) القرآن، النور، ۲۴:۴

احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (۱)

''اور جولوگ مومن مرد اور مومن عورتوں کو بلا ان کے کچھ کیے ایذا پہنچائیں تو وہ جھوٹ اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ (ایذا میں ستانا، تکلیف پہنچانا، غیبت، چغلی سب آجاتی ہے) ۝''

۶۔نجی زندگی کے تحفظ کا حق

اسلام ہر شخص کو شخصی رازداری اور نجی زندگی کا حق عطا کرتا ہے۔قرآن حکیم میں بہت واضح طور پر دوسروں کے شخصی اور نجی معاملات کی ٹوہ لگانے اور عیب جوئی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۲)

''اے ایمان والو بیشتر بدگمانیوں سے بچتے رہو بے شک بعض بدگمانیاں گناہ کا موجب ہوتی ہیں اور (کسی کی برائیوں کے) کھوج میں نہ لگے رہا کرو اور نہ ایک دوسرے کو اس کے پیٹھ پیچھے برا کہا کرو تم میں کسی کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ سو اس کو تو (یقیناً) تم بہت ناگوار سمجھتے ہو (پس غیبت کو ایسا ہی سمجھو اس سے بچتے رہو) اور اللہ سے ڈرتے رہو (اگر بتقاضائے بشریت تم سے غلطی ہوجاتی ہے تو توبہ کرو) بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے ۝''

یعنی لوگوں کے عیب تلاش نہ کرو، دوسروں کے حالات اور معاملات کی ٹوہ نہ

---

(۱) القرآن، الاحزاب، ۳۳:۵۸

(۲) القرآن، الحجرات، ۴۹:۱۲

لگاتے پھرو۔ لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا، دو آدمیوں کی باتیں کان لگا کر سننا، ہمسایوں کے گھر میں جھانکنا اور مختلف طریقوں سے دوسروں کی خانگی زندگی یا ان کے ذاتی معاملات کی کھوج لگانا ایک بہت بڑی بد اخلاقی ہے۔ جس سے طرح طرح کے فساد رونما ہوتے ہیں، اس لئے ہر انسان کو اپنی نجی زندگی کے تحفظ کا حق دیا گیا ہے اور دوسروں کو اس میں دخل اندازی سے منع کیا گیا ہے۔

۷۔ شخصی رازداری کا حق

اسلام ہر شخص کو شخصی رازداری کا حق عطا کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے دوسروں کے شخصی اور ذاتی معاملات کی بلاوجہ کھوج لگانے سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ حکم قرآنی تعلیم (الحجرات، ۴۹: ۱۲) کا مظہر تھا۔ ایک دوسرے کے خفیہ اور شخصی معاملات میں عدم مداخلت کی تعلیم فرما کر آپ ﷺ نے ہر فردِ معاشرہ کو شخصی رازداری کا حق عطا کر دیا کیونکہ وہ معاشرہ جس میں شخصی رازداری کے حق کا احترام موجود نہ ہو وہاں سماجی اور معاشرتی فتنے پیدا ہونے کا اندیشہ موجود رہتا ہے۔ قرآن حکیم نے شخصی رازداری کے حق کے احترام کی تعلیم دے کر ایک بنیادی انسانی حق محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ کئی سماجی اور معاشرتی خرابیوں کا سدِ باب بھی کر دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ○(۱)

’’اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں کو (داخل ہوتے ہی) سلام کہا کرو یہ تمہارے لیے بہتر (نصیحت) ہے تاکہ تم (اس کی حکمتوں میں) غور و فکر کرو○‘‘

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

(۱) القرآن، النور، ۲۴: ۲۷

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (۱)

’’اے ایمان والو! چاہیئے کہ تمہارے زیردست (غلام اور باندیاں) اور تمہارے ہی وہ بچے جو (ابھی) جوان نہیں ہوئے (تمہارے پاس آنے کیلئے) تین مواقع پر تم سے اجازت لیا کریں (ایک) نماز فجر سے پہلے اور (دوسرے) دوپہر کے وقت جب تم (آرام کیلئے) کپڑے اتارتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے بعد (جب تم خوابگاہوں میں چلے جاتے ہو۔)(یہ) تین (وقت) تمہارے پردے کے ہیں ان (اوقات) کے علاوہ نہ تم پر گناہ ہے اور نہ ان پر (کیونکہ بقیہ اوقات میں وہ) تمہارے ہاں کثرت کے ساتھ ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں اسی طرح اللہ تمہارے لئے آیتیں واضح فرماتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے○‘‘

شخصی آزادی و رازداری کے حق کی یہی تعلیم ہمیں احادیث نبوی میں ملتی ہے۔

عن أبی هريرة، قال : قال رسول الله ﷺ: ”من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب الآخرة، و من ستر علی مسلم ستره الله فی الدنيا والآخرة۔(۲)

---

(۱) القرآن، النور، ۲۴: ۵۸

(۲) ۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۳۲۷، رقم: ۲۶۵۶۷
۲۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۲۰۷۴، رقم: ۲۶۹۹
۳۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۸۷، رقم: ۴۹۴۶

←

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی مومن کی دنیا میں تکلیف دور کی اللہ تعالیٰ اس کی آخرت میں تکلیف دور کرے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی دنیا میں ستر پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی ستر پوشی کرے گا۔“

عن سالم، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال: المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه، ومن كان فى حاجة أخيه كان الله فى حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كرب يوم القيامة، ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة(۱)

...... ۴۔ ترمذی، السنن، ۴: ۳۴، رقم: ۱۴۲۵
۵۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۸۰۸، رقم: ۲۴۱۷
۶۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۵۲، رقم: ۷۴۲۱
۷۔ قضاعی، مسند الشہاب، ۱: ۲۸۱، رقم: ۴۵۸
۸۔ بغوی، شرح السنہ، رقم: ۱۲۷
۹۔ مزی، تحفۃ الاشراف، ۹: ۳۷۵، رقم: ۱۲۵۰۰

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۹۱، رقم: ۵۶۴۶
۲۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۸۶۲، رقم: ۲۳۱۰
۳۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۹۶، رقم: ۲۵۸۰
۴۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۷۳، رقم: ۴۸۹۳
۵۔ ترمذی، السنن، ۴: ۳۴، رقم: ۱۴۲۶
۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲: ۲۸۷، رقم: ۱۳۱۳۷
۷۔ بیہقی، السنن الکبری، ۶: ۹۴، رقم: ۱۱۲۹۲
۸۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۱۰۴، رقم: ۷۶۱۴
۹۔ بغوی، شرح السنہ، رقم: ۳۵۱۸
۱۰۔ مزی، تحفۃ الاشراف، ۵: ۳۸۲، رقم: ۶۸۷۷

''حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے کسی ظالم کے سپرد کرتا ہے۔ جو مسلمان اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔ اور جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیف دور کرے گا۔ اور جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی ستر پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ستر پوشی کرے گا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا، ولا تجسسوا، ولا تحاسدوا ولا تدابروا ولا تباغضوا، وكونوا عباد الله إخواناً۔(۱)

''تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور دوسروں کے عیب تلاش کرو نہ کسی کی جاسوسی کرو، کسی سے حسد کرو نہ کسی سے بغض و کینہ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۵۳، رقم: ۵۷۱۷
۲۔ مسلم، صحیح، ۴: ۱۹۸۵، رقم: ۲۸
۳۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۳۰۳، رقم: ۴۹۱۷
۴۔ ترمذی، الجامع الکبیر، ۳: ۵۲۷، رقم: ۱۹۸۸
۵۔ حمیدی، المسند، ۲: ۴۶۵، رقم: ۱۰۸۶
۶۔ ربیع، المسند، ۱: ۲۷۰، رقم: ۶۹۸
۷۔ بیہقی، شعب الایمان، ۵: ۲۹۵، رقم: ۶۷۰۳
۸۔ بخاری، الادب المفرد: ۱۱۱، رقم: ۴۱۰، ۳۳۰، رقم: ۱۲۸۷
۹۔ بغوی، شرح السنۃ، ۱۳: ۱۰۹، رقم: ۳۵۳۳
۱۰۔ مزی، تحفۃ الاشراف، ۱۰: ۱۷۲، رقم: ۱۳۷۲۰

رکھو، اور اے بندگان خدا! بھائیوں کی طرح ہو جاؤ۔‘‘

حضرت انس بن مالک ﷜ روایت کرتے ہیں کہ تاجدارِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا، وكونوا عباد الله إخوانا، ولا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاثة أيام(۱)

’’کسی سے بغض نہ رکھو، نہ کسی سے حسد کرو اور نہ کسی کی غیبت کرو، اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو، اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق رکھے۔‘‘

۸۔ سلامتی کا حق

اسلام سلامتی کا دین ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے مسلمان کی بنیادی خصوصیت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے اسم کا مظہر ہوتا ہے یعنی وہ اپنے ماحول اور دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے سراپا سلامتی و آشتی ہوتا ہے۔ جہاں ایک طرف آپ ﷺ نے سب افراد معاشرہ کو سلامتی کا حق عطا کیا تو دوسری طرف انہیں اس بات کا بھی پابند کیا کہ وہ اپنے قول اور فعل سے دوسروں کیلئے سلامتی کا سامان پیدا کریں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۵۳، رقم: ۵۷۱۸
۲۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۸۳، رقم: ۲۵۵۹
۳۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۳۰۱، رقم: ۴۹۱۰، ۴۹۱۱
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۵، ۳: ۲۲۵
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۲۳۲
۶۔ بخاری، الادب المفرد: ۱۰۸، رقم: ۳۹۸: ۱۱۰، رقم: ۴۰۶

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده (۱)

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان ایذا نہ پائیں۔''

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قالوا: يا رسول الله! أی الإسلام أفضل؟ قال: من سلم المسلمون من لسانه و يده۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۱۳، رقم: ۱۰
۲۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۷۹، رقم: ۶۱۱۹
۳۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۶۵، رقم: ۴۱
۴۔ ترمذی، السنن، ۵: ۱۷، رقم: ۲۶۲۶
۵۔ ابو داؤد، السنن، ۳: ۴، رقم: ۲۴۸۱
۶۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۰، رقم: ۱۱۷۲۷
۷۔ دارمی، السنن، ۲: ۳۸۸، رقم: ۲۷۱۶
۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۶۳، رقم: ۶۵۱۵
۹۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۴۰۶، رقم: ۱۸۰
۱۰۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۴۶۷، رقم: ۲۳۰
۱۱۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۵۴، رقم: ۲۲
۱۲۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۵۹۳، رقم: ۶۲۰۰
۱۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰، ۱۸۷
۱۴۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴: ۵۶، رقم: ۳۵۹۸
۱۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۵۶
(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۱۳، رقم: ۱۱
۲۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۶۶، رقم: ۴۲
۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۱، رقم: ۱۱۷۳۰
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۵۹، رقم: ۶۴۸۷

←

’’صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہِ رِسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا: کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اس شخص کا اسلام افضل ہے) جس کی زبان اور ہاتھ (کے شر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔‘‘

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

ان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ای الاسلام خیر؟ قال: تطعم الطعام و تقرء السلام علی من عرفت و من لم تعرف۔(۱)

...... ۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۸۷، رقم: ۶۷۵۳

۶۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۹۵، رقم: ۶۸۳۷

۷۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۷۲، رقم: ۱۵۰۳۷

۸۔ دارمی، السنن، ۲: ۳۸۷، رقم: ۲۷۱۲

۹۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۳۲۰، رقم: ۲۶۴۹۷

۱۰۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۵۵، رقم: ۲۶

۱۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۲۴۳

۱۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۴۲۶، رقم: ۸۴۵۷

۱۳۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۲۴۲، رقم: ۸۰۱۵

۱۴۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۱: ۳۰۱، رقم: ۱۰۰۶

۱۵۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۲: ۳۲۳، رقم: ۲۱۰۶

۱۶۔ طبرانی، المعجم، الاوسط، ۳: ۳۴۰، رقم: ۳۳۴۰

۱۷۔ ابن عبد البر، التمہید، ۲۱: ۳۹، رقم: ۲۳

۱۸۔ ہیثمی، موارد الظمآن، ۱: ۳۸۰، رقم: ۱۵۸۰

۱۹۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۳۳

۲۰۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۵۴، ۵۶

۲۱۔ صیداوی، معجم الشیوخ، ۱: ۲۰۳، رقم: ۱۵۹

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۱۳، رقم: ۱۲ ←

’’ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کس قسم کا اسلام بہتر ہے تو آپ نے فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور جس کو جانتے ہو اور جس کو نہ جانتے ہو (سب کو) سلام کرو۔‘‘

حضرت انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه۔(۱)

...... ۲۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۱۹، رقم: ۲۸
۳۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۰۲، رقم: ۵۸۸۲
۴۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۶۵، رقم: ۳۹
۵۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۰۸۳، رقم: ۳۲۵۳
۶۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۳۵۰، رقم: ۵۱۹۴
۷۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۱، رقم: ۱۱۷۳۱
۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۶۹، رقم: ۶۵۸۱
۹۔ بخاری، الادب المفرد، ۱: ۳۶۱، رقم: ۱۰۵۰
۱۰۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۲۵۸، رقم: ۵۰۵
۱۱۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۲۵
۱۲۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۲: ۳۳، رقم: ۱۳۹۰
۱۳۔ نووی، شرح صحیح مسلم، ۲: ۱۰، ۷۷
۱۴۔ ابن حزم، المحلی، ۱: ۳۹
۱۵۔ صنعانی، سبل السلام، ۴: ۲۰۹
۱۶۔ حسینی، البیان والتعریف، ۱: ۱۰۵، رقم: ۲۵۸
۱۷۔ مبارکپوری، تحفة الاحوذی، ۷: ۳۸۳
(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۱۴، رقم: ۱۳
۲۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۶۷، رقم: ۱۳ ←

’’آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ اپنے بھائی مسلمان کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔‘‘

.... ۳۔ ترمذی، السنن، ۴: ۶۶۷، رقم: ۲۵۱۵

۴۔ ابن ماجہ، السنن، ۱: ۲۶، رقم: ۶۶

۵۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۴، رقم: ۱۱۷۴۷

۶۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۸، رقم: ۱۱۷۷۰

۷۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۷۶، رقم: ۱۲۸۲۴

۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۷۲، رقم: ۱۳۹۰۱

۹۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۷۸، رقم: ۱۳۹۹۵

۱۰۔ دارمی، السنن، ۲: ۳۹۷، رقم: ۲۷۴۰

۱۱۔ ابویعلی، المسند، ۵: ۳۲۷، رقم: ۲۹۵۰

۱۲۔ ابو یعلی، المسند: ۵: ۴۴۴، رقم: ۳۱۵۱

۱۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۸: ۱۶۷، رقم: ۸۲۹۲

۱۴۔ اصبہانی، المسند المستخرج، ۱: ۱۳۳، رقم: ۱۶۶

۱۵۔ نووی، شرح صحیح مسلم، ۲: ۱۶

۱۶۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۲: ۳۶۲، رقم: ۲۷۴۴

۱۷۔ ابن حزم، المحلی، ۱۱: ۱۴۳

۱۸۔ صنعانی، سبل السلام، ۴: ۱۷۱

۱۹۔ مروزی، تعظیم قدر الصلاۃ، ۱: ۴۴۷، رقم: ۴۶۱

۲۰۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجہ، ۱: ۲۸۶، رقم: ۳۹۷۶

۲۱۔ سیوطی، الدیباج، ۱: ۶۱، رقم: ۴۵

۲۲۔ حسینی، البیان والتعریف، ۲: ۲۹۸، رقم: ۱۷۹۱

۲۳۔ مبارکپوری، تحفۃ الاحوذی، ۸: ۶

۲۴۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۱: ۵۴، رقم: ۱۲۹

۹۔ سماجی مساوات کا حق

اسلام نے تمام بنی نوع انسان کو برابر حقوق عطا کیے ہیں اور اس میں نسب، ذات، رنگ، قومیت، جنس، زبان، عقیدے اور وطن کی کوئی تمیز نہیں رکھی۔ اس باب میں اسلام نے جملہ حدود و قیود سے وراء ہر شخص کو سماجی، معاشی اور سیاسی مساوات عطا کی ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق تمام انسانیت ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا ہوئی۔ پس ایک ہی والدین کی اولاد میں کسی بھی طرح کا امتیاز روا نہیں رکھا جاسکتا۔ اسی طرح مرد وزن میں جنسی بنیاد پر بھی امتیاز کی کوئی گنجائش نہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ○(۱)

’’اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے طبقات اور قبیلے بنادیئے تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تو تم سب میں عزت والا وہ ہے جو سب زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتا باخبر ہے‘‘○

یعنی کسی بھی شخص کی دوسرے پر برتری کی بنیاد صرف تقوی اور کردار ہوگا۔

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتماع سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ألا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود علی أحمر إلا بالتقوی.(۲)

(۱) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۱۳

(۲) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۱۱، رقم: ۲۳۵۳۶

۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۴: ۲۸۹، رقم: ۵۱۳۷

۳۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۶: ۳۴۲

←

’’بے شک! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، اور کسی سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر سوائے تقویٰ کے فضیلت حاصل نہیں۔‘‘

اسلام کے عطا کردہ یہی انقلابی تصورات تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک حبشی غلام کو موذن مقرر فرمایا اور ایک غلام حضرت زید کی شادی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کی۔ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو روم کے خلاف جنگ کے دوران اکابر صحابہ کی موجودگی میں امیر عسا کر مقرر فرمایا۔ اسلام کا عطا کردہ حق مساوات امیر و غریب، حاکم و محکوم، مسلم و ذمی اور مرد و عورت سب کو حاصل ہے۔ اسلامی معاشرے میں کوئی بھی فرد اپنے شخصی اوصاف، نیک کردار اور محنت کی بنیاد پر کوئی بھی مرتبہ حاصل کرسکتا ہے۔

۱۰۔ قانونی مساوات کا حق

اسلام کا عطا کردہ حق مساوات صرف عمومی یا سماجی و معاشرتی نوعیت ہی کا نہیں بلکہ قانونی اور ریاستی سطح کا بھی حامل ہے۔ اسلامی ریاست کے تمام شہری یکساں حیثیت کے حامل ہیں۔ اسلام کے عطا کردہ قوانین کے نفاذ کے باب میں شہریوں نے کسی بھی نوعیت کا امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا بلکہ حقوق و فرائض کے تعین کیلئے جب بھی قانون کے نفاذ کی ضرورت پڑے گی وہ مساوی بنیادوں پر نافذ کیا جائے گا۔ حضور اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ اس نوعیت کے بے شمار نظائر کا حامل ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث مبارکہ سے ظاہر ہے:

عن حسن بن محمد بن علی قال: سرقت امرأة قال عمرو:

------ ۴۔ منذری، الترغیب و الترہیب، ۳: ۳۷۵، رقم: ۴۴۹۴

۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۲۶۶

۶۔ عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۵۲۷

۷۔ جصاص، احکام القرآن، ۱: ۳۹۳

۸۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۵: ۱۶۴

حسبت أنه قال: من بنات الكعبة، فأتي بها النبی ﷺ، فجاء عمر بن أبی سلمة، فقال للنبی ﷺ :إنها عمتی، فقال النبی ﷺ: لو كانت فاطمة بنت محمد لقطعت يدها۔(۱)

''حضرت حسن بن محمد بن علی رضی اللہ عنہم سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: کہ ایک عورت نے چوری کی عمرو کا کہنا ہے کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ

---

(۱) ۱۔عبدالرزاق، المصنف، ۱۰:۲۰۲
۲۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۲۸۲، رقم: ۳۲۸۸
۳۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۳۶۶، رقم: ۳۵۲۶
۴۔مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۱۶، رقم: ۱۶۸۹
۵۔ترمذی، السنن، ۴: ۳۷، رقم: ۱۴۳۰
۶۔ابن ماجہ، السنن، ۲: ۸۵۱، رقم: ۲۵۴۷
۷۔نسائی، السنن الکبریٰ، ۴: ۳۳۱، رقم: ۷۳۷۸
۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۹۵، رقم: ۱۵۲۸۴
۹۔دارمی، السنن، ۲: ۲۲۷، رقم: ۲۳۰۲
۱۰۔ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۲۴۸، رقم: ۴۴۰۲
۱۱۔ابوعوانہ، المسند، ۴: ۱۱۷، رقم: ۶۲۳۷
۱۲۔حاکم، المستدرک، ۴: ۴۲۱، رقم: ۸۱۴۵
۱۳۔بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۱۳۲، رقم: ۷۳۴۳
۱۴۔طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰: ۳۳۳، رقم: ۷۹۲
۱۵۔طحاوی، شرح معانی الآثار، ۳: ۱۷۰
۱۶۔ہیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۲۵۹
۱۷۔ابن جارود، المنتقیٰ، ۱: ۲۰۴، رقم: ۸۰۴
۱۸۔زرعی، حاشیہ ابن قیم، ۲۲: ۲۳
۱۹۔شوکانی، نیل الاوطار، ۷: ۳۰۵

قریش کے معزز خاندان میں سے تھی۔ پس اسے حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس لایا گیا۔ تو عمر بن ابی سلمہ آئے اور حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: یہ میری پھوپھی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا اگر فاطمہ بنت محمد بھی ہوتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹتا۔''

عن عائشة زوج النبی ﷺ؛ أن قریشا أهمهم شآن المرأة التی سرقت فی عهد النبی ﷺ، فی غزوة الفتح فقالوا: من یکلم فیها رسول الله ﷺ؟ فقالوا: ومن یجترئ علیه إلا أسامة بن زید، حب رسول الله ﷺ؟ فأتی بها رسول الله ﷺ. فکلمه فیها اسامة بن زید. فتلون وجه رسول الله ﷺ. فقال "أتشفع فی حدمن حدود الله؟ فقال له اسامة: استغفرلی. یا رسول الله! فلما کان العشی قام رسول الله ﷺ فاختطب فاثنی علی الله بما هو أهله. ثم قال ''أما بعد. فإنما أهلك الذین من قبلکم، أنهم کانوا إذا سرق فیهم الشریف، ترکوه و إذا سرق فیهم الضعیف، أقاموا علیه الحد. وإنی، والذی نفسی بیده لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها'' ثم أمر بتلك المرأة التی سرقت فقطعت یدها۔(۱)

''ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قریش کو اس عورت کی خاندانی شرافت کا خیال آیا کہ جس نے فتح مکہ کے موقع پر چوری کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ کون رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کرے گا؟ انہوں نے کہا کہ وہ صرف اسامہ بن زید ہی ہیں۔ کہ جو حضور ﷺ کے لاڈلے ہیں۔ اس عورت کو حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو اسامہ بن زید نے اس کے

(۱) مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۱۵، رقم: ۱۶۸۸

حق میں سفارش کی تو آپ ﷺ کے چہرہ انور کا رنگ متغیر ہوگیا اور فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدوں میں سے ایک حد میں سفارش کررہے ہو۔ پس حضرت اسامہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ مجھے معاف فرمادیجئے جب عشاء کا وقت ہوا تو حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اللہ تعالیٰ کی اس کے لائق تعریف کی پھر فرمایا: بے شک تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ جب کبھی کسی امیر نے چوری کی تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور جب کبھی کسی کمزور نے چوری کی تو اس پر حد قائم کردیتے اور میں وہ ہوں قسم ہے اس ذات کی جس قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا پھر آپ ﷺ نے حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

عن ابی لیلی عن ابیه قال كان اسید بن حضیر رجلا ضاحكا مليحا قال فبينما هو عند رسول الله ﷺ يحدث القوم ويضحكهم فطعن رسول الله باصبعه فی خاصرته فقال او جعتنی قال اقتص قال يا رسول الله ان عليك قيمصا ولم يكن علی قميص قال فرفع رسول الله ﷺ قميصه فاحتضنه ثم جعل يقبل كشحه فقال بابی انت و امی يا رسول الله اردت هذا ۔(۱)

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۴۹
۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۱۰۲
۳۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۳۵۶، رقم: ۵۲۲۴
۴۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۳۲۷، رقم: ۵۲۶۲
۵۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱: ۲۰۵، رقم: ۵۵۶
۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱: ۲۰۶، رقم: ۵۵۷
۷۔ زرعی، حاشیۃ ابن القیم، ۱۲: ۱۷۵

←

''ابولیلی نے اپنے والد سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ اسید بن حضیر بڑے ہنسنے والے آدمی تھے ایک دفعہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لوگوں کو باتیں کرکے ہنسا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے انگشت مبارک ان کی کمر میں چبھوئی انہوں نے درد کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا تم بدلہ لے لو انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ آپ ﷺ کے بدن اقدس پر قمیص ہے جبکہ میرے جسم پر قمیص نہیں تھی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے قمیص مبارک اوپر اٹھائی تو حضرت اسید حضور سے لپٹ گئے اور آپ کے پہلو کے بوسے لینے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان میں یہی چاہتا تھا۔''

۱۱۔ حصولِ اِنصاف کا حق

قرآن حکیم نے زندگی کے تمام معاملات کو عدل اور انصاف پر استوار کرنے کی تعلیم دے کر ہر شخص کو بے لاگ انصاف کے حصول کا حق عطا کردیا ہے۔ قرآن حکیم کی مختلف آیات سے یہ مضمون واضح ہے کہ قرآن حکیم کے نزول کا بنیادی مقصد معاشرتی اور ریاستی معاملات کو عدل و انصاف پر استوار کرنا ہے تاکہ اسلامی معاشرے کا کوئی فرد ظلم اور استحصال کا شکار نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا ○ (۱)

''بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو،

------ ۸۔ مقدسی، الاحادیث المختارۃ، ۴: ۲۷۶

۹۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱: ۳۴۲

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۵۸

بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہےo‘‘

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ‌ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًاo (۱)

’’(اے رسول گرامی) بے شک ہم نے آپ کی طرف حق پر مبنی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں میں اس (حق) کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے اور آپ (کبھی) بددیانت لوگوں کی طرف داری میں بحث کرنیوالے نہ بنیںo‘‘

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ‌ ۚ اِنۡ يَّكُنۡ غَنِيًّا اَوۡ فَقِيۡرًا فَاللّٰهُ اَوۡلٰى بِهِمَا‌ ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰٓى اَنۡ تَعۡدِلُوۡا‌ ۚ وَ اِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًاo (۲)

’’اے ایمان والو! تم انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے (محض) اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہوجاؤ خواہ (گواہی) خود تمہارے اپنے یا (تمہارے) والدین یا (تمہارے) رشتہ داروں کے ہی خلاف ہو اگرچہ (جس کے خلاف گواہی ہو) مالدار ہے یا محتاج، اللہ ان دونوں کا (تم سے) زیادہ خیرخواہ ہے۔ سو تم خواہشِ نفس کی پیروی نہ کیا کرو کہ عدل سے ہٹ جاؤ (گے) اور اگر تم (گواہی میں) پیچدار بات کروگے یا (حق سے) پہلوتہی کروگے تو بے شک اللہ (ان سب کاموں سے) جو تم کر رہے ہو خبردار ہےo‘‘

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ‌ ۖ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۱۰۵

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۱۳۵

شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ز وَاتَّقُوا اللهَ ط اِنَّ اللهَ خَبِيْرٌ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ○(۱)

’’اے ایمان والو! اللہ کے لیے مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے انصاف پر مبنی گواہی دینے والے ہوجاؤ اور کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے اور اللہ سے ڈرا کرو۔ بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خوب آگاہ ہے○‘‘

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ○(۲)

’’اور ہم نے اس (تورات) میں ان پر فرض کردیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے عوض آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے عوض کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں (بھی) بدلہ ہے تو جو شخص اس (قصاص) و صدقہ (یعنی معاف) کردے تو یہ اس (کے گناہوں) کے لیے کفارہ ہوگا اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (وحکومت) نہ کرے سو وہی لوگ ظالم ہیں○‘‘

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ج وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ج لَانُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ج وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ج وَبِعَهْدِ اللهِ اَوْفُوْا ج ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ

(۱) القرآن، المائدہ، ۸:۵

(۲) القرآن، المائدہ، ۴۵:۵

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَO (۱)

''اور یتیم کے مال کے قریب مت جانا مگر ایسے طریق سے جو بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور پیمانے اور ترازو (یعنی ناپ اور تول) کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم (کسی کی نسبت کچھ) کہو تو عدل کرو اگرچہ وہ (تمہارا) قرابت دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کیا کرو یہی (باتیں) ہیں جن کا اس نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کروO''

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ قف وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ط كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَO (۲)

''فرما دیجئے میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور تم ہر سجدہ کے وقت و مقام پر اپنے رخ (کعبہ کی طرف) سیدھے کرلیا کرو اور تمام تر فرمانبرداری اس کے لیے خاص کرتے ہوئے اس کی عبادت کیا کرو جس طرح اس نے تمہاری (خلق و حیات کی) ابتداء کی تم اسی طرح (اس کی طرف) پلٹو گےO''

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ ج یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَO (۳)

''بیشک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا، اور بے حیائی اور برے کاموں اور سرکشی و نافرمانی سے منع فرماتا ہے وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم خوب یاد رکھوO''

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ج وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ج وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَقُلْ

(۱) القرآن، الانعام، ۶:۱۵۲

(۲) القرآن، الاعراف، ۷:۲۹

(۳) القرآن، النحل، ۱۶:۹۰

اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ کِتٰبٍ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ؕ لَاحُجَّةَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ ؕ اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ○(۱)

’’پس آپ ان کو اسی (دینِ حق) کی طرف بلاتے رہیے اور آپ اسی پر قائم رہئے جیسا کہ آپ کو حکم ملا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے اور فرمادیجئے کہ میں ہر کتاب پر جو اللہ نے اتاری ہے ایمان رکھتا ہوں اور مجھ کو اس کا حکم ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے اور (آخرت میں) ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہوں گے۔ ہم میں اور تم میں بحث و تکرار کی ضرورت ہی کیا ہے۔ (آخرت میں) یقیناً اللہ ہم سب کو جمع کریگا اور اسی کی طرف (ہم سب کو) واپس جانا ہے○‘‘

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ(۲)

’’ہم ہی نے اپنے رسولوں کو نشانیاں (معجزات) دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور (اس کو) میزان(عدل) قرار دیا تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔‘‘

۱۲۔ آزادانہ سماعت کا حق

عدل و انصاف کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تمام فریقوں کو سماعت کا مساوی حق نہ دے دیا جائے چونکہ نزول قرآن کا بنیادی مقصد معاشرے میں عدل و انصاف کا قیام ہے اس لئے ہر فرد معاشرہ کو سماعت کا حق عطا کیا گیا ہے۔قرآن حکیم سے

(۱) القرآن، الشوریٰ،۴۲:۱۵

(۲) القرآن، الحدید،۵۷:۲۵

یہ امر واضح ہے کہ اس حق کا تعین خود اللہ رب العزت نے اپنی سنت سے کیا جب آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا گیا تو ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔اس سرتابی پر ابلیس کو سزا دینے سے پہلے وضاحت کا موقع دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ○(۱)

”بیشک ہم نے تمہیں (یعنی تمہاری اصل کو) پیدا کیا پھر تمہاری صورت گری کی (یعنی تمہاری زندگی کی کیمیائی اور حیاتیاتی ابتداء و ارتقاء کے مراحل کو آدم کے وجود کی تشکیل تک مکمل کیا) پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ سجدہ کرنیوالوں میں سے نہ ہوا○“

قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ ط قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ج خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ○(۲)

”ارشاد ہوا (اے ابلیس) تجھے کس (بات) نے روکا تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے○“

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَکُوْنُ لَکَ اَنْ تَتَکَبَّرَ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّکَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ○(۳)

”ارشاد ہوا پس تو یہاں سے اتر جا تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تو یہاں تکبر کرے

---

(۱) القرآن، الاعراف، ۷:۱۱

(۲) القرآن، الاعراف، ۷:۱۲

(۳) القرآن، الاعراف، ۷:۱۳

پس (میری بارگاہ سے) نکل جا۔ بیشک تو ذلیل وخوار لوگوں میں سے ہےo‘‘

اسی طرح جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی ریاستی انتظامیہ (state bureaucracy) کا ایک حصہ یعنی ہدہد بغیر آپ کو اطلاع دیئے لشکر سے غائب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں اسے سخت سزا دوں گا الا یہ کہ وہ اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کرے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد کو سزا دینے سے پہلے حق سماعت عطا کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَo(۱)

’’اور سلیمانؑ نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے مجھے کیا ہوا ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ پا رہا یا وہ (واقعی) غائب ہو گیا ہےo‘‘

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْلَآ اذْبَحَنَّهٗٓ اَوْلَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍo(۲)

’’میں اسے (بغیر اجازت غائب ہونے پر) ضرور سخت سزا دوں گا یا اسے ضرور ذبح کر ڈالوں گا یا وہ میرے پاس (اپنے بے قصور ہونے کی) واضح دلیل لائے گاo‘‘

۱۳۔ دوسروں کے جرائم سے برات کا حق

عدل و انصاف کا لازمی تقاضا ہر شخص کو صرف اس کے اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دینا ہے۔ اسلام نے ہر فرد معاشرہ کو عدل و انصاف کی اس روح کے پیش نظر دوسروں کے جرائم سے برات کا بنیادی حق عطا کیا ہے، کہ ہر شخص صرف اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ اور دنیا یا آخرت میں کہیں بھی کسی کو دوسرے کے اعمال و افعال کا ذمہ دار نہیں قرار دیا جائے گا:

(۱) القرآن، النمل، ۲۷:۲۰

(۲) القرآن، النمل، ۲۷:۲۱

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○(۱)

''وہ ایک امت تھی جو گزر چکی، ان کے لیے وہی کچھ ہوگا جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہوگا جو تم کماؤ گے، اور تم سے ان کے اعمال کی باز پرس نہ کی جائے گی○''

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا○(۲)

''جو کوئی راہ ہدایت اختیار کرتا ہے وہ اپنے فائدہ کے لیے ہدایت پر چلتا ہے اور جو شخص گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال (بھی) اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کے (گناہوں کا) بوجھ نہیں اٹھائیگا اور ہم ہرگز عذاب دینے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ہم (اس قوم میں) کسی رسول کو بھیج لیں○''

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ○(۳)

''بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ بے شک وہ (لوگوں کے) دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے○''

۱۴۔ صفائی پیش کرنے کا حق

اسلام ہر شخص کو اپنی صفائی پیش کرنے کا حق عطا کرتا ہے۔ چونکہ جملہ معاملات

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۱۳۴

(۲) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷: ۱۵

(۳) القرآن، فاطر، ۳۵: ۳۸

کے تصفیہ میں اسلام کا بنیادی اصول عدل و انصاف کا قیام ہے۔

وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ (۱)

''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ۝''

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ (۲)

''(اے رسولِ گرامی) بیشک ہم نے آپ کی طرف حق پر مبنی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں میں اس (حق) کے متعلق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے اور آپ (کبھی) بددیانت لوگوں کی طرفداری میں واعظ کرنے والے نہ بنیں ۝''

عدل و انصاف کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہر شخص کو اپنی صفائی پیش کرنے اور اپنا موقف بیان کرنے کا حق حاصل نہ ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ بنیادی حق عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اذا جلس اليك خصمان فلا تكلم حتى تسمع من الاخر كما سمعت من الاول۔ (۳)

''جب تیرے پاس دو فریق فیصلہ کروانے کیلئے آئیں تو اس وقت تک (فیصلے)

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۵۸

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۱۰۵

(۳) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۳۷

۲۔ سمرقندی، تحفۃ الفقہاء، ۳: ۳۷۲

کے بارے میں) کلام نہ کرو جب تک دوسرے فریق کو بھی اسی طرح نہ سن لو جس طرح پہلے فریق سے سنا تھا۔‘‘

۱۵۔ آزادی کا حق

آزادی کے تصور کا مفہوم

اسلام کی آمد انسانیت کیلئے حقیقی آزادی کا ایک پیغام تھی۔ اس سے قبل عالم انسانیت کئی طرح کی غلامی کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ اسلام کے تصور مساوات اور تکریم انسانیت کی تعلیم نے آزادی کا وہ تصور عطا کیا جو بتدریج آج کی جدید تہذیب اختیار کر رہی ہے۔

امریکی اور بھارتی سپریم کورٹس کی عدالتی تشریح کے مطابق آزادی کا تصور وسیع تر مضمرات کا حامل ہے۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ آزادی ان حقوق اور مراعات کو محیط ہے جن کا حصول زمانہ دراز سے آزاد انسانوں کی مسرت و شادمانی کے لئے لازمی تسلیم کیا جاتا ہے۔

امریکی سپریم کورٹ کی نظر میں آزادی ایک وسیع اصطلاح ہے جو کہ تجربے اور معاشی و معاشرتی حقیقتوں کی پابندی اور نمو کے باعث آئینی طور پر ترقی کے عمل سے گزر رہی ہے۔ بنابریں عدالتِ عظمیٰ نے اس کا دائرہ ان امور تک بڑھا دیا:

’’منصفانہ عدالتی فیصلے کا حق، آزادیِ عبادت، آزادیِ گفتار، آزادیِ اجتماع، آزادیِ خیال، تخلیے کا حق، معاہدہ کرنے کی آزادی، روزگار اور قانونی طور جائز پیشہ اپنانے کی آزادی، گزر وبسر کے لئے عوامی سطح پر کام کرنے کا حق، علم کے حصول کی آزادی، والدین اور سرپرستوں کی آزادی کہ وہ اپنے زیرِ تحویل اپنے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کر سکیں، شادی اور عائلی زندگی گزارنے کے لئے ذاتی انتخاب کا حق اور بیرون ملک سفر کا حق ملاحظہ ہوں:

Universal Declaration of Human Rights, 1948., Art. 2-4, 8-10, 13,14,18-21, 28-27

The International Covenant onCivil and Political Rights, 1966., Art. 8-10, 13,14, 18, 19, 21, 22, 25-27

European Convention for the Protection of Human Rights, 1950., Art. 4,5, 8-11

The American Declaration of Rights and Duties of Man, 1948., Art. 6-8, 12,13,15,16,22,23

The African Charter on Human and People's Rights, 1981., Art. 2, 8-13

ذاتی آزادی کی جو تشریح بھارتی سپریم کورٹ نے کی ہے وہ پابندیوں، مداخلت اور تجاوزات سے فرد کی آزادی پر دلالت کرتی ہے عدالت عظمٰی نے بیرون ملک سفر کے حق کو ذاتی آزادی کے تصور کے مفہوم میں لیا۔ اور یہ تسلیم کیا کہ قانون کے مطابق قید و بند وہ استثنائی صورت ہے جس میں قانونی مقصد کے تحت ضروری اقدام کے طور پر کسی شخص کے حقوق اور آزادیوں پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا کسی قیدی کو دوسرے بنیادی حقوق اور بہبود سے محروم نہ کیا جائے۔(۱)

عدالت کی طرف سے مذکورہ توجیہہ وتعبیر فی الواقعہ معقول ہے۔ اس کا مزید مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کا بنیادی حقِ آزادی مسلمہ ہے اور عدالت مجاز کے حتمی فیصلے کے بغیر ان کے اس حق پر قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔ عدالت نے مزید فیصلہ دیا کہ پولیس افسران کی طرف سے جاسوسی کی غرض سے اور نگرانی کے لئے لوگوں کی اقامت گاہوں پر رات کے چھاپے آزادی سے محروم کرنے کے اقدام کے متصوّر رہوں گے۔(۲)

وہ حدبندی جس کے اندر ایک فرد آزادی سے محظوظ ہوسکتا ہے اور جس حد سے آگے کوئی قانونی اتھارٹی کسی شخص کی ذاتی آزادی پر ازروئے قانون پابندی عائد کرنے کی مجاز ہے اور وہ ماورائے قانون اقدامات جو ذاتی آزادی کی پامالی کا موجب بنتے ہیں بین الاقوامی سطحوں پر اور مختلف قومی حلقوں میں ماہرین قانون کی محتاط توجہ حاصل کر کے زیر

(۱) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, p. 143.

(۲) Sieghart, The International Law of Human Rights, p. 143.

بحث لائے جا رہے ہیں۔

۱۶۔ شخصی آزادی کا حق

شخصی آزادی کے حق کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں کسی کو بھی بغیر قانونی جواز کے نہ ہی تو گرفتار کیا جائیگا اور نہ اس کی شخصی آزادی پر کوئی قدغن لگائی جائے گی کسی بھی فرد معاشرہ کی شخصی آزادی پر کسی قانونی جواز کی بنیاد پر باقاعدہ اور شفاف عدالتی اور قانونی کارروائی کے بعد ہی پابندی لگائی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اسلام شخصی آزادی کو اللہ کی ایک نعمت شمار کرتا ہے۔

ابو داؤد کی ایک روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ مسجد میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور آپ سے سوال کرنے لگا یا رسول اللہ! میرے ہمسائے کو کیوں گرفتار کیا گیا ہے آپ خاموش رہے۔ اس شخص نے دوبارہ سوال کیا آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر جب اس نے تیسری بار سوال کیا تو حضور اکرم ﷺ نے اس شخص کے ہمسائے کو آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔ سوال کرنے والے کے سوال پر آپ کی خاموشی دراصل مسجد میں موجود اس حکومتی اہلکار کو اپنی قانونی پوزیشن واضح کرنے کا موقع فراہم کرنا تھی جس نے گرفتاری کی تھی۔ مگر جب وہ سرکاری اہلکار کچھ بھی نہ بولا تو حضور اکرم ﷺ نے بلا جواز گرفتاری کے خاتمے کا حکم دیدیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر مصر سے اہل مصر سے برے سلوک پر فرمایا: اے عمرو تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنانا شروع کردیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔(۱)

اسلام کے عطا کردہ شخصی آزادی کے حق میں کسی جگہ رہنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا حق بھی شامل ہے۔ حضرت علی نے یہی حق خارجیوں کو بھی جو کہ آپ کے شدید ترین دشمن تھے عطا کیا تھا۔

---

(۱) محمد حسین ھیکل، الفاروق عمر، ۲: ۱۹۸

اسلام کے عطا کردہ شخصی آزادی کے حق کو محض شک کی بنیاد پر پامال نہیں کیا جاسکتا۔ ارشاد ربانی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ○ (۱)

''اے ایمان والو! بیشتر بدگمانیوں سے بچتے رہو بے شک بعض بدگمانیاں گناہ کا (موجب) ہوتی ہیں۔ اور (کسی کی برائیوں کے) کھوج میں نہ لگے رہا کرو۔ اور نہ ایک دوسرے کو اس کے پیٹھ پیچھے برا کہا کرو۔ تم میں سے کس کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ سو اس کو تو (یقیناً) تم بہت ناگوار سمجھتے ہو (پس غیبت کو ایسا ہی سمجھو اس سے بچتے رہو) اور اللہ سے ڈرتے رہو (اگر بتقاضائے بشریت تم سے غلطی ہوجائے تو توبہ کرو) بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے○''

اسلام کے تعزیری نظام کا مقصد بھی لوگوں کو سزائیں دینا نہیں بلکہ اصلاح کرنا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ادرؤا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان وجدتم لمسلم مخرجا فخلوا سبيله فان الامام ان يخطأ فى العفو خير من ان يخطأ بالعقوبة۔ (۲)

---

(۱) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۱۲

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، ۴: ۳۳، رقم: ۱۴۲۴

۲۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۵۱۲، رقم: ۲۸۵۰۲

۳۔ دارقطنی، السنن، ۳: ۸۴، رقم: ۸

۴۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۴۲۶، رقم: ۸۱۶۲

←

''جہاں تک ممکن ہو سکے لوگوں سے سزاؤں کو دور کرو اگر اس کے لیے کوئی پنا گاہ ہے تو اسے پناہ میں جانے دو کیونکہ امام کا غلط سزا دینے سے معاف کرنا بہتر ہے۔''

مغرب میں شخصی آزادی کا حق

انسانی حقوق کے تناظر میں آزادی کا حق تمام متفقہ بین الاقوامی معاہدات میں زیرغور رہا ہے۔ تاہم اس دائرے کے بارے میں کوئی خصوصی تعریف وضع نہیں ہوئی جس کے اندر آزادی کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ لیکن اس تصور کو بنظرِ غائر دیکھنے کی کوششیں ضروری ہوئی ہیں تاکہ آزادی کی اصطلاح کے مفہوم، معنی اور مضمرات کو واضح کیا جاسکے۔ بطور مثال یورپی کنونشن برائے تحفظ حقوق انسانی (European Convention for the Protection of Human Rights, 1950) میں مذکور حق آزادی سے مراد طبعی فطری آزادی ہے۔ بعد ازاں (European Commission of Human Rights) نے اس تصور کو پھیلا دیا اور ایسی تراکیب استعمال ہونے لگیں جیسے'' شخصی آزادی'' ''اور فرد کی آزادی اور سلامتی'' جو یک طرفہ گرفتاری اور نظر بندی سے آزادی پر دلالت کرتی ہیں۔ مزید برآں Inter-Amercian Commission of Human Rights کے نزدیک یہ طے شدہ امر ہے کہ اذیت، وارنٹ گرفتاری، زیر حراست شخص کے بارے میں معلومات دینے سے انکار یا ان اشخاص کے معاملات سے متعلق بتانے سے انکار جو قانونی جواز کے بغیر تفتیش کے لیے منظر سے غائب کر دیئے گئے

------ ۵۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۲۳۸

۶۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۱: ۸۲، رقم: ۲۵۶

۷۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۵: ۳۳۱، رقم: ۲۸۵۶

۸۔ زیلعی، نصب الرایہ، ۳: ۳۰۹

۹۔ اندلسی، تحفۃ المحتاج، ۲: ۴۸۱، رقم: ۱۵۹۳

۱۰۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷: ۲۷۱

ہیں یہ سب کچھ امریکی اعلامیہ برائے انسانی حقوق و فرائض (The American Declaration of Rights & Duties of Man, 1948) کی خلاف ورزی کے ذیل میں آتا ہے۔

۱۷۔ مذہبی آزادی کا حق

کسی بھی معاشرے میں مذہبی آزادی اور اپنے ضمیر کے مطابق عمل کرنے کی سہولت ہی ایمان اور عبادت کی آزادی کی بنیاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے شعور اور ضمیر کے مطابق مذہب اختیار کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اسلام ہر شخص کو مذہبی آزادی کی ضمانت فراہم کرتا ہے اسلامی ریاست میں کوئی بھی شخص اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کرنے اور اس کے مطابق عبادت بجا لانے کا حق رکھتا ہے۔ اسلامی ریاست کسی بھی شخص کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرتی۔ اسلام نے افراد معاشرہ کو مذہبی فرائض و رسومات کی ادائیگی کا پورا حق عطا کیا ہے۔ اور اختیار مذہب میں کسی بھی نوعیت کے جبر کو روا نہیں رکھا۔ ارشاد ربانی ہے:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔(۱)

’’دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔‘‘

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ط اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ○(۲)

’’اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ضرور سب کے سب لوگ جو زمین میں آباد ہیں ایمان لے آتے (جب رب نے انہیں جبراً مومن نہیں بنایا) تو کیا آپ لوگوں

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۵۶

(۲) القرآن، یونس، ۱۰: ۹۹

پر جبر کریں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں؟‘‘

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ○ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ○ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ○(۱)

’’آپ فرما دیجئے اے کافرو!○ جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو میں ان کی پرستش نہیں کرتا○ اور تم بھی اس خدا کی عبادت نہیں کرتے جس کی عبادت میں کرتا ہو○ اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا○ اور نہ تم میرے معبود (واحد) کی پرستش کرو گے○ تم کو تمہارا دین اور مجھ کو میرا دین○‘‘

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ○ (۲)

’’اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (خدا و رسول کی مخالفت سے) بچتے رہو پھر اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف (احکام کا) واضح طور پر پہنچا دینا ہی ہے○‘‘

قرآن حکیم اس امر کی تشریح کرتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو بنی نوع انسان تک اللہ کا پیغام پہنچانے کیلئے بھیجا گیا۔ آپ کو بالجبر مسلمان بنانے کیلئے نہیں بھیجا گیا۔ آپ کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا کہ انسانیت پیغام حق کے ہر پہلو سے آگاہ ہو جائے۔ آپ کے اس منصب کو مختلف مقامات پر یوں بیان کیا گیا:

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ○ (۳)

---

(۱) القرآن، الکافرون، ۱۰۹:۱۔۶

(۲) القرآن، المائدہ، ۵:۹۲

(۳) القرآن، المائدہ، ۵:۹۹

’’رسول پر (احکام کاملاً) پہنچا دینے کے سوا (کوئی اور ذمہ داری) نہیں اور اللہ وہ (سب) کچھ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو٭‘‘

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ○ (۱)

’’اور اگر اللہ (ان کو جبراً روکنا) چاہتا تو یہ لوگ (کبھی) شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو (بھی) ان پر نگہبان نہیں بنایا اور نہ آپ ان پر پاسبان ہیں ٭‘‘

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ○ (۲)

’’فرما دیجئے اے لوگو! بیشک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے سو جس نے راہ ہدایت اختیار کی پس وہ اپنے ہی فائدے کے لیے اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہو گیا پس وہ اپنی ہی ہلاکت کے لیے گمراہ ہوتا ہے اور میں تمہارے اوپر داروغہ نہیں ہوں٭‘‘

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (۳)

’’سو اگر (پھر بھی) وہ روگردانی کریں تو (اے نبی معظم) آپ کے ذمہ تو صرف (میرے پیغام اور احکام کو) صاف صاف پہنچا دینا ہے٭‘‘

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ

---

(۱) القرآن، الانعام، ۶: ۱۰۷

(۲) القرآن، یونس، ۱۰: ۱۰۸

(۳) القرآن، النحل، ۱۶: ۸۲

كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا○ (۱)

''اور فرما دیجئے کہ (یہ) حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے بیشک ہم نے ظالموں کے لیے (دوزخ کی) آگ تیار کر رکھی ہے جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی اور اگر وہ (پیاس اور تکلیف کے باعث) فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا ان کے چہروں کو بھون دیگا کتنا برا مشروب ہے اور کتنی بری آرامگاہ ہے○''

فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ○ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ○(۲)

''پس آپ ان کو سمجھاتے رہیں آپ کا کام تو سمجھانا ہے○ آپ ان کو زبردستی منوانے والے تو نہیں○''

ان آیات مبارکہ میں مذہبی آزادی پر کسی قسم کی قدغن لگانے کی نفی کی گئی ہیں۔ اب آیات سے اس مغالطے کی بھی نفی ہوجاتی ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔ قرآن حکیم کسی بھی طور پر عدم برداشت کی اجازت نہیں دیتا حتی کہ اہل کفر کے مذہب اور طریقہ عبادت کی مذمت اور بے حرمتی کی اجازت نہیں۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○ (۳)

''اور (اے مسلمانو) تم ان جھوٹے معبودوں کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں پھر وہ لوگ (بھی جواباً) جہالت کے باعث ظلم

(۱) القرآن، الکہف، ۱۸: ۲۹

(۲) القرآن، الغاشیہ، ۸۸: ۲۱، ۲۲

(۳) القرآن، الانعام، ۶: ۱۰۸

کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی کرنے لگیں گے اسی طرح ہم نے ہر فرقہ (و جماعت) کے لیے ان کا عمل (ان کی آنکھوں میں) مرغوب کر رکھا ہے (اور وہ اسی کو حق سمجھتے رہتے ہیں) پھر سب کو اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ انہیں ان (اعمال کے نتائج) سے آگاہ فرمادیگا جو وہ انجام دیتے تھےo‘‘

حتی کہ دین کی تبلیغ کے معاملے میں بھی اہل اسلام کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اہل کفر سے انتہائی وقار اور تحمل سے بات کریں اور ان سے کوئی بھی جارحانہ و متشددانہ زبان استعمال نہ کریں۔

ارشاد ربانی ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَo (۱)

’’(اے رسول معظم) آپ اپنے رب کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو بیشک آپ کا رب اس شخص کو (بھی) جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہےo‘‘

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَo(۲)

’’اور اہل کتاب سے جب بحث و مباحثہ کرو تو بہت شائستہ انداز سے سوائے

(۱) القرآن، النحل، ۱۶:۱۲۵

(۲) القرآن، العنکبوت، ۲۹:۴۶

ان کے جو ان میں سے ظلم اور زیادتی کریں۔ اور ان سے کہو کہ ہم تو جو ہم پر اترا اس پر اور (جو) تم پر اترا اس پر بھی ایمان لائے اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں٥‘‘

اسلام نے نومسلموں کے ایمان پر شک کرنے سے بھی منع کیا۔ ایک ثقہ روایت کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے اس بات پر ناراضگی کا اظہار کیا کہانہوں نے ایسے شخص کو قتل کیا جو قتل کے وقت کلمہ پڑھ رہا تھا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر رہا تھا جب حضرت اسامہ نے عرض کیا کہ وہ اپنی جان کے تحفظ کے لیےکلمہ پڑھ رہا تھا۔ تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أفلا شققت عن قلبه حتى تعلم أقالها ام لا(۱)

’’کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ تجھے معلوم ہوگیا کہ اُس نے دل سے پڑھا ہے یا نہیں۔‘‘

ان آیات و احادیث سے واضح ہے کہ اِسلام نے حجت اور دلیل سے ہدایت و گمراہی کا فرق واضح کر دیا۔ اب اختیار مذہب کے معاملات میں مسلم معاشرے کے اقلیتی افراد کو مذہبی آزادی کا حق دیا جائے گا کہ وہ اسلامی معاشرے میں رہتے ہوئے دلائل

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۹۶، رقم: ۹۶
۲۔ ابوداؤد، السنن، ۳: ۴۴، رقم: ۲۶۴۳
۳۔ ابوعوانہ، المسند، ۱: ۶۸، رقم: ۱۹۲
۴۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۱۲۵، رقم: ۴۵۹۹
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۹، ۱۹۱، ۱۹۵
۶۔ بیہقی، شعب الایمان، ۴: ۳۳۹، رقم: ۵۳۱۹
۷۔ ابن مندہ، الایمان، ۱: ۲۰۶، ۲۰۷، رقم: ۶۱، ۶۲
۸۔ ابن عبد البر، التمہید، ۱۰: ۱۶۱
۹۔ ابن حزم، المحلی، ۱۰: ۳۶۸

وبراہین کی روشنی میں قبول اسلام کی راہ اپنائیں یا اپنے مذہب کی پیروی کریں۔

تاریخ انسانی میں مذہبی آزادی کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں دی جاسکتی جہاں نہ صرف اپنے مذہب اور عقیدہ کے فروغ کے لیے طاقت کے استعمال کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ دوسروں کے مذہب اور عقیدہ سے مداخلت کرنے سے بھی منع کیا گیا۔

۱۸۔ اِظہارِ رائے کی آزادی کا حق

اسلام جہاں الوہی اصولوں پر جمہوری معاشرے کے قیام کی تعلیم دیتا ہے وہاں وہ ان تمام حقوق و فرائض کا بھی جامع اور واضح انداز سے تعین کرتا ہے جو ایک فلاحی اور جمہوری معاشرے کے قیام کیلئے ضروری ہیں۔ اظہار رائے کی آزادی کے بغیر کسی بھی معاشرے میں جمہوری اقدار اور عدل و انصاف کی روایت تشکیل پذیر نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے اسلام نے نہ صرف ہر فرد کو اظہار رائے کی آزادی کا حق عطا کیا ہے بلکہ اہل اسلام کو اپنے اجتماعی معاملات اصول مشاورت پر استوار کرنے کی تعلیم بھی دی ہے:

وَ الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ○ (۱)

’’اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں○‘‘

وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ج فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ○ (۲)

’’اور آپ (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں پھر جب آپ پختہ ارادہ

(۱) القرآن، الشوری، ۴۲: ۳۸

(۲) القرآن، آل عمران، ۳: ۱۵۹

کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں۔ بے شک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہےo''

اظہار رائے کی آزادی میں حق تقریر، حق رائے، اختلاف اور تنقید کا حق اور جدید الفاظ میں صحافتی آزادی بھی شامل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شہریوں کے سوچنے، رائے رکھنے اور اپنی رائے کے اظہار کرنے میں ریاست کبھی بھی مداخلت نہیں کرے گی۔ اسلام نے یہ حق ہر فرد کو عطا کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا O(۱)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول (A) کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہےo''

اس آیت مبارکہ میں اپنے تنازعات کو الوہی قانون کی روشنی میں حل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ انسانی سطح پر کوئی بھی قانون اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ وہ کسی بھی تنازع کو طے کرتے ہوئے عدل کے تقاضے کو اس طرح پورا کرے کہ افراد معاشرہ کے اظہار رائے کا حق بھی محفوظ رہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُو الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۵۹

بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ○(۱)

''(یہ اہلِ حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے○''

اس آیت مبارکہ میں بھی نیکی کے پھیلانے اور برائی سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حکم کی حکمت بھی یہی ہے کہ کسی بھی معاشرے میں اس وقت ہی نیکی کا فروغ اور برائی کا قلع قمع ہوسکتا ہے جب وہاں اظہار رائے کی آزادی کا حق محفوظ ہو۔

قرآن حکیم نے حکومتی معاملات میں بھی مشاورت کے اصول کو اپنانے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ○(۲)

''(اے حبیبِ والا صفات) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تندخو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لیے بخشش مانگا کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں بے شک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے○''

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَ

---

(۱) القرآن، الحج، ۲۲:۴۱

(۲) القرآن، آل عمران، ۳:۱۵۹

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (۱)

''اور (ان کے لیے ہے) جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے (بجز فرائض اور ان معاملات کے جن میں مشورے کی ضرورت نہیں ہوتی) اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (خواہ مال و دولت ہو، یا علم و عرفان)o''

اصول مشاورت بیان کرنے والی یہ آیات بھی اظہار رائے کی آزادی کو بیان کرتی ہے۔ کیونکہ مشاورت کا عمل اس وقت تک انجام پذیر نہیں ہوسکتا جب تک حکمران عوام سے مشورہ طلب نہ کرے اور عوام اس وقت تک مشورہ نہیں دے سکتے جب تک کہ انہیں اظہار رائے کی آزادی کا حق نہ ہو۔ لہٰذا قرآن حکیم کا اصول مشاورت کو اپنانے کا حکم اس حکمت کا حامل ہے کہ اسلامی ریاست میں ہر شہری کو اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہوگا۔

سیرت نبوی میں ہمیں اس امر کی کئی مثالیں ملتی ہیں جہاں حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سے مختلف معاملات پر مشاورت کی غزوہ بدر، اسیرانِ بدر، غزوہ احد، غزوہ احزاب اور معاہدہ حدیبیہ میں حضور اکرم ﷺ نے فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔ ایک مشہور حدیث کے مطابق آپ نے ارشاد فرمایا:

إن من أعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر۔

''بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔'' (۲)

---

(۱) القرآن، الشوریٰ، ۴۲:۳۸

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۴۷۱، رقم: ۲۱۷۴

۲۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۱۲۴، رقم: ۴۳۴۴

۳۔ نسائی، السنن، ۷: ۱۶۱، رقم: ۴۲۰۹

۴۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، رقم: ۴۰۱۱، ۴۰۱۲ ←

حضور اکرم ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اسلام کی انہی زریں تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے جملہ معاملات میں باہمی مشاورت کے اصول پر عمل کیا۔ ان کے دور خلافت میں اظہار رائے کی آزادی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبہ جمعہ کے دوران ایک شخص نے کھڑے ہوکر آپ سے اعتراض کیا کہ وہ آپ کے خطبہ کو اس وقت تک نہیں سنیں گے جب تک کہ وہ اپنے کرتے کے لیے بیت المال سے زیادہ کپڑا لینے پر جواز فراہم نہ کردے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواتین کے حق مہر کی مقدار کے تعین کا ارادہ کیا تو ایک خاتون نے آپ کے اس فیصلے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ کیا آپ نے قرآن حکیم کی یہ آیت نہیں پڑھی:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَاتَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا۝(۱)

''اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو، کیا تم ظلم و بہشت کے ذریعے اور کھلا گناہ کر کے وہ مال (واپس) لو گے؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کرنے والی خاتون کی دلیل کو تسلیم کرتے ہوئے نہ صرف اپنا فیصلہ واپس لے لیا بلکہ اس کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے انہیں ایک غلطی سے

...... ۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۹، رقم: ۱۱۱۵۹

۶۔ رویانی، المسند، ۲: ۲۷۲، رقم: ۱۱۸۲

۷۔ ابن جعد، المسند، ۱: ۴۸۰، رقم: ۳۳۲۶

۸۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۵۵۱، رقم: ۱۵۴۳

۹۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۲۸۲، رقم: ۸۰۸۱

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۲۰

بچا لیا۔(۱)

۱۹۔ مریض کا حق

اسلام ہر فرد معاشرہ کو ایسا سماجی مقام دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معاشرے کا ایسا جزو تصور کرے جہاں اس کے ماحول کا ہر فرد اس کے دکھ درد میں برابر کا شریک ہے۔ سیرت نبوی ﷺ کی تعلیمات اس کا ہمہ گیر احاطہ کرتی ہیں۔ مریض جو قدرتی معذوری کے سبب معاشرے کا عضو فعال نہیں رہتا، اس امر کا مستحق ہے کہ اسے بھرپور توجہ دی جائے اسلام نے مریض کو وہ حقوق عطا کئے ہیں جو کسی دوسرے معاشرے میں نہیں دیکھے جاسکتے۔ آپ ﷺ نے افراد معاشرہ کو مریض کے معاشرتی، نفسیاتی، طبی اور سماجی حقوق کے تحفظ کی تلقین فرمائی کہ نہ صرف مریض کی صحت یابی کے لئے جملہ اقدامات کئے جائیں بلکہ اس کے نفسیاتی و سماجی مورال کو بھی بلند رکھا جائے:۔

عن ثوبان، عن النبي ﷺ، قال:إن المسلم إذا عاد أخاه المسلم لم يزل في خرفة الجنة حتى يرجع۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ابن حزم، الاحکام، ۲: ۲۴۵، ۲۴۴

۲۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۵: ۹۹

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۴۶۸

۴۔ عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۲۰۴

۵۔ مبارکپوری، تحفۃ الأحوذی، ۴: ۲۱۵

۶۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۲، ۱۵۵

۷۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۶: ۳۱۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۸۹، رقم: ۲۵۶۸

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۷: ۲۲۳، رقم: ۲۹۵۷

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۷۹، رقم: ۲۲۴۶۰

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۷: ۲۲۳، رقم: ۲۹۵۷

←

’’حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو لوٹنے تک گویا وہ جنت کے باغات میں ہوتا ہے۔‘‘

عن ثوير، هو ابن أبي فاختة، عن أبيه، قال: أخذ علي بيدي، قال: انطلق بنا إلى الحسن نعوده. فوجدنا عنده أبا موسى، فقال علي: أعائدا جئت، يا ابا موسى أم زائراً؟ فقال لا، بل عائداً(۱)

’’حضرت ثویر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا میرے ساتھ آؤ حسن کی عیادت کریں اور ہم نے دیکھا کہ حضرت ابو موسیٰ حسن کے پاس ہیں تو حضرت علی نے فرمایا اے ابو موسیٰ کیا تم حسن کی

........۵۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۲: ۴۴۳، رقم: ۱۰۸۳۲
۶۔ طیالسی، المسند، ۱: ۱۳۲، رقم: ۹۸۸
۷۔ ابن جعد، المسند، ۱: ۱۹۲: رقم: ۱۲۶۱
۸۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۳۸۰، رقم: ۶۳۷۱، ۶۳۷۲
۹۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۵۳۰، رقم: ۹۱۶۹
۱۰۔ تبریزی، مشکوۃ المصابیح، رقم: ۱۵۲۷

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، ۳: ۳۰۰، کتاب الجنائز، رقم: ۹۶۹
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۹۱، رقم: ۷۰۲
۳۔ ابویعلی، المسند، ۱: ۲۲۷، رقم: ۲۶۲
۴۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۲: ۴۴۳، رقم: ۱۰۸۳۵
۵۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۷: ۲۶۶، رقم: ۷۴۶۴
۶۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۵۰۱، رقم: ۱۲۹۴
۷۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۵۰۱، رقم: ۱۲۹۴
۸۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۳۸۰، رقم: ۶۳۷۶
۹۔ ابن مبارک، الزہد، ۱: ۲۵۴، رقم: ۷۳۱

عیادت کے لئے آئے تھے یا ملنے کے لئے تو ابو موسیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ میں عیادت کے لئے آیا ہوں۔‘‘

۲۰۔ طبی سہولیات کی فراہمی کا حق

اسلام نے جملہ فرائض کی ادائیگی کو صحت کے ساتھ مشروط ٹھہرایا ہے۔ مریضوں کو فرائض کی ادائیگی میں رعایت عطا کی گئی ہے۔ مریضوں کو جہاں عیادت اور مزاج پرسی کا سماجی و معاشرتی حق عطا کیا گیا ہے وہاں انہیں یہ حق بھی دیا گیا ہے کہ وہ اپنی صحت کی بحالی کیلئے علاج و معالجہ کے لئے اقدامات کرسکیں۔ بیماری کی وجہ سے عبادات اور فرائض میں رعایت کے احکامات قرآن حکیم نے یوں بیان کئے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُ وْ سَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مهنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ○(۱)

’’اور حج اور عمرہ (کے مناسک) اللہ کے لئے مکمل کرو، پھر اگر تم (راستے میں) روک لیے جاؤ تو جو قربانی بھی میسر آئے (کرنے کے لیے بھیج دو) اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ منڈواؤ جب تک قربانی (کا جانور) اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے، پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (اس وجہ سے قبل از وقت سر منڈوالے تو اس کے) بدلے میں روزے (رکھے) یا صدقہ (دے) یا قربانی (کرے) پھر جب تم اطمینان کی حالت میں ہو تو جو

(۱) القرآن، البقرہ، ۲:۱۹۶

کوئی عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے کا فائدہ اٹھائے تو جو بھی قربانی میسر آئے (کردے) پھر جسے یہ بھی میسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے (زمانہ) حج میں رکھے اور سات جب تم حج سے واپس لوٹو، یہ پورے دس (روزے) ہوئے، یہ (رعائیت) اس کے لئے ہے جس کے اہل و عیال مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہےo''

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo (۱)

''ضعیفوں (کمزوروں) پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ (ہی) ایسے لوگوں پر ہے جو اس قدر (وسعت بھی) نہیں پاتے جسے خرچ کریں جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کیلئے خالص و مخلص ہوچکے ہوں، نیکوکاروں (یعنی صاحبان احسان) پر الزام کی کوئی راہ نہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہےo''

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًاo (۲)

''نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے نہ لنگڑے پر کوئی گناہ اور نہ بیمار پر کوئی گناہ (کہ وہ جہاد میں شریک نہ ہو سکے) اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں اور جو کوئی روگردانی کرے گا (اللہ) اسے دردناک عذاب دے گاo''

---

(۱) القرآن، التوبہ، ۹: ۹۱

(۲) القرآن، الفتح، ۴۸: ۱۷

مغربی قانون اور طبی سہولیات کا حق

صحت کی نگہداشت اور طبی سہولیات پر ہر ایک کا حق ہے تا کہ ممکنہ حد تک زیادہ سے زیادہ معیارِ صحت برقرار رکھا جاسکے۔ اس کی یقین دہانی 1948ء کے Universal Declaration of Human Rights، 1966ء کے The International Covenant on Economic, Social and Cultural Rights، 1948ء کے The American Declaration of Rights and Duties ofMan اور 1981ء کے The African Charter on Human and People's Rights میں کرائی گئی ہے۔ یورپی ماہرین کی کمیٹی (European Committee of Experts) نے جانچ پرکھ کے لئے کچھ بنیادی اصول مقرر کئے ہیں جن کی موجودگی کسی ملک کی طرف سے فرائض اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کی شہادت فراہم کرسکتی ہے۔ جانچ پرکھ کے ان اصولوں کے مطابق یورپین سوشل چارٹر 1961ء کے تحت ایک ریاست اپنے فرض کو ادا کرنے کی حالت میں اس وقت متصور ہوگی جب وہ طبی اور صحت کے علاج معالجہ کا نظام قائم کرے گی تا کہ لوگوں کو ضروری حد تک مناسب طبی خدمات فراہم کی جاسکیں۔

European Committee of Experts نے طے کیا ہے کہ منشور کا پابند کوئی ملک مذکورہ آرٹیکل کے تحت اپنی ذمہ داری سے سبکدوش سمجھا جائے اگر وہ اس امر کی شہادت فراہم کر دے کہ وہ درج ذیل پر مشتمل طبی خدمات اور صحت کے نظام کو وجود میں لے آیا ہے:

ا۔ عوامی صحت کے لیے کئے گئے انتظامات کے تحت میڈیکل اور تربیت یافتہ نگران طبی عملہ اور صحت کے بڑے مسائل کی مناسبت سے موزوں سامان و آلات اور ان انتظامات کو یقینی بنانا ہوگا:

ا۔ تمام تر آبادی کے لئے مناسب طبی سہولیات

ب۔ بیماری کی تشخیص اور روک تھام

۲۔ ماؤں، بچوں اور بوڑھوں کے لئے حفظان صحت کے خصوصی اقدامات

۳۔ عمومی اقدامات جو پانی اور ہوا کی آلودگی روکنے کے لئے بالخصوص اٹھائے جائیں۔ تابکار اشیاء کے اثرات سے تحفظ، شور میں کمی، غذائی کنٹرول، تحفظِ ماحول وصحت اور شراب نوشی ومنشیات کی روک تھام

۴۔ تعلیمِ صحت کا نظام

۵۔ حفاظتی ٹیکے، جراثیم کش ادویات کا چھڑکاؤ اور متعدی و بائی امراض کی روک تھام، علاقائی اور وبائی امراض پر قابوپانے کے ذرائع کی فراہمی، اجتماعی تنظیموں کی طرف سے تمام یا کم ازکم خدمات صحت کے مصارف کے خاطر خواہ حصے کی برداشت۔(۱)

یہاں یہ ذکر کرنا اہم ہوگا کہ اسلامی قانون کے تحت مذکورہ بالا اصولوں کا محکمہ عدالت کے مسلم ارباب اختیار محتاط انداز سے جائزہ لیتے رہیں۔ معاصر ممالک بالخصوص وہ جنہیں ہم ترقی یافتہ کہتے ہیں سے متعلق یہ بات عیاں ہے کہ محولہ بالا تصوراتِ حقوق انسانی میں عوامی ویلفیئر کا پہلونمایاں طور پر قابلِ ذکر ہے۔(۲)

وہ بین الاقوامی قوانین و معاہدات جن کا ہم جائزہ لیتے رہے ہیں انہوں نے مزید حقوق کو انسانی حقوق کے دائرے میں شامل کرنے کا اعلان کیا ہے۔ ان حقوق کی شمولیت سے فی الواقعہ انسانی حقوق میں مزید وسعت پیدا ہوگئی ہے اور انسانی غور طلب امور کے بہت سے اہم گوشے خاص طور پر ہمارے سامنے آئے ہیں۔ مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ ''سول اور سیاسی حقوق'' اور'' اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق'' کے دوگروہ جن کی بین الاقوامی معاہدات نے توثیق کی ہے، سے کئی حقوق اور بنی نوع انسان سے متعلق امور نکھر کر سامنے آئے ہیں جو انسانی حقوق کے جدید تصور سے مطابقت رکھتے ہیں۔

۲۱۔ ملکیت کا حق

اسلام کے عطا کردہ حق ملکیت میں کمانے، مال رکھنے، مال و متاع سے نفع

(1) Sieghart, *The International Law of Human Rights*, pp. 195-198.

(2) Levine, *Human Rights and Freedom*, p. 140.

حاصل کرنے اور مال و متاع کو قانونی طور پر فروخت کرنے، تحفہ دینے، تبادلہ کرنے یا اس کے بارے میں وصیت کرنے کا حق بھی شامل ہے۔ اسلام نے ملکیت کے باب میں انسان کو یہ حقوق آج سے چودہ سال قبل عطا کئے جب ابھی انسان تہذیب نے ارتقا کا یہ سفر طے نہیں کیا تھا۔ قرآن نے حق ملکیت کی ان مختلف جہتوں کو درج مقامات پر بیان کیا

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ط وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ط وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا ○ (۱)

''اور تم اس چیز کی تمنا نہ کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو، بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○''

وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى ○ وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ○ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ○ (۲)

''اور یہ کہ ہر انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے ○ اور یہ کہ اس کی سعی جلد ہی سامنے آجائے گی ○ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ○''

وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (۳)

''اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطور رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی)

(۱) القرآن، النساء، ۴:۳۲

(۲) القرآن، النجم، ۵۳: ۳۹۔۴۱

(۳) القرآن، البقرہ، ۲:۱۸۸

ناجائز طریقے سے کھاسکو حالانکہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)o''

اسلام انسان کو جائز ذرائع سے حاصل کردہ دولت رکھنے اور اسے استعمال کرنے کا حق عطا کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی کئی آیات انفرادی حق ملکیت کو بیان کرتی ہے ارشاد ربانی ہے:

وَ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّهۡلُکَةِ وَ اَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَO (۱)

''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو، بیشک اللہ نیکوکاروں سے محبت فرماتا ہے o''

یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبۡتُمۡ وَ مِمَّا اَخۡرَجۡنَا لَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الۡخَبِیۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَلَسۡتُمۡ بِاٰخِذِیۡهِ اِلَّا اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِیۡهِ وَاعۡلَمُوۡا اَنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌO(۲)

''اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو، اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کرلو، اور جان لو کہ بیشک اللہ بے نیاز لائق ہر حمد ہےo''

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَکِّیۡهِمۡ بِهَا وَ صَلِّ عَلَیۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌO (۳)

''آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲:۱۹۵

(۲) القرآن، البقرہ، ۲:۲۶۷

(۳) القرآن، التوبہ، ۹:۱۰۳

(صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعث) تسکین ہے اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے o‘‘

قرآن حکیم کی وہ آیات جن میں اہل ایمان کو صدقات، زکوۃ اور خیرات کی تلقین کی گئی ہیں ان سے انفرادی حق ملکیت از خود ثابت ہوجاتا ہے تاہم انفرادی حق ملکیت کو اسلام نے تصور امانت پر استوار کرتے ہوئے کچھ شرائط سے مشروط کیا ہے۔ کوئی بھی اپنی دولت غیر شرعی امور پر خرچ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح اسراف اور بیجا خرچ کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اسلام نے انفرادی ملکیت کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے کے افراد پر ایسی معاشی ذمہ داریاں بھی عائد کی ہیں جن کا تعلق اجتماعی مفاد سے ہیں۔

۲۲۔ بنیادی ضروریات کی کفالت کا حق

اسلام نے ہر شخص کو خوراک، لباس اور رہائش کی بنیادی ضروریات کا حق ادا کیا ہے۔ یہ ہر شخص کا بنیادی حق ہے کہ اسے اور اس کے خاندان کو بنیادی انسانی ضروریات فراہم کی جائیں۔ افراد معاشرہ کو یہ قانونی حق حاصل ہے کہ وہ ریاست کی اطاعت سے قبل اس سے ان حقوق کا مطالبہ کریں۔ اس لیے اسلامی ریاست کو صاحب حیثیت شہریوں سے زکوۃ، عشر اور دیگر مدات میں رقم لینے کا حق دیا گیا ہے تاکہ مستحق لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے ذرائع میسر کرسکیں۔ قرآن حکیم کی درج ذیل آیات اس مضمون کو بیان کرتی ہیں:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌo (۱)

(۱) القرآن، الانفال، ۸: ۴۱

’’اور جان لو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے پایا ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے (ہے) اور یتیموں اور مسافروں اور محتاجوں کے لئے ہے۔ اگر تم اللہ پر اور اس (وحی) پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے (برگزیدہ) بندے پر (حق و باطل کے درمیان) فیصلے کے دن نازل فرمائی وہ دن (جب میدان بدر میں مومنوں اور کافروں) کے دونوں لشکر باہم مقابل ہوئے تھے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہےo‘‘

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌo(۱)

’’بیشک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کئے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لئے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور قرضہ داروں کے بوجھ اتارنے میں اور اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والوں پر) مسافروں پر زکوٰۃ (کا خرچ کیا جانا حق ہے) یہ سب اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہےo‘‘

مَآ اَفَآءَ اللهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللهَ ؕ اِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِo(۲)

(۱) القرآن، التوبہ، ۹:۶۰

(۲) القرآن، الحشر، ۵۹:۷

’’جو مال (بلا جنگ کے) اللہ نے اپنے رسول کو (دوسری) بستیوں کے (کافر) لوگوں سے دلوایا تو وہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے اور (یہ مال رسول کے) عزیزوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں (سب مال) انہیں میں نہ پھرتا رہے اور جو کچھ رسول تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمادیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو (یاد رکھو کہ) بے شک اللہ کا عذاب سخت ہےo‘‘

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌo (۱)

’’آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرمادیجئے جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے) مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہےo‘‘

وَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo (۲)

’’اوران کے مال میں ہر مانگنے والے اور نہ مانگنے والے کا حق ہوتا تھاo‘‘

مَاسَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَo قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ o وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَo (۳)

’’تم کو کس بات نے دوزخ میں پہنچا دیاo وہ کہیں گے: ہم نماز نہ پڑھتے تھے (یعنی ہم نے اپنے رب کے سامنے سر نہ جھکایا)o اور ہم محتاجوں کو کھانا (بھی)

(۱) القرآن، البقرہ، ۲:۲۱۵

(۲) القرآن، الذٰریٰت، ۵۱:۱۹

(۳) القرآن، المدثر، ۷۴:۴۲۔۴۴

نہ کھلاتے تھے o‘‘

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًاo وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًاo اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًاo(۱)

’’اپنی منتوں کو پورا کرتے ہیں اوراس (قیامت کے) دن سے ڈرتے ہیں جس (دن) کی مصیبت پھیل پڑے گیo اور (یہ وہ لوگ ہیں جو) مسکین، یتیم اور قیدی کو اس کی (یعنی اللہ کی) محبت میں کھانا کھلاتے ہیں o (ان کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ) ہم تم کو محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے کوئی معاوضہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ o‘‘

مغربی قانون میں بنیادی ضروریات کا حق

1948ء کے Universal Declaration of Human Rights کے مطابق معیارِ بودو باش میں ابتدائی ضروریات شامل ہیں جو انسانی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے درکار ہیں۔ اس ڈیکلیریشن کے آرٹیکل 22 میں ہر ایک کو معاشرتی تحفظ کا حق دیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ اس حق کی فراہمی کے لئے قومی مساعی اور بین الاقوامی تعاون کو بروئے کار لایا جائے۔ آرٹیکل نمبر 25 معاشرتی سلامتی کی اصطلاح کے مفہوم اور شرائط کو خصوصی طور پر اجاگر کرتا ہے جس سے مراد زندگی گذارنے کا وہ معیار ہے جو افراد کی صحت اور بہبود کے لئے مناسب ہے جس میں خوراک، کپڑے، مکان، طبی علاج معالجہ اور ضروری معاشرتی خدمات شامل ہیں بالخصوص بے روزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اورافلاس وغربت کے ان حالات میں جو کسی کے بس سے باہر ہیں۔(۲)

1966ء کے The International Covenant on Economic

(۱) القرآن، الدہر، ۷۶:۷۔۹

(2) i. Levine, *Human Rights and Freedom*, p. 140.
ii. Sieghart, *The International Law of Human Rights*, pp. 193, 194.

Social and Cultural Rights میں بالصراحت ان ریاستوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اس کنونشن کی فریق ہیں اور انہوں نے ذمہ داری لی ہے کہ وہ ہر فرد کو احتیاج اور بھوک سے محفوظ کرنے اور لوگوں کے حالاتِ زندگی بہتر بنانے کے لئے مسلسل ضروری طور پر مناسب اقدام کریں گے۔ یہ اصول 1948ء کے Universal Declaration of Human Rights سے اخذ کئے گئے ان ناگزیر امور کا بیان ہیں جو انسان کے شرف و وقار اور اس کی شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لئے درکار ہیں۔

۲۳۔ تعلیم کا حق

اسلام اس لحاظ سے دنیا کے دیگر تمام مذاہب اور نظام ہائے حیات سے ممتاز ہے کہ اس کا حرف آغاز اقرا یعنی تعلیم سے متعلق ہے۔ اقرا سے قرآن حکیم کا آغاز کرکے جہاں اہل اسلام کو حصول علم کا پابند ٹھہرایا گیا وہاں دوسرے الفاظ میں انہیں یہ حق بھی عطا کر دیا گیا کہ وہ اسلامی ریاست میں بغیر کسی قدغن یا پابندی کے علم حاصل کر سکے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ○(۱)

’’(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھئے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایاo اس نے انسان کو (رحم مادر میں جونک کی طرح) معلق وجود سے پیدا کیاo پڑھیئے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہےo جس نے قلم کے ذریعے لکھنے پڑھنے کا علم سکھایاo جس نے انسان کو (اس کے علاوہ بھی) وہ (کچھ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھاo‘‘

قرآن حکیم نے اہل علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ صرف

(۱) القرآن، العلق، ۹۶:۱۔۵

اہل علم و دانش ہی ہیں جو قرآن حکیم سے اخذ نصیحت کر سکتے ہیں:

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (۱)

''اور صرف وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو صاحبِ عقل و دانش ہیں ○''

قرآن حکیم نے نہ صرف علم کی فضیلت کو بیان کیا ہے بلکہ متعلقات علم کو بھی سزاوار شرف و منزلت ٹھہرایا:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ○ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ○ (۲)

''نون، قسم ہے قلم کی اور ان (فرشتوں یا اہل قلم کے) لکھنے کی ○ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں ○''

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو جس واحد شے کی طلب کی تلقین کی وہ علم ہے:

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ○ (۳)

''پس اللہ بلند شان والا ہے وہی بادشاہ حقیقی ہے اور آپ قرآن (کے پڑھنے) میں جلدی نہ کیا کریں قبل اس کے کہ اس کی وحی آپ پر پوری اتر جائے اور آپ (رب کے حضور یہ) عرض کیا کریں کہ اے میرے رب! مجھے علم میں اور بڑھا دے ○''

۲۴۔ معاہدہ کرنے کا حق

اسلام نے تجارتی اور دیگر سرگرمیوں کے حوالے سے مختلف اصول وضوابط بیان

(۱) القرآن، البقرہ، ۲:۲۶۹

(۲) القرآن، القلم، ۶۸:۱،۲

(۳) القرآن، طٰہٰ، ۲۰:۱۱۴

کرتے ہوئے معاہدہ کرنے کے بنیادی حق کو بھی بیان کیا۔ اسلامی ریاست کا ہر شہری دوسرے شہری سے معاہدہ کرسکتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی قانونی مانع حائل نہ ہو۔معاہدہ کرنے کی اخلاقیات کو بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم نے یہ تعلیم دی کہ اہل ایمان کا کردار یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایمانتوں کا لحاظ اور معاہدوں کی پابندی کرتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ○(۱)

''اور (یہ وہ لوگ ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں○''

۲۵۔ اَزدواجی زندگی کا حق

نسل انسانی کے فروغ کے لئے معاشرے میں پاکیزہ ازدواجی زندگی کا قیام اور افراد معاشرہ کو ازدواجی زندگی کا حق دیا جانا ضروری ہے۔قرآن حکیم نے اسلامی معاشرے کے افراد کو نہ صرف ازدواجی زندگی کا حق عطا کیا بلکہ ازدواجی زندگی کے قیام کو اپنی نشانی قرار دیا:

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً(۲)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔''

ایک پاکیزہ معاشرے میں یہ ضروری ہے کہ شادی کے قابل لوگ زیادہ دیر مجرد نہ رہیں تاکہ بلا وجہ کی شہوانی لہر سماج کی فضا کو زہر آلود نہ کرسکے۔ شادی کے نتیجے میں ایک دوسرے کے لئے سکون و اطمینان کے ساتھ مودّت و رحمت وہ بنیادی چیز ہے جو انسانی نسل کے برقرار رہنے کے علاوہ انسانی تہذیب وتمدن کے وجود میں آنے کا ذریعہ

(۱) القرآن، المعارج، ۷۰: ۳۲

(۲) القرآن، الروم، ۳۰: ۲۱

بنتی ہے، اس کی بدولت گھر بنتا ہے، خاندان اور قبیلے وجود میں آتے ہیں اور اس کی بدولت انسانی زندگی اور تمدن میں نشوونما ہوتی ہے۔ اس لئے ازدواجی زندگی کو، جو ایک سماجی حق بھی ہے، حضور اکرم ﷺ نے اپنی سنت اور طریقہ قرار دے کر عبادت کا تقدس عطا کر دیا۔

۲۶۔ خاندان کے قیام کا حق

معاشرتی زندگی کے صحت مندانہ فروغ کیلئے خاندان کی تشکیل بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام نے ہر فرد کو خاندانی زندگی کا حق عطا کیا ہے اور پھر ان تمام عوامل و موثرات کا مناسب سدباب بھی کیا ہے جو ایسے اسباب کا باعث بن سکتے ہیں جن سے خاندانی زندگی اختلال کا شکار ہو جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ (۱)

”اور تم اپنے مردوں اور عورتوں میں سے ان کا نکاح کر دیا کرو جو بغیر ازدواجی زندگی کے (رہ رہے) ہوں اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کا بھی (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ محتاج ہوں گے (تو) اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دیگا اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے ○“

۲۷۔ میت کا حق

اسلام تکریم انسانیت کی تعلیم عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انسان کی پیدائش سے اس کے حقوق کا تعین کیا اور پھر یہ حقوق بعد از موت بھی اسے حاصل ہوتے ہیں۔ مرنے کے بعد اگرچہ اس کا رابطہ اس عالم ارضی سے منقطع ہو جاتا ہے مگر اس کے حقوق ہرگز ختم نہیں ہوتے بلکہ اس کی تکریم، عزت اور میت کے وقار کا لحاظ دوسرے افراد معاشرہ پر لازم ہوتا ہے:

---

(۱) القرآن، النور، ۲۴:۳۲

عن أنس، قال: مر علی رسول الله ﷺ بجنازة فأثنوا علیها خیرا، فقال رسول الله ﷺ وجبت ثم قال "أنتم شهداء الله في الأرض"۔(۱)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا۔ تو لوگوں نے اس میت کی تعریف کی۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اس کے لئے (جنت) واجب ہوگئی۔پھر ارشاد فرمایا: تم لوگ زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔''

من شهد الجنازة حتی یصلی فله قیراط و من شهد حتی تدفن کان

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، ۳:۳۷۳، رقم: ۱۰۵۹
۲۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۳۴، رقم: ۳۴۹۹
۳۔ ابوداؤد، السنن، ۳: ۲۱۸، رقم: ۳۲۳۳
۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۱: ۶۲۹، رقم: ۲۰۶۰
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۶۱، رقم: ۷۵۴۳
۶۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۶۶، رقم: ۱۰۰۱۴
۷۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۹۸، رقم: ۱۰۴۷۶
۸۔ ابن حبان، الصحیح، ۷: ۲۹۲، رقم: ۳۰۲۳
۹۔ ابویعلی، المسند، ۶: ۹۴، رقم: ۳۳۵۲
۱۰۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۷۵، رقم: ۶۹۷۷
۱۱۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۴: ۱۸۰، رقم: ۵۳۳۵
۱۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۲۱۹، رقم: ۱۳۱
۱۳۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجہ، ۱: ۳۱۱، رقم: ۴۲۲۱
۱۴۔ مناوی، فیض القدیر، ۲: ۵۴۸۰
۱۵۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۱: ۲۹۵، رقم: ۹۷۷

له قيراطان قيل وما القيراطان؟ قال مثل الجبلين العظيمين۔(۱)

''جو شخص جنازہ کے ساتھ چلے حتی کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے، اس کے لئے ایک قیراط اجر ہے اور جو اس کے ساتھ چلے یہاں تک کہ دفن کیا جائے اس کے لئے دو قیراط ہیں آپ سے پوچھا گیا کہ یہ دو قیراط کیا ہیں؟ فرمایا: جیسے دو بڑے بڑے پہاڑ۔''

عن أبي الأسود الديلي، قال: قدمت المدينة فجلست إلى عمر بن الخطاب، فمروا بجنازة فأثنوا عليها خيرا، فقال عمر: وجبت فقلت لعمر: وما وجبت؟ قال: أقول كما قال رسول الله ﷺ: "ما من مسلم يشهد له ثلاثة إلا وجبت له الجنة" قال:قلت: واثنان؟۔ قال: "و إثنان''، قال:''ولم نسأل رسول الله ﷺ عن

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۴۴۵، رقم: ۱۲۶۱
۲۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۶۵۳، رقم: ۹۴۵
۳۔ نسائی، السنن، ۴: ۵۸، رقم: ۱۹۹۵
۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۱: ۶۴۵، رقم: ۲۱۲۲
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۰۱، رقم: ۹۱۹۷
۶۔ ابن حبان، صحیح، ۷: ۳۴۷، رقم: ۳۰۷۸
۷۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۴۱۲، رقم: ۶۵۳۶
۸۔ اصبہانی، المسند المستخرج، ۳: ۲۸، رقم: ۲۱۱۵
۹۔ نووی، شرح صحیح مسلم، ۷: ۱۳
۱۰۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۴: ۱۷۶، رقم: ۵۳۱۵
۱۱۔ مناوی، فیض القدیر، ۶: ۸۱
۱۲۔ ابن قدامہ، المغنی، ۲: ۱۷۴
۱۳۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۴: ۹۲

الواحد۔(۱)

’’حضرت ابو الاسود الدیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مدینہ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ وہاں ایک جنازہ آیا اور لوگوں نے میت کی تعریف کی تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: واجب ہوگئی میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا واجب ہوگئی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ جب بھی کسی مسلم کے لئے تین آدمی (اچھی) گواہی دیں تو اس کے لئے جنت واجب ہوجاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا اگر دو گواہی دیں تو؟ آپ نے فرمایا: ہاں دو پر بھی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک کی گواہی کے بارے میں نہیں پوچھا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انه مربقبرين يعذبان فقال انهما ليعذبان و ما يعذبان فی كبير اما احدهما فكان لايستتر من البول واما الاخر فكان يمشی بالنميمة ثم اخذ جريدة رطبة فشقها بنصفين ثم غرز فی كل قبر واحدة فقالوا يا رسول الله لم صنعت هذا فقال لعله ان يخفف عنهما ما لم

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، ۳، ۳۷۳، رقم: ۱۰۵۹
۲۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۴۶۰، رقم: ۱۳۰۲
۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۱: ۲۶۹، رقم: ۲۰۶۱
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۰، رقم: ۲۰۴
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۷: ۲۹۷، رقم: ۳۰۲۸
۶۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۳: ۴۷، رقم: ۱۱۹۹۶
۷۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۷۵، رقم: ۶۹۷۸
۸۔ حسینی، البیان والتعریف، ۱: ۳۲۰، رقم: ۸۶۲

ییبسا۔(۱)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ دو قبروں کے پاس سے گزرے ان دونوں پر عذاب ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ان دونوں پر عذاب اور کسی بڑے امر میں ان پر عذاب نہیں ہو رہا ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا پھرتا تھا پھر ایک تر شاخ لی اور اس کے دو ٹکڑے کئے پھر ہر قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے یہ کس مصلحت کی بنا پر کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے جب تک کہ یہ خشک نہ ہوں۔''

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱:۸۸، رقم: ۲۱۵

۲۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۴۵۸، رقم: ۱۲۹۵

۳۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۶۱۷، رقم: ۴۱۸۶

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۱: ۶۶۴، رقم: ۲۱۹۶

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۶

۶۔ دارمی، السنن، ۱: ۲۰۵ رقم: ۷۳۹

۷۔ ابوعوانہ، المسند، ۱: ۱۶۸، رقم: ۴۹۵

۸۔ عبدالرزاق، المصنف، ۳: ۵۸۹، رقم: ۶۷۵۴

۹۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۳: ۵۲، رقم: ۱۲۰۴۵

۱۰۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۱۲، رقم: ۳۹۴۲

۱۱۔ بیہقی، السنن الصغریٰ، ۱: ۵۵، رقم: ۵۱

۱۳۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۳۰، رقم: ۴۱۲۷

۱۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۲۱۶، رقم: ۷۸۶۹

۱۵۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴: ۳۴۶، رقم: ۴۳۹۴

۱۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۲۰۸

۱۷۔ عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۱۳۸، رقم: ۴۱۷۴

قال ابن عباس رضی اللہ عنهما مر النبی ﷺ علی قبرین فقال انهما یعذبان و ما یعذبان من کبیر ثم قال بلی اما احدهما فکان یسعی بالنمیمة و اما احدهما فکان لا یستتر من بوله قال ثم اخذ عودا رطبا فکسره باثنتین ثم غرز کل واحد منهما علی قبر ثم قال لعله یخفف عنهما ما لم ییبسا(۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گذرے اور فرمایا: ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے کام کی وجہ سے ان پر عذاب نہیں ہو رہا پھر فرمایا کہ ان میں سے ایک چغلی کھاتا پھرتا تھا اور دوسرا پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے تر لکڑی لی اس کے دو ٹکڑے کئے اور ایک ایک ٹکڑا ہر ایک قبر پر گاڑ دیا پھر فرمایا کہ شاید ان دونوں کے عذاب میں تخفیف ہو جائے جب تک یہ دونوں لکڑیاں خشک نہ ہو جائیں۔‘‘

حضور اکرم ﷺ نے مردوں کو برا بھلا کہنے اور ان کی عزت و تکریم کے منافی گفتگو کرنے سے منع فرمایا:

عن عآئشة قالت قال النبی ﷺ لا تسبوا الاموات فانهم قد افضوا الی ما قدموا۔(۲)

---

(۱) بخاری، الصحیح، ۱: ۴۶۴، رقم: ۱۳۱۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۴۷۰، رقم: ۱۳۲۹
۲۔ بخاری، الصحیح، ۲۳۸۸، رقم: ۶۱۵۱
۳۔ نسائی، السنن، ۴: ۵۳، رقم: ۱۹۳۶
۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۱: ۶۳۰، رقم: ۲۰۶۳
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۸۰، رقم: ۲۵۵۰۹

←

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مُردوں کو برا بھلا نہ کہو، اس لئے کہ وہ لوگ اس سے مل چکے ہیں جو انہوں نے پہلے بھیجا ہے۔‘‘

میت کے حقوق میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کے پس ماندگان اس پر واجب حج، نذر یا قرض کی ادائیگی کریں۔ درج ذیل حدیث مبارکہ اس باب میں رہنمائی فراہم کرتی ہے:

عن ابن عباس رضی الله عنهما ان امراة من جهينة جآءت الى النبی ﷺ فقالت ان امی نذرت ان تحج فلم تحج حتى ماتت أفحج عنها قال: نعم حجی عنها ارايت لو كان على امك دين اكنت قاضيته اقضوا الله فالله احق بالوفآء۔(۱)

........۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۷: ۲۹۱، رقم: ۳۰۲۱
۷۔ دارمی، السنن، ۲: ۳۱۱، رقم: ۲۵۱۱
۸۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۵۴۱، رقم: ۱۴۱۹
۹۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۷۵، رقم: ۶۹۷۹
۱۰۔ بیہقی، شعب الایمان، ۵: ۲۸۷، رقم: ۶۶۷۸
۱۱۔ ابن راہویہ، المسند، ۳: ۶۲۳، رقم: ۱۱۹۹
۱۲۔ مقدسی، الاحادیث المختارہ، ۲: ۳۳۸
۱۳۔ قزوینی، الارشاد، ۲: ۴۷۳، رقم: ۱۹۶
۱۴۔ ہیثمی، موارد الظمآن، ۱: ۴۸۷، رقم: ۱۹۸۵

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۶۵۶، رقم: ۱۷۵۴
۲۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۴: ۱۵۲
۳۔ عسقلانی، الاصابۃ، ۳: ۱۸۹، رقم: ۳۵۰۹
۴۔ حسینی، البیان والتعریف، ۱: ۱۲۸، رقم: ۳۳۳
۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۲: ۷۰
۶۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۵: ۱۱

”ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جہینہ کی ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن وہ حج نہ کرسکی اور مرگئی تو کیا میں اس طرف سے حج کروں، آپ نے فرمایا: ہاں اس کی طرف سے حج کر اگر تیری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا نہ کرتی اللہ تعالیٰ کا حق تو اور بھی پورا کئے جانے کا مستحق ہے۔“

اگر میت پر کسی کا قرض ہوتو اس کا حق ہے کہ اسے دوسرے کی طرف منتقل کر دیا جائے۔

عن سلمة بن الاكوع قال كنا جلوسا عند النبى صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذ اتى بجنازة فقالوا صل عليها فقال هل عليه دين قالوا لا قال فهل ترك شيئا قالوا لا فصلى عليه ثم اتى بجنازة اخرى فقالوا يا رسول الله صل عليها قال هل عليه دين قيل نعم قال فهل ترك شيئا قالوا ثلثة دنا نير فصلى عليها ثم اتى بالثالثة فقالوا صل عليها قال هل ترك شيئا قالوا لا قال فهل عليه دين قالوا ثلثة دنانير قال صلوا على صاحبكم قال ابو قتادة صل عليه يا رسول الله و علىّ دينه فصلى عليه(۱)

”سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس اثنا میں ایک جنازہ لایا گیا لوگوں نے عرض کیا اس پرنماز پڑھ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۷۹۹، رقم: ۲۱۶۸
۲۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۸۰۰، رقم: ۲۱۶۸
۳۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۲: ۳۱، رقم: ۱۳۸۱
۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۴۰
۵۔ اندلسی، تحفۃ المحتاج، ۲: ۲۶۸، رقم: ۱۲۷۴

دیں آپ نے فرمایا اس پر کوئی قرض ہے ہم نے کہا نہیں آپ نے فرمایا اس نے کوئی چیز چھوڑی ہے لوگوں نے کہا تین دینار تو آپ نے اس پر نماز پڑھی پھر ایک دوسرا جنازہ لایا گیا لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس پر نماز پڑھ دیں آپ نے فرمایا کیا اس پر کوئی قرض ہے لوگوں نے جواب دیا ہاں آپ نے فرمایا اس نے کوئی چیز چھوڑی ہے، لوگوں نے کہا نہیں تو آپ نے اس پر نماز پڑھی، پھر ایک تیسرا جنازہ لایا گیا۔ تو لوگوں نے عرض کیا آپ اس پر نماز پڑھ دیں آپ نے فرمایا اس نے کوئی چیز چھوڑی ہے لوگوں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا اس پر قرض ہے لوگوں نے کہا تین دینار، آپ نے فرمایا تم اپنے ساتھی پر نماز پڑھ لو، ابوقتادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس پر نماز پڑھیں میں اس کے قرض کا ذمہ دار ہوں چنانچہ آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔''

باب دُوُم

اِجتماعی حقوق

حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت انسانیت مختلف الانواع تضادات کا شکار اور کئی طبقات میں تقسیم تھی، سماجی اور معاشرتی شرف و منزلت کی بنیاد نسلی، لسانی اور طبقاتی معیارات پر مشتمل تھی۔ معاشرے کے طاقتور لوگ ہر لحاظ سے قابل عزت ہوتے تھے جبکہ غلام، کمزور اور زیردست طبقے طاقتور کے رحم و کرم پر ہوتے تھے اور طاقتور کا قانون ہی ان کے مقدر کا فیصلہ کرتا، حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت جاہلیت کے ان تمام بتوں کی شکستگی کا پیغام تھی۔ آپ ﷺ نے مساوات انسانی کا پیغام دیتے ہوئے سماجی و معاشرتی شرف و منزلت کی بنیاد خاندان یا قبیلہ کو نہیں بلکہ تقویٰ اور کردار کو قرار دیا[1]۔ آپ ﷺ نے بنی نوع انسان کو اس آفاقی تعلیم سے سرفراز فرمایا کہ کائنات ارض و سما میں انسان کو صاحب تکریم بنا کر پیدا کیا گیا ہے[2]۔ لہٰذا کسی بھی شخص کو یہ حق ہرگز نہیں دیا جاسکتا کہ وہ اپنے ہی جیسے کسی دوسرے انسان کی اس تکریم کو پامال کرتا پھرے جو اسے خالق کائنات کی طرف سے عطا کی گئی ہے اور پھر ہر شخص دوسرے شخص کی تکریم و شرف منزلت کا لحاظ رکھنے کا اس لئے بھی پابند ہے کہ تمام انسانیت کو نفس واحدہ سے پیدا کیا گیا ہے[3]۔ اس لیے کسی بھی فرد کو رنگ و نسل کی بنیاد پر عربی و عجمی ہونے یا سرخ اور کالا ہونے کے سبب سے کسی دوسرے پر فضیلت کا حق حاصل نہیں ہو سکتا[4]۔ آپ ﷺ نے سماجی و معاشرتی

(۱) القرآن، الحجرات، ۴۹:۱۳

(۲) ا۔ القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷:۷۰
۲۔ القرآن، التین، ۹۵:۴

(۳) القرآن، النساء، ۴:۱

(۴) ا۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵:۴۱۱
۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۵:۸۶، رقم: ۴۷۴۹
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸:۸۴

کبر ونخوت کے بتوں کو پاش پاش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يا معشر قريش! إن الله قد أذهب عنكم نخوة الجاهلية و تعظمها بالآباء، الناس من آدم و آدم من تراب ۔(۱)

’’اے گروہِ قریش! اللہ نے تم سے جاہلیت کے غرور اور آباء پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔ (جان لو کہ) لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے (پیدا کئے گئے تھے)۔‘‘

آپ کے قائم کردہ معاشرے میں بلال حبشی، سلمان فارسی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہم کو وہی عزت اور مقام حاصل تھا جو قریش کے کسی بھی معزز اور صاحب مرتبہ شخص کو۔ الغرض آپ ﷺ نے ایک مثالی معاشرہ قائم کرنے کے لئے سماجی و معاشرتی حقوق کی ایسی جامع اور ہمہ گیر تعلیم عطا فرمائی جہاں معاشرے کا کوئی بھی فرد اپنے حقوق سے محروم رہتے ہوئے سماجی یا معاشرتی عزت و احترام اور تحفظ سے محرومی کا شکار نہیں ہوسکتا۔

اس باب میں آپ ﷺ کے عطا کردہ سماجی و معاشرتی حقوق کا تذکرہ اسی پس منظر میں کیا جائے گا:

۱۔ والدین کے حقوق

معاشرتی زندگی کی اکائی خاندان ہے اور خاندان کا قیام و استحکام والدین کے احترام کے بغیر ممکن نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے رسوم جاہلیت میں جکڑے معاشرے کو والدین کے احترام کا درس دیا۔ قرآن حکیم نے والدین کے ساتھ مطلوبہ سلوک بیان کرنے کے لئے ’’احسان‘‘ کی جامع اصطلاح استعمال کی، جس کے معنی ’کمال درجے کا حسن

(۱) ۱۔ ابن ابی حاتم رازی، الثقات، ۲: ۵۵
۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۵: ۷۳
۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۱۶۱
۴۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۴: ۳۰۱

سلوک' کے ہیں۔ اس میں معاشی و معاشرتی نگہداشت اور اطاعت بھی شامل ہیں۔ آپ ﷺ نے والدین کے بلند مرتبے کا تعین فرما کر اسلامی معاشرے کے استحکام کی اساس فراہم کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ امومت کا ایسا پاکیزہ، بلنداور ملکوتی تصور دے کر آپ ﷺ نے معاشرے کو اپنی اساس یعنی ماں کے احترام کا وہ درس دیا جس پر عمل کر کے معاشرہ شکست و ریخت اور انتشار و افتراق سے کلی طور پر محفوظ رہ سکتا ہے۔

والدین سے حسن سلوک کو اسلام نے اپنی اساسی تعلیم قرار دیا ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اس حق کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا۔(۱)

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین سے نیک سلوک کا حکم فرمایا۔''

انسان پر مخلوقات میں سے کسی کا اس پر حق سب سے بڑھ کر ہے تو وہ اس کی ماں باپ ہیں، ایک مثالی معاشرے کے قیام کے لئے یہ ایک اہم عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔

والدین کے معاشی حقوق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ○ (۲)

''تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آ پہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو تو (اپنے) والدین اور رشتہ داروں کے حق میں بھلے طریقے سے وصیت کرے، یہ پرہیزگاروں پر لازم ہے○''

يَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

(۱) القرآن، العنکبوت، ۲۹:۸

(۲) القرآن، البقرہ، ۲:۱۸۰

وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○ (۱)

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے) مگر اس کے حق دار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے ○''

وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ (۲)

''اور اگر میت کے اولاد ہے تو اس کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے میں چھٹا حصہ ملے گا اور اگر میت کے اولاد نہ ہو (اور صرف ماں باپ ہی اس کے ساتھ ہو تو ایک تہائی مال کا حصہ (اور دو تہائی یا اور اگر میت کے کوئی بھائی بہن ہوں (خواہ سگے ہوں یا سوتیلے) تو ماں کا صرف چھٹا حصہ ہے اور یہ تقسیم میراث میت کی وصیت کی تعمیل کے بعد جو اس نے کی ہو، اور ادائیگی قرض کے بعد (جو اس کے ذمہ ہو عمل میں آئے گی) تم کو معلوم نہیں تمہارے باپ دادوں میں سے تمہارے لئے (اور پوتوں میں سے) نفع رسانی کے اعتبار سے کون تم سے زیادہ قریب ہے۔ یہ اصول اللہ کا مقرر کردہ ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے بڑی حکمت والا ہے ○''

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲:۲۱۵

(۲) القرآن، النساء، ۴:۱۱

یہی تعلیم ہمیں احادیث مبارکہ میں ملتی ہے:

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده: أن رجلا اتی النبی ﷺ، فقال: یا رسول اللہ! إن لی مالا و ولدا و ان والدی یحتاج مالی؟ قال: أنت و مالك لوالدك، إن أولادكم من أطیب کسبكم، فكلوا من كسب أولادكم۔(۱)

''حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے راوی ہیں کہ ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے پاس مال اور اولاد ہے اور میرے والد میرے مال کے محتاج ہیں، (پس میں کیا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کے ہیں، یقیناً تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی سے ہے، لہٰذا اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ۔''

قرآن حکیم میں سماجی و معاشرتی سطح پر والدین سے احسان پر مبنی سلوک کا حکم دیا گیا:

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔(۲)

''اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۷: ۴۸۰، رقم: ۳۵۳۰

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۱۴، رقم: ۷۰۰۱

۳۔ طحاوی، شرح معانی الاثار، ۴: ۱۵۸

۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۴۸۰

۵۔ بغوی، شرح السنہ، ۹: ۳۳۰، رقم: ۲۳۹۸

۶۔ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، ۲: ۲۶۴، رقم: ۳۳۵۴

۷۔ ہندی، کنز العمال، ۱۶: ۴۶۳، رقم: ۴۵۴۵۱

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۳۶

کے ساتھ بھلائی کرو۔‘‘

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ کِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا کَرِيْمًاO وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّيٰنِیْ صَغِيْرًاO (۱)

’’اور آپ کے پروردگار کا فرمان ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کیا کرو اگر تمہارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو، بلکہ ان سے ادب کے ساتھ بات کروO اور اپنے بازو نہایت عاجزی اور نیازمندی سے ان کے سامنے جھکا دو اور ان کے لئے دعا کرو کہ اے میرے پروردگار تو ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں (محبت وشفقت سے) پالا تھاO‘‘

وَّ بَرًّام بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَکُنْ جَبَّارًا عَصِيًّاO (۲)

’’اور وہ اپنے والدین کے ساتھ بڑی نیکی (اوت خدمت) سے پیش آنے والے (تھے) اور وہ (عام لڑکوں کی طرح) ہرگز سرکش و نافرمان نہ تھےO‘‘

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

وَّ بَرًّام بِوَالِدَتِیْ ز وَلَمْ يَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِيًّاO (۳)

’’(اور اللہ نے مجھے) اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور اس نے مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایاO‘‘

---

(۱) القرآن، الاسراء، ۱۷: ۲۳، ۲۴

(۲) القرآن، مریم، ۱۹: ۱۴

(۳) القرآن، مریم، ۱۹: ۳۲

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ط وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ط اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَO (۱)

’’اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔ اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ تو کسی شے کو میرا شریک بنا جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں (جس کی کہیں بھی کوئی سند نہیں) تو ان کا کہنا مت مان۔ بالآخر تم سب کو میری طرف واپس آنا ہے۔ پس میں تم کو بتا دوں گا جو تم کیا کرتے تھےO‘‘

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ج حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِیْ وَلِوَالِدَيْكَ ط اِلَیَّ الْمَصِيْرُO (۲)

’’اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹنا ہے سوتو میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کر (اور یاد رکھو) آخر میری ہی طرف (تم سب کو) لوٹ کر آنا ہےO‘‘

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ط حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ط حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ و عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّيَّتِیْ ج اِنِّیْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَO (۳)

(۱) القرآن، العنکبوت، ۲۹: ۸

(۲) القرآن، لقمان، ۳۱: ۱۴

(۳) القرآن، الاحقاف، ۴۶: ۱۵

’’ہم نے انسان کو حکم دیا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اس کی ماں نے اسے تکلیف اٹھا اٹھا کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف اٹھا کر اسے جنا۔ اور (بچہ کا) حمل میں رہنا اور اس کا دودھ چھوڑنا تیس ماہ میں ہوتا ہے یہاں تک کہ جب (انسان) اپنی پوری جوانی کو پہنچتا ہے اور چالیس سال کا ہوتا ہے تو کہتا ہے اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں اور مجھے توفیق دے کہ میں وہ نیک کام کروں جس سے تو راضی ہو اور میرے لئے میری اولاد میں خیر رکھ۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمان ہوں٥‘‘

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثلث من كن فيه ستر الله عليه كنفه و أدخله جنته: رفق بالضعيف وشفقة على الوالدين و إحسان إلى المملوك ۔(۱)

’’جس میں تین خصلتیں ہوں گی، اللہ اس کی موت آسان کر دے گا اور اسے اپنی جنت میں داخل کر دے گا۔ کمزور پر نرمی، ماں باپ سے شفقت اور غلام سے اچھا سلوک۔‘‘

آپ ﷺ نے والدین کے انتقال کے بعد بھی ان سے نیک اعمال کی صورت میں حسن سلوک جاری رکھنے کی تعلیم دی:

عن عائشة رضی اللہ عنہا **أن رجلا قال للنبی**ﷺ**: إن أمی افتلتت**

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، ۴: ۶۵۶، رقم: ۲۴۹۴
۲۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲: ۸۴، رقم: ۲۴۵۳
۳۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۲: ۳۸، رقم: ۱۴۱۱
۴۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۱۵۳، رقم: ۳۴۶۳
۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۸۷

نفسها و أراها لو تكلمت تصدقت، أفأ تصدق عنها؟ قال: نعم، تصدق عنها۔(۱)

’’حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہوا: میری والدہ محترمہ کا اچانک انتقال ہو گیا ہے اگر انہیں قوت گویائی حاصل رہتی تو خیرات کرتیں، پس کیا میں ان کی جانب سے خیرات کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں اس کی جانب سے خیرات کرو۔‘‘

ان سعد بن عبادة رضی اللہ عنہ استفتی رسول الله ﷺ، فقال: إن أمی ماتت و علیها نذر؟ فقال: اقضه عنها۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۰۱۵، رقم: ۲۶۰۹
۲۔ نسائی، السنن، ۶: ۲۵۰، رقم: ۳۶۴۹
۳۔ مالک، الموطا، ۲: ۷۶۰، رقم: ۱۴۵۱
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۷
۵۔ عبدالرزاق، المصنف، ۹: ۶۰
۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۴۰، رقم: ۳۳۵۳
۷۔ ابن خزیمہ، الصحیح، ۴: ۱۲۴، رقم: ۲۴۹۹
۸۔ ربیع، المسند، ۱: ۲۶۴، رقم: ۶۷۸
۹۔ ابوعوانہ، المسند، ۳: ۴۹۳، رقم: ۵۸۱۸
۱۰۔ زرقانی، شرح الموطا، ۳: ۷۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۰۱۵، رقم: ۲۶۱۰
۲۔ ابو داؤد، السنن، ۳: ۲۳۶، رقم: ۳۳۰۷
۳۔ ابن ماجہ، السنن، ۱: ۶۸۹، رقم: ۲۱۳۲
۴۔ مالک، الموطا، ۲: ۴۷۲، رقم: ۱۰۰۷
۵۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۳: ۱۳۷، رقم: ۶۱۷ ۴

←

’’حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا اور عرض کیا کہ میری والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا ہے اور ان کے ذمے ایک منت کا پورا ہونا باقی ہے، ارشاد فرمایا: تم اس کی طرف سے پوری کرو۔‘‘

ان سعد بن عبادة رضی اللہ عنہ أخا بنی ساعدة توفیت أمه وهو غائب عنها، فأتی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال: یا رسول اللّٰه! إن أمی توفیت و أنا غائب عنها، فهل ینفعها شئ إن تصدقت به عنها؟ قال: نعم۔ قال: فإنی أشهدك أن حائطی المخراف صدقة علیها ۔(۱)

’’جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، جو بنی ساعدہ کی برادری سے تھے، کی والدہ کا انتقال ہوا تو یہ ان کے پاس موجود نہ تھے۔ یہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر

........۶۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۱۹

۷۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۲۳۸، رقم: ۴۳۹۳

۸۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۳: ۵۸، رقم: ۱۲۰۸۰

۹۔ ابوعوانہ، المسند، ۴: ۵، رقم: ۵۸۲۶

۱۰۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۲۵۶

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۰۱۵، رقم: ۲۶۱۱

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۳۳، ۳۷۰

۳۔ عبدالرزاق، المصنف، ۹: ۵۹

۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۱۸، رقم: ۵۳۷۰

۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۶: ۲۷۸

۶۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۶۱۵

۷۔ عسقلانی، فتح الباری، ۵: ۳۸۹

۸۔ عسقلانی، تلخیص الحبیر، ۲: ۲۸۹

۹۔ ابن جوزی، التحقیق فی الاحادیث الخلاف، ۲: ۲۳

عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! میری والدہ محترمہ کا میری عدم موجودگی میں انتقال ہو گیا ہے، اگر میں ان کی جانب سے کچھ صدقہ خیرات کروں تو کیا انہیں کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا: ہاں۔ عرض گزار ہوئے: تو میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرا مخراف نامی باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے۔‘‘

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

جاء رجل إلی النبی ﷺ فقال: یا رسول اللّٰہ! إن أمی ماتت و علیھا صوم شھر، أفأقضیه عنھا؟ قال: نعم۔ قال: فدین اللّٰہ أحق أن یقضی۔(۱)

’’ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! میری والدہ اس حال میں وفات پا گئی ہیں کہ ان پر ایک ماہ کے روزے قضا ہیں، کیا میں ان کی جانب سے قضا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ مزید فرمایا: اللہ کا قرض ادا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۸۰۴، رقم: ۱۱۴۸
۲۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۶۹۰، رقم: ۱۸۵۲
۳۔ ابو داؤد، السنن، ۳: ۲۳۷، رقم: ۳۳۱۰
۴۔ احمد بن حنبل، ۱: ۲۵۸، رقم: ۲۳۳۶
۵۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۲: ۱۷۳، رقم: ۲۹۱۲، ۲: ۱۷۴، رقم: ۲۹۱۵
۶۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۲: ۲۱۸، رقم: ۱۷۸۲
۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲: ۱۴، رقم: ۱۲۳۳۳
۸۔ دار قطنی، السنن، ۲: ۱۹۶، رقم: ۸۴
۹۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۲۵۵، رقم: ۸۰۱۳
۱۰۔ ابو نعیم الاصبہانی، المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم، ۳: ۲۲۳، رقم: ۲۶۰۳

آپ ﷺ نے بعض مواقع پر صحابہ کرام ﷺ کو جہاد جیسے اہم فریضے کی ادائیگی کی بجائے والدین کی خدمت کی تلقین کی:

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما **جاء رجل الی النبی** ﷺ **فاستأذنه فی الجهاد؟ فقال: أحی والداك؟ قال: نعم ۔ قال: ففیهما فجاهد۔(۱)**

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور جہاد کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان کی خدمت کرو یہی تمہارا جہاد ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۰۹۴، رقم: ۲۸۴۲
۲۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۷۵، رقم: ۲۵۴۹
۳۔ نسائی، السنن، ۶: ۱۰، رقم: ۳۱۰۳
۴۔ احمد بن حنبل، ۲: ۱۹۷، رقم: ۶۸۵۸
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۲۲، رقم: ۳۱۸
۶۔ عبدالرزاق، المصنف، ۵: ۱۷۵، رقم: ۹۲۸۴
۷۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶: ۵۱۷، رقم: ۳۳۴۵۷
۸۔ ابن جعد، المسند، ۱: ۹۴، رقم: ۵۴۴
۹۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۹: ۱۸، رقم: ۸۹۹۸
۱۰۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۵
۱۱۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۱۷۶، رقم: ۸۷۲۶
۱۲۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۲۱۵، رقم: ۲۷۴۶

سألت النبیﷺ: أی العمل أحب إلی اللہ؟ قال: الصلاۃ علی وقتھا۔ قال: ثم أی؟ قال ثم بر الوالدین۔ قال: ثم أی؟ قال: الجھاد فی سبیل اللہ۔ قال: حدثنی بھن ولو استزدتہ لزادنی ۔(۱)

’’میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے؟ فرمایا کہ نماز اپنے وقت پر پڑھنا۔ عرض کی کہ پھر کون سا؟ فرمایا کہ پھر والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔ عرض گزار ہوئے کہ پھر کون سا؟ فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ ان کا بیان ہے کہ مجھ سے آپ ﷺ نے یہی چیزیں بیان فرمائیں، اگر میں اور پوچھتا تو آپ مزید بتا دیتے۔‘‘

والدہ کا خصوصی حق

حضور نبی اکرم ﷺ نے ماں کی عظمت بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ اہل ایمان کے لئے حسن سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ماں ہے۔

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل إلی رسول اللہ ﷺ فقال: یا رسول اللہ! من أحق الناس بحسن صحابتی؟ قال: امك ۔ قال: ثم من؟ قال: ثم امك ۔ قال: ثم من؟ قال: ثم امك ۔ قال ثم من؟ قال: ثم أبوك ۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۱۹۷، رقم: ۵۰۴
۲۔ ابوعوانہ، المسند، ۱: ۶۵، رقم: ۱۸۲
۳۔ سعید بن منصور، السنن، ۲: ۱۴۹، رقم: ۲۳۰۲
۴۔ شاشی، المسند، ۲: ۱۹۱، رقم: ۷۵۹
۵۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۳۰۰، رقم: ۶۷۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۲۷، رقم: ۵۶۲۶
۲۔ ابن راہویہ، المسند، ۱: ۲۱۶، رقم: ۱۷۲

←

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری والدہ، عرض کی کہ پھر کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری والدہ، عرض کی کہ پھر کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری والدہ ہے۔ عرض کی کہ پھر کون ہے؟ فرمایا کہ تمہارا والد ہے۔''

آپ ﷺ نے والدین کے حقوق کی ادائیگی نہ کرنے کو کبیرہ گناہ قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین پر لعنت کرے۔ صحابہ کرام ث نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کوئی اپنے والدین پر بھی لعنت کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

یسب الرجل أبا الرجل فیسب أباہ، و یسب أمہ فیسب أمہ(۱)

''آدمی دوسرے کے والد کو گالی دیتا ہے تو وہ اپنے باپ کو گالی دیتا ہے، اور اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو اپنی ماں کو گالی دیتا ہے۔''

.......۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴: ۳۷۸، رقم: ۴۴۸۲
۴۔ عبدالباقی، معجم الصحابہ، ۳: ۶۲، رقم: ۱۰۱۴
۵۔ عسقلانی، تغلیق التعلیق، ۵: ۸۴، رقم: ۱۷۹

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۲۸، رقم: ۵۶۲۸
۲۔ أبو داؤد، السنن، ۴: ۳۳۶، رقم: ۵۱۴۱
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۱۶، رقم: ۷۰۲۹
۴۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۱۹۰، رقم: ۷۸۶۹
۵۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۳۱۲، رقم: ۴۲۱۰
۶۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۴۸۴
۷۔ عسقلانی، فتح الباری، ۱۰: ۴۰۳، رقم: ۵۶۲۸
۸۔ مبارکپوری، تحفۃ الأحوذی، ۶: ۲۴

قال رسول الله ﷺ: الا انبئكم بأكبر الكبائر؟ قلنا: بلى، يا رسول الله۔ قال: الإشراك بالله و عقوق الوالدين و كان متكئاً فجلس فقال: ألا! و قول الزور و شهادة الزور، ألا و قول الزور و شهادة الزور، فما زال يقولها حتى قلت: لا يسكت۔(۱)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں بہت بڑے کبیرہ گناہ نہ بتاؤں؟ ہم عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! کیوں نہیں۔ فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، اس وقت آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ اٹھ بیٹھے اور فرمایا: خبردار! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی، خبردار! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی۔ چنانچہ آپ ﷺ برابر یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے دل میں کہا کہ شاید آپ ﷺ خاموش نہیں ہوں گے۔''

عبداللہ بن ابی بکر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: حضور نبی اکرم ﷺ نے کبیرہ گناہوں کا ذکر فرمایا یا آپ ﷺ سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۲۹، کتاب الادب، رقم: ۵۶۳۱
۲۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۵۳۵، رقم: ۶۵۲۲
۳۔ ترمذی، السنن، ۴: ۳۱۲، رقم: ۱۹۰۱
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۲: ۳۷۳، رقم: ۵۵۶۲
۵۔ ابن مندہ، الایمان، ۲: ۵۷۳، رقم: ۴۷۹
۶۔ ابن عبدالبر، التمہید، ۵: ۷۱
۷۔ بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۱۹، رقم: ۱۵
۸۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۳۵، رقم:
۹۔ بیہقی، شعب الایمان، ۱: ۲۶۵، رقم: ۲۸۴
۱۰۔ ابوالمحاسن، معتصر المختصر، ۲: ۲۷۳

الشرك بالله و قتل النفس و عقوق الوالدين ۔ فقال: ألا أنبئكم بأكبر الكبائر؟ قال: قول الزور، أو قال: شهادة الزور ۔(۱)

’’اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، کسی جان کو قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ پھر فرمایا کہ کیا میں کبیرہ گناہوں میں سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ فرمایا کہ جھوٹی بات، یا فرمایا کہ جھوٹی گواہی۔‘‘

۲۔ اولاد کے حقوق

حضور نبی اکرم ﷺ نے اولاد سے محبت و شفقت کو مومن کے کردار کا حصہ قرار دیا۔ اہل عرب اپنے بچوں سے لاڈ پیار کرنا اپنی شان کے منافی سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس قبیح رسم کی مذمت فرمائی۔ آپ ﷺ نے بچوں کو جنت کے گلدستے قرار دیا۔ ایک مرتبہ ایک سردار اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے پیار کرتے دیکھا تو کہنے لگا: میرے دس بیٹے ہیں میں نے تو آج تک ان سے کبھی پیار نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا:

من لا یرحم لا یرحم ۔(۲)

’’جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔‘‘

---

(۱) بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۰، رقم: ۵۶۳۲

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۸۰۸، رقم: ۲۳۱۸

۲۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۵، رقم: ۵۶۵۱

۳۔ ترمذی، السنن، ۴: ۳۱۸، رقم: ۱۹۱۱

۴۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۳۵۵، رقم: ۵۲۱۸

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۲۸، رقم: ۷۱۲۱

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۲۰۲، رقم: ۴۵۷

۷۔ عبد الرزاق، المصنف، ۳: ۵۵۳، رقم: ۶۶۷۲

←

آپ ﷺ نے جنگ میں بھی بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک عورت مقتولہ پائی گئی تو آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا۔(۱)

آپ ﷺ نے نہ صرف اولاد سے محبت و شفقت اور حسن تربیت کی تعلیم دی بلکہ اولاد کو وہ سماجی اور معاشرتی حقوق عطا کئے جن کا بچوں کو زندہ درگور کرنے والے عرب معاشرے میں تصور بھی ناممکن تھا۔ قرآن حکیم میں اولاد کے حقوق کا تذکرہ یوں کیا گیا:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ط وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ج لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ق وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ج فَاِنْ اَرَادَ فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ

------ ۸۔ ابن أبی شیبہ، المصنف، ۵: ۲۱۵، رقم: ۲۵۳۶۷

۹۔ ازدی، الجامع، ۱۱: ۲۹۸

۱۰۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۱۰۰، رقم: ۱۳۳۵۴

۱۱۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۱۸۷

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۰۹۸، رقم: ۲۸۵۱

۲۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۶۴، رقم: ۱۷۴۴

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۱۳۶، رقم: ۱۵۶۹

۴۔ ابو داؤد، السنن، ۳: ۵۳، رقم: ۲۶۶۸

۵۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۹۴۷، رقم: ۲۸۴۱

۶۔ مالک، الموطا، ۲: ۴۴۷، رقم: ۹۶۴

۷۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۱۸۵، رقم: ۸۲۱۸

۸۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۲۴۴، رقم: ۱۳۵

۹۔ ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۶۱، رقم: ۱۰۴۳

مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ط وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّا اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (۱)

''اور مائیں اپنے بچوں کو دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے (اور) نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے، اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہوگا، پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے (دو برس سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اور پھر اگر تم اپنی اولاد کو (دایہ سے) دودھ پلانے کا ارادہ رکھتے ہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ جو تم دستور کے مطابق دیتے ہو انہیں ادا کر دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بیشک جو تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے ۝''

بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت اور محبت پر مبنی سلوک متعدد احادیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے:

عن اسامة بن زيد رضی اللہ عنهما **ان ابنة للنبی ﷺ ارسلت اليه وهو مع النبی ﷺ و سعد و ابی، نحسب: ان ابنتی قد حضرت فاشهدنا فارسل اليها السلام و يقول: "ان لله ما اخذ وما اعطی و كل شی عنده مسمی فلتحتسب ولتصبر'' فارسلت تقسم عليه فقام النبی ﷺ و قمنا فرفع الصبی فی حجر النبی ﷺ و نفسه تقعقع ففاضت عينا النبی ﷺ فقال له سعد ما هذا يا رسول الله ﷺ؟**

(۱) القرآن، البقرہ، ۲:۲۳۳

قال هذه رحمة وضعها الله فی قلوب من شاء من عباده ولا یرحم الله من عباده الا الرحماء۔''(۱)

''حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ایک صاحبزادی نے آپ کو بلوایا اور وہ حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے اور حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت ابی بن کعب بھی، پیغام یہ تھا کہ میری بچی دم بہ لب ہے لہٰذا قدم رنجہ فرمائیے۔ آپ نے ان کے لئے سلام بھیجا اور فرمایا کہ بیشک اللہ جو کچھ لیتا ہے وہ اسی کا ہے اور جو دیتا ہے وہ بھی اسی کا ہے۔ ہر ایک کی اس کے پاس ایک مقررہ مدت ہے لہذا راضی برضا ہو کر صبر کرنا چاہئے۔ صاحبزادی نے قسم دے کر بلوایا تو حضور اکرم ﷺ کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ ہم بھی، پس انہوں نے بچی کو حضور اکرم ﷺ کی گود میں دے دیا اور بچی کو رک رک کر سانس آ رہا تھا لہٰذا حضور اکرم ﷺ کی چشمان مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت سعد عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ رحمت ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کے دلوں میں چاہے ڈالتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر رحم نہیں فرماتا مگر رحم دلوں پر۔''

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۱۴۱، رقم: ۵۳۳۱
۲۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۶۳۵، رقم: ۹۲۳
۳۔ أبی داؤد، السنن، ۳: ۱۹۳، رقم: ۳۱۲۵
۴۔ نسائی، السنن، ۴: ۲۱، رقم: ۱۸۶۸
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۰۴، رقم: ۲۱۸۲۴
۷۔ عبدالرزاق، المصنف، ۳: ۵۵۱، رقم: ۶۶۷۰
۸۔ بزار، المسند، ۷: ۴۱، رقم: ۲۵۹۳
۹۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱: ۱۳۵، رقم: ۲۸۴
۱۰۔ حسینی، البیان والتعریف، ۱: ۲۴۴، رقم: ۶۴۱

عن ام خالد بنت خالد بن سعيد قالت: اتيت رسول الله ﷺ مع أبي و على قميص اصفر قال رسول الله ﷺ: سنه سنه قال عبد الله: وهي بالحبشية حسنة، قالت: فذهبت ألعب بخاتم النبوة فزبرني أبي قال رسول الله ﷺ: دعها ثم قال رسول الله ﷺ: ابلي و اخلقي ثم ابلي و اخلفي ثم ابلي و اخلقي قال عبد الله: فبقيت حتى ذكر يعني من بقائها(۱)

''حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں اپنے والد محترم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور میرے جسم پر زرد رنگ کی قمیص تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنہ سنہ۔ عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ حبشہ کی زبان میں حسنۃ کو کہتے ہیں یعنی اچھی ہے۔ حضرت اُم خالد فرماتی ہیں کہ پھر میں مہر نبوت سے کھیلنے لگی۔ میرے والد محترم نے مجھے ڈانٹا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کپڑا خوب پہنو اور پرانا کرکے پھاڑو، پھر خوب پہنو اور پرانا کر کے پھاڑو، پھر خوب پہنو اور پرانا کر کے پھاڑو۔ عبداللہ کا بیان ہے کہ وہ کپڑا بہت دنوں باقی رہا یہاں تک کہ ایک مدت گزر جانے کے باعث کالا ہو گیا۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۴، رقم: ۵۶۴۷۰۷
۲۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۱۱۷، رقم: ۲۹۰۶
۳۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۲۷۹، رقم: ۵۰۹۰
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۴: ۱۹۴، رقم: ۴۱۱۷
۵۔ بیہقی، شعب الایمان، ۵: ۱۸۳، رقم: ۶۲۹۰
۶۔ عسقلانی، فتح الباری، ۱۰: ۲۸۰
۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۴: ۹۹

أخذ النبی ﷺ إبراهيم فقبله و شمه(۱)

''حضور اکرم ﷺ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کو لے کر بوسہ دیا اور سونگھا۔''

عن عبدالله قال: قلت یا رسول الله ای الذنب اعظم؟ قال: أن تجعل لله ندا وهو خلقك قلت: ثم أی؟ قال: ان تقتل ولدك خشية ان یاکل معك قال: ثم أی؟ قال: ان تزانی حليلة جارك. وانزل الله تصديق قول النبی ﷺ: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ إِلٰهًا آخَرَ﴾۔(۲)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا کہ تو اللہ کا کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ عرض کی کہ پھر کون سا؟ فرمایا کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی عرض کی کہ پھر کون سا ہے؟ فرمایا کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے اور اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی تائید میں یہ آیت نازل فرمائی ''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پوجتے۔''

عن عائشة: ان النبی ﷺ وضع صبیا فی حجره یحنکه فبال علیه

(۱) بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۴

(۲) ۱۔ القرآن، الفرقان، ۲۵: ۶۸
۲۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳٦، رقم: ۵٦۵۵
۳۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۷۸۴، رقم: ۴۴۸۳
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۸۰، رقم: ۳٦۱۲
۵۔ ابوعوانہ، المسند، ۱: ۵۵
٦۔ نووی، شرح صحیح مسلم، ۲: ۸۰

فدعا بمآء فاتبعہ (۱)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک بچے کو گود میں لے کر اس کی تحنیک (اس سے لاڈ پیار کیا) فرمائی تو اس نے آپ کے اوپر پیشاب کر دیا۔ پس آپ نے پانی منگوا کر اس پر بہا دیا۔''

۳۔ بیوی کے حقوق

خانگی زندگی کا آغاز خاوند اور بیوی کے تعلق سے ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے بطور سربراہ خاندان اور مثالی شوہر اپنے عمل مبارک سے بیوی کے حقوق کی ادائیگی کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے اہل ایمان کو بطور سربراہ خاندان اور شوہر اپنے اہل وعیال کو توجہ دینے اور ان کے حقوق کا خیال رکھنے کی تعلیم فرمائی۔ آپ ﷺ نے عورت کو بطور بیوی عزت و احترام پر مبنی معاشرتی اور سماجی مرتبہ عطا کیا اور اسے تمام، معاشرتی اور معاشی حقوق کے تحفظ سے بھی نوازا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (۲)

''اور (نیز) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے، تاکہ تم ان سے سکون پاؤ، اور تمہارے درمیان (یعنی میاں بیوی میں) محبت اور ہمدردی پیدا کر دی اس میں ان لوگوں کے لیے جو فکر

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۶، رقم: ۵۶۵۶
۲۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۰۸۱، رقم: ۵۱۵۱
۳۔ عسقلانی، مقدمہ فتح الباری، ۱: ۳۳۲
۴۔ زرقانی، شرح المؤطا، ۱: ۱۸۵
۵۔ شوکانی، نیل الأوطار، ۱: ۵۵

(۲) القرآن، الروم، ۳۰: ۲۱

سے کام لیتے ہیں (بڑی) نشانیاں ہیں ○‘‘

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا○ (۱)

’’اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کیا کرو، پھر اگر وہ اس (مہر) میں سے کچھ تمہارے لیے اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو تب اسے (اپنے لیے) سازگار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ○‘‘

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ○ (۲)

’’اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں، اور ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اسے چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرما دیا ہو اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں، اس مدت کے اندر ان کے شوہروں کو انہیں (پھر) اپنی زوجیت میں لوٹانے کا حق زیادہ ہے اگر وہ اصلاح کا ارادہ کر لیں، اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر، البتہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے، اور اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے○‘‘

وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ج فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْنَ بِهَآ اَوْ دَیْنٍ ج وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ج فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ

(۱) القرآن، النساء، ۴:۴

(۲) القرآن، البقرہ، ۲:۲۲۸

فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (۱)

''اور تمہارے لیے اس (مال) کا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی اولاد ہو تو تمہارے لیے ان کے ترکہ سے چوتھائی ہے (یہ بھی) اس وصیت (کے پورا کرنے) کے بعد جو انہوں نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد، اور تمہاری بیویوں کا تمہارے چھوڑے ہوئے (مال) سے چوتھا حصہ ہے بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو پھر اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لیے تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے تمہاری اس (مال) کی نسبت کی ہوئی وصیت (پوری کرنے) یا تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد۔''

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ○ (۲)

''مرد عورتوں پر محافظ و منتظم ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور اس وجہ سے (بھی) کہ مرد (ان پر) اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پس نیک بیویاں اطاعت شعار ہوتی ہیں شوہروں کی عدم موجودگی میں اللہ کی حفاظت کے ساتھ (اپنی عزت کی) حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں اور تمہیں جن عورتوں کی نافرمانی و سرکشی کا اندیشہ ہو تو انہیں نصیحت کرو اور (اگر نہ سمجھیں تو) انہیں خوابگاہوں میں (خود سے) علیحدہ کر دو اور (اگر پھر بھی اصلاح

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۱۲

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۳۴

پذیر نہ ہوں تو) انہیں (تادیباً ہلکا سا) مارو پھر اگر وہ تمہاری فرماں بردار ہوجائیں تو ان پر (ظلم کا) کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بیشک اللہ سب سے بلند سب سے بڑا ہےo‘‘

اہل و عیال کو بھر پور توجہ دینے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کرنے کی تعلیم احادیث مبارکہ میں بھی دی گئی:

السفر قطعة من العذاب يمنع احدكم طعامه و شرابه و نومه فاذا قضی نهمته فليعجل الی اهله۔(۱)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’سفر عذاب کا ایک حصہ ہے جو تمہیں کھانے، پینے اور سونے سے روک دیتا ہے جب کوئی ضرورت سفر پر مجبور کر دے تو اپنے اہل و عیال میں جلد پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔‘‘

عن جابر بن سمرة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اذا اعطی الله احدکم

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۶۳۹، رقم: ۱۷۱۰
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۳۶، رقم: ۷۲۲۴
۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۱: ۲۳۳، رقم: ۷۶۳
۴۔ طبرانی، المعجم الصغیر، ۱: ۳۶۶، رقم: ۶۱۳
۵۔ قضاعی، مسند الشہاب، ۱: ۱۵۹، رقم: ۲۲۵
۶۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۳۴۶، رقم: ۳۵۶۹
۷۔ صیداوی، معجم الشیوخ، ۱: ۲۲۵، رقم: ۱۸۴
۸۔ ابن حزم، المحلی، ۹: ۳۵۴
۹۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۱۱۹
۱۰۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۱: ۵۴۹، رقم: ۱۴۷۹

خیرا فلیبدأ بنفسه و اھل بیته(۱)

''حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب تم میں سے کسی کو بھلائی سے نوازے تو وہ اس کی ابتداء اپنے آپ سے اور گھر والوں سے کرے۔''

عن الاسود قال سألت عائشة: ماکان النبی ﷺ یصنع فی اھله؟ قالت کان فی مھنة اھله فاذا حضرت الصلاة قام الی الصلاة۔(۲)

''اَسود کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنے گھر والوں کے پاس کیا مشغلہ ہوتا تھا؟ فرمایا کہ

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۴۵۳، رقم: ۱۸۲۲
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۸۶، ۸۷
۳۔ ابو یعلیٰ، المسند، ۱۳: ۴۵۷، رقم: ۷۴۶۶
۴۔ أبوعوانہ، المسند، ۴: ۳۷۳، رقم: ۶۹۹۶، ۶۹۹۸
۵۔ شیبانی، الآحاد والمثانی، ۳: ۱۲۸، رقم: ۱۴۵۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۴۵، رقم: ۵۶۹۲
۲۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۰۵۲، رقم: ۵۰۴۸
۳۔ ترمذی، السنن، ۴: ۶۵۴، رقم: ۲۴۸۹
۴۔ طیالسی، المسند، ۱: ۱۹۸، رقم: ۱۳۸۳
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۴۹، رقم: ۲۴۲۷۲
۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۴: ۳۵۱، رقم: ۶۴۳۹
۷۔ ابن راہویہ، المسند، ۳: ۸۷۹، رقم: ۱۵۵
۸۔ ابن ابی عاصم، الزہد، رقم: ۱: ۴
۹۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۲: ۱۷، رقم: ۱۰۸۲

حضور اپنے گھر والوں کے کام میں مشغول رہتے اور جب نماز کا وقت ہوجاتا تو نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔‘‘

خاوند سربراہ خاندان ہونے کی وجہ سے نہ صرف اہل وعیال کے جملہ حقوق کی ادائیگی کا پابند ہے بلکہ وہ خاندان کا نگران بھی ہے جس سے اس کی نگرانی کے فرائض بارے باز پرس بھی ہوگئی ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن عبداللہ قال النبی ﷺ: کلکم راع و کلکم مسئوول فالإمام راع وهو مسئوول والرجل راع علی اهله وهو مسئوول والمراة راعية علی بيت زوجها وهی مسئوولة والعبد راع علی مال سيده و هو مسئوول ألا فكلكم راع و كلكم مسئوول۔(۱)

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک سے پوچھا جائے گا پس امام (حکمران) حاکم ہے اور اس سے (رعیت کے متعلق) پوچھا جائے گا۔ ہر شخص اپنے اہل وعیال کا حاکم ہے اور ان کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا۔ عورت

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۱۹۸۸، رقم: ۴۸۹۲
۲۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۰۱، رقم: ۶۲۷۸
۳۔ ترمذی، السنن، ۴: ۲۰۸، رقم: ۱۷۰۵
۴۔ ابو داؤد، السنن، ۳: ۱۳۰، رقم: ۲۹۲۸
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵، رقم: ۴۴۹۵
۶۔ ابوعوانہ، المسند، ۴: ۳۸۴، رقم: ۷۰۳۷
۷۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۴۵۹، رقم: ۱۸۲۹
۸۔ ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۷۵، رقم: ۱۰۹۴
۹۔ بیہقی، سنن بیہقی الکبریٰ، ۶: ۲۸۷، رقم: ۱۲۴۶۶
۱۰۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۵: ۲۰۷

اپنے خاوند کے گھر میں حاکم ہے اس سے پوچھا جائے گا غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس بارے میں پوچھا جائے گا پس تم میں ہر ایک حاکم ونگران ہے اور ہر ایک سے پوچھا جائے گا۔‘‘

۴۔ بیوہ کے حقوق

آپ ﷺ نے بیواؤں کی بھلائی اور خیرخواہی کی تعلیم دی۔اسلام سے قبل جب کوئی عورت بیوہ ہوجاتی تو مرنے والے کے رشتہ دار اسے مال وراثت سمجھ کر اس پر قابض ہوجاتے اور اسے وراثت و دیگر حقوق سے بھی محروم رکھا جاتا۔اس طرح عرب میں بیواؤں سے نکاح کو پسند نہ کیا جاتا تھا جس سے وہ معاشی و سماجی عدم تحفظ کا شکار رہتیں۔ آپ ﷺ نے خود بیوہ عورتوں سے نکاح فرما کر اس رسم بد کا خاتمہ کیا۔آپ ﷺ نے بیوہ عورتوں کو معاشرے میں باعزت مقام عطا فرمایا اوران کے حقوق کی ادائیگی کی فضیلت کو یوں بیان فرمایا:

الساعی علی الأرملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل الله أو: کالذی یصوم النهار و یقوم اللیل۔(۱)

---

(۱) ۱۔بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۷، رقم: ۵۶۶۰
۲۔مسلم، الصحیح، ۴: ۲۲۸۶، رقم: ۲۹۸۲
۳۔ترمذی، السنن، ۴: ۳۴۶، رقم: ۱۹۶۹
۴۔نسائی، السنن، ۵: ۸۶، رقم: ۲۵۷۷
۵۔ابن ماجہ، السنن، ۲: ۷۲۴، رقم: ۲۱۴۰
۶۔نسائی، سنن الکبریٰ، ۲: ۴۶، رقم: ۲۳۵۸
۷۔ازدی، الجامع، ۱۱: ۲۹۹
۸۔بیہقی، سنن بیہقی الکبریٰ، ۶: ۲۸۳، رقم: ۱۲۴۴۴
۹۔بخاری، الأدب المفرد، ۱: ۵۹، رقم: ۱۳۱
۱۰۔ہیثمی، موارد الظمآن، ۱: ۵۰۱، رقم: ۲۰۴۸

’’بیوہ اور مسکین کے لئے امدادی کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کی مانند جو دن کو ہمیشہ روزے رکھے اور راتوں کو قیام کرے۔‘‘

۵۔ ورثاء کا حق

حضور اکرم ﷺ نے رشتہ داروں اور ورثاء سے حسن سلوک مروت و احسان اور باہمی حقوق کی عمدہ طریقے پر ادائیگی کی تعلیم فرمائی۔ آپ ﷺ نے صاحب حیثیت افراد کو ورثاء کی مالی کفالت اور انہیں معاشی استحکام فراہم کرنے پر زور دیا۔ ایک حدیث مبارکہ میں آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اپنے ورثاء کو اس حال میں نہ چھوڑو کہ وہ عسرت و معاشی بدحالی کی وجہ سے محتاجی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں:

عامر بن سعد عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال جآء النبی ﷺ یعودنی و انا بمکة و هو یکره ان یموت بالارض التی هاجر منها قال ’’یرحم الله ابن عفرآء‘‘ قلت یا رسول الله اوصی بمالی کله قال ’’لا‘‘ قلت فالشطر قال ’’لا‘‘ قلت الثلث قال ’’فالثلث و الثلث کثیر انك ان تدع ورثتك اغنیاء خیر من ان تدعهم عالة یتکففون الناس فی ایدیهم و انك مهما انفقت من نفقة فانها صدقة حتی اللقمة التی ترفعها الی فی امراتك و عسی الله ان یرفعك فینتفع بك ناس و یضربك اخرون‘‘ ولم یکن له یومئذ الا ابنة۔(۱)

’’عامر بن سعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور

(۱) ۱۔ بخاری، ۳: ۱۰۰۶، رقم: ۲۵۹۱
۲۔ احمد بن حنبل، مسند، ۱: ۱۷۳، رقم: ۱۴۸۸
۳۔ احمد بن ابراہیم، مسند سعد، ۱: ۳۰، رقم: ۷

نبی اکرم ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے اور اس وقت میں مکہ مکرمہ میں تھا آپ اس جگہ مرنا ناپسند فرماتے ہیں جہاں سے ہجرت کی ہو اسی لیے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابن عفراء پر رحم فرمائے میں عرض گزار ہوا یا رسول اللہ! کیا میں اپنے تمام مال کی وصیت کردوں؟ فرمایا نہیں۔ عرض کیا نصف کی؟ ارشاد فرمایا نہیں میں نے کہا تہائی کی ،فرمایا ''تہائی کا ڈر نہیں اور تہائی انتہائی وصیت ہے۔ اگر تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ تو یہ انہیں غریب چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اور جو کچھ تم راہ خدا میں خرچ کرو، وہ صدقہ ہے یہاں تک کہ جو لقمہ اٹھا کر تم اپنی بیوی کے منہ میں دو وہ بھی صدقہ ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں کشادگی دے گا، تو کتنے ہی لوگ تم سے نفع اٹھائیں گے جبکہ بعض لوگ ضرر پائیں گے'' ان دنوں ان (حضرت سعد بن ابی وقاص) کی صرف ایک ہی صاحبزادی تھی۔''

٦۔ مختلف اَفرادِ معاشرہ کا ایک دوسرے پر حق

حضور نبی اکرم ﷺ نے پوری ملت اسلامی کو ایک جسم قرار دیا جس کا ہر فرد دوسرے فرد کے حقوق کا اسی طرح خیال رکھتا ہے جس طرح ایک جسم کا ایک عضو دوسرے عضو کا خیال رکھتا ہے:

قال رسول اللہ ﷺ: تری المؤمنین فی تراحمھم و توادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی لہ سائر جسدہ بالسھر والحمی۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۸، رقم: ۵۶۶۵
۲۔ قضاعی، مسند الشہاب، ۲: ۲۸۳، رقم: ۱۳۶۶
۳۔ طبرانی، مسند الشامیین، ۱: ۲۹۳، رقم: ۵۱۲
۴۔ ابن مندہ، الایمان، ۱: ۴۵۶، رقم: ۳۲۲

←

’’حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ تم مسلمانوں کو دیکھو گے کہ وہ ایک دوسرے پر رحم کرنے، دوستی رکھنے اور شفقت کا مظاہرہ کرنے میں ایک جسم کی طرح ثابت ہوں گے چنانچہ جسم کے جب کسی بھی حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم جاگنے اور بخار وغیرہ میں اُس کا شریک ہوتا ہے۔‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی کے سماجی، معاشرتی، اقتصادی اور دیگر حقوق کی ادائیگی کی تلقین فرمائی اور ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کی ترغیب دی جس میں ہر فرد دوسرے فرد کے حقوق ادائیگی کے لئے کمربستہ ہو:

حق المسلم علی المسلم ست اذا لقیته، فسلم علیه و اذا دعاك فاجبه و اذا استنصحك فانصحه و اذا عطس فحمد الله فشمته و اذا مرض فعده و اذا مات فاتبعه۔(۱)

...... ۵۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶:۱۰۲، رقم: ۷۶۰۹

۶۔ ابن حبان، طبقات المحدثین بأصبهان، ۴: ۲۲۷، رقم: ۶۲۹

۷۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۳۷، ۴: ۲۰۵

۸۔ صیداوی، معجم الشیوخ، ۱: ۳۴۸، رقم: ۲۸

۹۔ ابن مبارک، الزہد، ۱: ۲۵۱، رقم: ۷۲۳

۱۰۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۳۴

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۷۰۵، رقم: ۲۱۶۲

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۷۲، رقم: ۸۸۳۲

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۱۲، رقم: ۹۳۳۱

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۴۷۷، رقم: ۲۴۲

۵۔ ابو یعلی، المسند، ۱۱: ۳۹۰، رقم: ۶۵۰۴

۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۵: ۳۴۷، رقم: ۱۰۶۹۱ ←

’’ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں جب اسے ملے تو السلام علیکم کہے، جب وہ دعوت دے تو اسے قبول کرے، خیرخواہی طلب کرے تو اس کی خیرخواہی کرے، جب چھینک مارے اور الحمد اللہ کہے تو یہ یرحمک اللہ کہے، جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے اور جب مرجائے تو اس کے جنازہ میں شامل ہو۔‘‘

آپ ﷺ کے قائم کردہ معاشرے میں مفاد عامہ سے متعلق شے پر کسی بھی شہری کے حق کی نفی نہیں کی جاسکتی بلکہ ہر فرد دوسرے فرد کے اس نوع کے حق کا احترام کرے گا:

عن عائشة رضی اللہ عنہا **انها قالت يا رسول الله ما الشئ الذى لايحل منعه قال المآء والملح والنار قالت قلت يا رسول الله هذا المآء قد عرفناه فمابال الملح والنار قال يا حميرآء من اعطى نارا فكأنما تصدق بجميع ما انضجت تلك النار، ومن اعطى ملحا فكأنما تصدق بجميع ما طيب ذلك الملح، ومن سقى مسلما شربة من ماء حيث يوجد الماء فكأنما اعتق رقبة، ومن سقى مسلما شربة من ماء حيث لا يوجد الماء فكأنما احياها۔(۱)**

...... ۷۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰:۱۰۸

۸۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶:۵۲۹، رقم: ۹۱۶۷

۹۔ بخاری، الادب المفرد، ۱:۳۱۹، رقم: ۹۲۵

۱۰۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳:۲۸۶، رقم: ۴۰۹۱

۱۱۔ ہیثمی، موارد الظمآن، ۲:۸۵۶، رقم: ۹۱۰

(۱) ۱۔ ابن ماجہ، السنن، ۲:۸۲۶، رقم: ۲۴۷۴

۲۔ کنانی، مصباح الزجاجۃ، ۳:۸۱، رقم: ۸۷۶

۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳:۱۳۳

←

''روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ کون سی چیز ہے جس کا منع کرنا حلال نہیں فرمایا پانی، نمک اور آگ، فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ پانی کو تو ہم سمجھ گئے مگر نمک اور آگ کا یہ حکم کیوں ہے فرمایا اے حمیراء جس نے کسی کو آگ دی اس نے گویا اس آگ سے پکا ہوا سارا کھانا خیرات کیا اور جس نے کسی کو نمک دیا اس نے گویا وہ سارا کھانا خیرات کیا جسے نمک نے لذیذ بنایا اور جس نے کسی مسلمان کو ایک گھونٹ پانی وہاں پلایا جہاں پانی عام ملتا ہوا اس نے گویا غلام آزاد کیا اور جس نے مسلمان کو وہاں ایک گھونٹ پانی پلایا جہاں پانی نہ ملتا ہو اس نے گویا اسے زندگی بخشی۔''

قرآن حکیم میں بھی ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق کو نہ صرف بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے بلکہ ان کی کمال ادائیگی کی ترغیب وتلقین بھی کی گئی ہے۔ ملت اسلامیہ کے جسد واحد ہونے کے تصور کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَO (۱)

''بیشک مسلمان تو (آپس میں) بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائےO''

اگر مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں اور ایک ہی جسم کی مانند ہیں تو ان کا کوئی بھی حصہ دوسرے حصہ کی تکلیف اور پریشانی سے بیگانہ نہیں رہ سکتا:

------ ۴۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۲۰: ۲۱۵

۵۔ ذہبی، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ۵: ۱۸۱، رقم: ۵۹۱۲

۶۔ مزی، تہذیب الکمال، ۹: ۴۱۹، رقم: ۲۰۱۸

۷۔ مبارکپوری، تحفۃ الاحوذی، ۴: ۴۱۰

(۱) القرآن، الحجرات، ۴۹: ۱۰

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَالَكُمْ مِّنْ وَّلَا يَتِهِمْ مِّنْ شَىْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (۱)

''بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اللہ کے لئے) وطن چھوڑ دیئے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی وہی لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں اور جو لوگ ایمان لائے (مگر) انہوں نے (اللہ کے لئے) گھر بار نہ چھوڑیں تو تمہیں ان کی دوستی سے کوئی سروکار نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ دین (کے معاملات) میں تم سے مدد چاہئیں تو تم پر (ان کی) مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلے میں (مدد نہ کرنا) کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح و امن) کا معاہدہ ہو اور اللہ ان (کاموں) کو جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے ۝''

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَاتَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (۲)

''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو اور اپنے

(۱) القرآن، الانفال، ۸: ۷۲

(۲) القرآن، آل عمران، ۳: ۱۰۳

اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم (دوزخ کی) آگ کے کنارے پر (پہنچ چکے) تھے پھر اس نے تمہیں اس گڑھے سے بچا لیا، یوں ہی اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کر بیان فرماتا ہےo‘‘

قرآن حکیم میں بیان کردہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق کا دائرہ صرف اخلاقی یا سماجی معاملات تک ہی محدود نہیں بلکہ زندگی کے معاشی، اقتصادی اور دیگر عملی معاملات بھی اس میں شامل ہیں:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِیْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَo (۱)

’’جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (روزِ قیامت) کھڑے نہیں ہوسکیں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو، یہ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ تجارت (خرید و فروخت) بھی تو سود کی مانند ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، پس جس کے پاس اس کے رب کی جانب سے نصیحت پہنچی سو وہ (سود سے) باز آ گیا تو جو پہلے گزر چکا وہ اسی کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جس نے پھر بھی لیا سو ایسے لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گےo‘‘

وَ اِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌلَّكُمْ اِنْ

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۷۵

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○(۱)

''اور اگر قرضدار تنگ دست ہو تو خوشحالی تک مہلت دی جانی چاہئے اور تمہارا (قرض کو) معاف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں معلوم ہو (کہ غریب کی دل جوئی اللہ کی نگاہ میں کیا مقام رکھتی ہے)○''

الغرض آپ ﷺ نے اسلامی معاشرے کے ہر فرد کو یہ حق عطا کیا کہ معاشرے کا دوسرا فرد اس کے حقوق کی ادائیگی کے لئے کمربستہ رہے اور اس طرح جواباً وہ بھی تا کہ طلب حق کے بجائے ایتائے حقوق کے انقلابی تصور پر مبنی معاشرے کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکے۔

۷۔ رشتہ داروں کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ نے رشتہ داروں سے حسن سلوک اور صلہ رحمی کی تعلیم دی۔ عرب معاشرہ جہاں خاندانی عصبیت کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ آپ ﷺ نے اس عصبیت جاہلیہ کا قلع قمع کیا اور معاشرے کو صحت مند معاشرتی روابط کی بامقصد وابستگی اور انسانی ہمدردی پر مبنی بنیادیں فراہم کیں۔ اس معاشرتی انقلاب نے تعصّبات میں الجھے ہوئے معاشرے کو ان روایات سے آشنا کردیا جو اعلیٰ انسانی اقدار پر مشتمل تھیں۔قرآن حکیم میں اہل قرابت سے حسن سلوک کی کئی مقامات پر تاکید کی گئی:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی۔(۲)

''بے شک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا۔''

وَ اٰتِ ذَا لْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ

(۱) القرآن، البقرہ،۲:۲۸۰

(۲) القرآن، النحل،۱۶:۹۰

تَبْذِيْرًا○ (۱)

''اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ○''

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ (۲)

''اور تم میں سے (دینی) بزرگی والے اور (دنیوی) کشائش والے (اب) اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ (اس بہتان کے جرم میں شریک) رشتہ داروں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مالی امداد نہ) دیں گے انہیں چاہئے کہ (ان کا قصور) معاف کر دیں اور ان کی (غلطی سے) درگزر کریں کیا تم اس بات کو پسندیدہ نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے○''

قرآن حکیم میں قرابت داروں کے معاشی حقوق پر بھی زور دیا گیا:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ○ (۳)

''تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آ پہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو، تو (اپنے) والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھلے طریقے سے وصیت کر لیں، یہ پرہیزگاروں پر لازم ہے○''

---

(۱) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷:۲۶

(۲) القرآن، النور، ۲۴:۲۲

(۳) القرآن، البقرہ، ۲:۱۸۰

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔(۱)

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے) مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتے دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں۔''

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○(۲)

''اور اگر تقسیم (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو○''

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ ط وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّا اَنْ تَفْعَلُوْا اِلٰى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ط كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا○(۳)

''نبی ﷺ ایمان والوں کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں اور اس (نبی) کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور کتاب اللہ کے بموجب رشتہ دار (یعنی جن کا رشتہ خون کا ہے) مسلمانوں اور مہاجرین کے نسبت ایک دوسرے (کے ترکہ) کے زیادہ حقدار ہیں ہاں اگر تم اپنے دوستوں پر احسان کرنا چاہو (انہیں کچھ دیدو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں) یہ بات کتاب میں لکھی جا چکی ہے○''

آپ ﷺ نے صلہ رحمی کو متوازن اور صحتمند معاشرتی زندگی کی بنیاد قرار دیا:

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲:۲۱۵

(۲) القرآن، النساء، ۴:۸

(۳) القرآن، الاحزاب، ۳۳:۶

عن ابی هريرة قال سمعت رسول الله يقول: من سره ان يبسط له فی رزقه و ان ينسأله فی رجاء فليصل رحمه۔(۱)

''حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کو پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت ہواور اس کی عمر میں برکت ہواسے صلہ رحمی کرنی چاہئے۔''

عن جبير بن مطعم انه سمع النبی ﷺ يقول: لا يدخل الجنة قاطع۔(۲)

''جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں داخل ہوگا۔''

عن عبدالله بن اوفی قال: سمعت رسول الله يقول: لا تنزل

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۲، رقم: ۵۶۳۹
۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۱۸۱، رقم: ۴۳۹
۳۔ بخاری، الادب المفرد، ا: ۳۴، رقم: ۵۷
۴۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۲۲۷، رقم: ۳۷۹۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۱، رقم: ۵۶۳۸
۲۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۸۱، رقم: ۲۵۵۶
۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۳۱۶، رقم: ۱۹۰۹
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۸۳
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۱۹۹، رقم: ۴۵۴
۶۔ ابویعلی، المسند، ۱۳: ۳۸۵، رقم: ۷۳۹۱
۷۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴: ۳۲، رقم: ۳۵۳۷
۸۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۲۲۰، رقم: ۷۹۵۱

الرحمة علی قوم فیھم قاطع الرحم۔(۱)

’’عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی رحمت اس قوم پر نہیں ہوتی جس میں قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔‘‘

عن عبداللہ بن عمرو قال: قال رسول اللہ: لا یدخل الجنة منان ولاعاق ولا مدمن خمر۔(۲)

’’عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی احسان جتلانے والا، قطع تعلق کرنے والا اور شراب کشید کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بیہقی، شعب الایمان، ۴: ۲۲۳، رقم: ۷۹۶۲
۲۔ بخاری، الاب المفرد، ۱: ۳۶، رقم: ۶۳
۳۔ ہناد، الزہد، ۲: ۴۸۹، رقم: ۱۰۰۵
۴۔ قیسرانی، تذکرۃ الحفاظ، ۲: ۵۳۳
۵۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۲: ۲۰۵
۶۔ ذہبی، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ۳: ۲۹۵

(۲) ۱۔ نسائی، السنن، ۸: ۳۱۸، رقم: ۵۶۷۲
۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۳: ۲۳۱، رقم: ۵۱۸۲
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۰۱، رقم: ۶۸۸۲
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۷۶، رقم: ۳۳۸۳
۵۔ دارمی، السنن، ۲: ۱۵۳، رقم: ۲۰۹۳
۶۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۹۸، رقم: ۲۴۰۷۸
۷۔ عبداللہ بن احمد، السنہ، ۱: ۳۸۱، رقم: ۸۲۹
۸۔ ہیثمی، موارد الظمآن، ۱: ۳۳۵، رقم: ۱۳۸۲

آپ ﷺ نے محروم المعیشت اقرباء اور رشتہ داروں کی معاشی بحالی پر بھی زور دیا اور معاشرے کے صاحب حیثیت افراد کو معاشی طور پر کمزور اقرباء کے اس حق کی ادائیگی کی تلقین فرمائی:

عن انس رضی اللہ عنہ: قال النبی ﷺ لابی طلحة: اجعلها لفقراء اقاربك فجعلها لحسان و ابی بن کعب و قال الانصاری: حدثنی ابی عن ثمامة عن انس رضی اللہ عنہ مثل حديث ثابت قال: اجعلها لفقراء قرابتك قال انس: فجعلها لحسان و ابی بن کعب و کانا اقرب اليه منی۔(۱)

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ (باغ) اپنے غریب اقارب کو دے دو، پس انہوں نے وہ حضرت حسان اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو دے دیا (جو ان کے چچازاد بھائی تھے) اور انصاری (محمد بن عبداللہ) اپنے والد اور ان کے والد ثمامہ سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے (مذکورہ) حدیث ثابت کی مثل روایت میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ (باغ) اپنے غریب قرابتداروں کو دے دو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے وہ باغ حضرت حسان اور حضرت ابی بن کعب کو دے دیا جو میری نسبت ان کے زیادہ قریبی تھے۔‘‘

۸۔ ہمسائے کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق معاشرہ کے استحکام اور ترقی کا دار و مدار اس پر ہے کہ معاشرے کا ہر فرد خیر اور بھلائی کے امور میں ایک دوسرے کا مددگار بنے اور ان کا باہمی رابطہ ہمدردی، ایثار اور قربانی پر مبنی ہو۔ آپ ﷺ نے اسی جذبے اور

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۰۱۱، رقم: ۲۶۰۰
۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۶: ۲۸۰، رقم: ۱۲۴۲۶

روایت کے فروغ کے لئے ہمسائے کے حقوق متعین فرمائے اور اس کے حقوق کی اتنی زیادہ اہمیت بیان فرمائی کہ وہ اپنے حقوق کی ادائیگی کے لحاظ سے قرابت داروں تک پہنچ گیا۔ ارشاد فرمایا:

مازال یوصینی جبریل بالجار حتی ظننت أنه سیورثهٗ(۱)

’’جبرائیل مجھے ہمسائے کے بارے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال آنے لگا کہ شاید اسے وارث بنا دیا جائے گا۔‘‘

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مازال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثه(۲)

’’جبرائیل ہمیشہ مجھے ہمسائے کے متعلق حکم پہنچاتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ عنقریب اسے وارث بنا دیا جائے گا۔‘‘

قرآن حکیم میں ہمسائے کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا گیا:

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔـا وَّ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۹، رقم: ۵۶۶۸
۲۔ احمد، المسند، ۵: ۳۲
۳۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۳۳۹، رقم: ۱۱۲۹
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۲۳۴، رقم: ۵۲۲
۵۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۲۴۶، رقم: ۳۸۸۴
۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۵
۷۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ۲: ۳۷۰
۸۔ حسینی، البیان والتعریف، ۲: ۱۹۰
(۲) بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۹، رقم: ۵۶۶۹

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَيْمَانُکُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًاO(۱)

’’اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے) اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو (ان سے نیکی کیا کرو) بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہوo‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمسائے کے حقوق کی ادائیگی کو ایمان کا حصہ قرار دیا۔ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أن النبیﷺ قال: واللہ لا يؤمن، واللہ لا يؤمن، واللہ لا يؤمن۔ قيل: ومن يا رسول اللہ؟ قال: الذی لا يأمن جاره بوائقه۔(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں، خدا کی قسم وہ ایمان والا نہیں عرض کیا گیا: یا رسول اللہ کون؟ فرمایا کہ جس کا ہمسایہ اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہیں۔‘‘

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۳۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۴۰، رقم: ۵۶۷۰

۲۔ طیالسی، المسند، ۱: ۱۹۰، رقم: ۱۳۴۰

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۳۳۴، رقم: ۸۲۵۰

۴۔ ابن مندہ، الایمان، ۱: ۴۴۶، رقم: ۳۰۵

۵۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۱: ۵۳، رقم: ۲۱

۶۔ بیہقی، شعب الایمان، ۴: ۳۹۶، رقم: ۵۵۲۴

۷۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۱۳۷

عن ابی هریرة قال: قال رسول اللہ ﷺ: من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یؤذ جارہ، ومن کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ، ومن کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیقل خیرا او لیصمت۔(۱)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو نہ ستائے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اچھی بات منہ سے نکالے یا خاموش رہے۔''

عن ابی شریح العدوی قال: سمعت اذنای وابصرت عینای حین تکلم النبی ﷺ فقال: من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم جارہ، ومن کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ جائزتہ قال: وما جائزتہ یا رسول اللہ؟ قال: یوم ولیلة والضیافة ثلاثة ایام فما کان ورآء ذلک فھو صدقة علیہ، ومن کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیقل خیرا او لیصمت۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۴۰، رقم: ۵۶۷۲
۲۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۳۳۹، رقم: ۵۱۵۴
۳۔ احمد، المسند، ۲: ۴۶۳، رقم: ۹۹۶۸
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۳۷۳، رقم: ۵۱۶
۵۔ قضاعی، مسند الشھاب، ۱: ۲۸۷، رقم: ۴۶۹
۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۱۸۳، رقم: ۴۷۷
۷۔ ابن مبارک، الزہد، ۱: ۱۲۵، رقم: ۳۶۸
(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۴۰، رقم: ۵۶۷۳
۲۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۵۲، رقم: ۴۸

←

''حضرت ابوشریح عدوی ﷛ فرماتے ہیں کہ میرے دونوں کانوں نے سنا اور میری دونوں آنکھوں نے دیکھا جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ مصروف کلام تھے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے اور جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے مہمان کی عزت دستور کے مطابق کرے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ دستور کیا ہے؟ فرمایا کہ ایک دن رات اور مہمانی تین دن تک ہے اور جو اس کے علاوہ ہو وہ صدقہ ہے۔ نیز جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔''

آپ ﷺ نے ہمسائے کی عزت نفس اور اس کے گھر کے تقدس کا احترام کرنے کا حکم فرمایا:

عن ابی هریرة قال کان النبی ﷺ یقول: یا نسآء المسلمات لا تحقرن جارة لجارتها ولو فرسن شاة ۔(۱)

.......۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۳۴۵، رقم: ۱۹۶۷

۴۔ احمد، المسند، ۴: ۳۱

۵۔ ابوعوانہ، المسند، ۴: ۱۹۸، رقم: ۶۴۸۴

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۱۸۲، رقم: ۴۷۶

۷۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۱۹۶

۸۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۱۸۲، رقم: ۴۷۶

۹۔ بخاری، الادب المفرد، ۱: ۲۵۹، رقم: ۴۸۱

۱۰۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۱۴۱

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۴۰، رقم: ۵۶۷۱

۲۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۷۱۴، رقم: ۱۰۳۰

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۴۴۱، رقم: ۲۱۳۰

←

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: اے مسلمان عورتو! تم میں سے کوئی عورت اپنی پڑوسن کی تذلیل وتحقیر نہ کرے اگرچہ وہ بکری کے کھر جیسی کیوں نہ ہو۔‘‘

و عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا يمنع جار جاره ان يغرز خشبة فی جداره۔(۱)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے۔‘‘

...... ۴۔ احمد، المسند، ۲: ۲۶۴، رقم: ۷۵۸۱
۵۔ طیالسی، المسند، ۱: ۳۰۵، رقم: ۲۳۱۶
۶۔ شیبانی، الآحاد والمثانی، ۶: ۲۴۵، رقم: ۳۴۷۶
۷۔ ابن الجعد، المسند، ۱: ۴۱۷، رقم: ۲۸۴۸
۸۔ حارث، المسند، ۱: ۳۹۴، رقم: ۲۹۹
۹۔ بیہقی، السنن الکبریٰ ۴: ۱۷۷، رقم: ۷۳۵۶
۱۰۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳: ۲۴۱، رقم: ۳۴۳۴
۱۱۔ قرشی، مکارم الاخلاق، ۱: ۱۰۹، رقم: ۳۵۹

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۸۶۹، رقم: ۲۳۳۱
۲۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۲۳۰، رقم: ۱۶۰۹
۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۳: ۶۳۵، رقم: ۱۳۵۳
۴۔ ابوداؤد، السنن، ۲: ۳۸۳، رقم: ۲۳۳۵
۵۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۷۸۳، رقم: ۲۳۳۵
۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۲۷۰، رقم: ۵۱۵
۷۔ حمیدی، المسند، ۲: ۴۶۲، رقم: ۱۰۷۷
۸۔ ابن عبدالبر، التمہید، ۱۰: ۲۱۵
۹۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۵: ۳۸۴

ہمسائے کے حقوق بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے اس امر کی وضاحت بھی فرمادی کہ ہمسایہ کون ہے اور کس ہمسائے کے حقوق کو دوسروں کے حقوق پر فوقیت حاصل ہے:

عن عائشة رضی اللہ عنہا **قالت: قلت: یا رسول الله ان لی جارین فإلی ایهما اهدی؟ قال: الی اقربهما منك بابا ۔(۱)**

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں عرض گزار ہوئی: یا رسول اللہ ﷺ! میرے دو ہمسائے ہیں۔ پس میں ان میں سے کس کے لئے تحفہ بھیجا کروں؟ فرمایا کہ ان میں سے جو دروازے کے لحاظ سے تمہارے زیادہ قریب ہے۔''

عن ابی رافع قال قال رسول الله ﷺ الجار احق بسقبه۔(۲)

''حضرت ابو رافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے حق دار ہے۔''

۹۔ یتیم کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ نے معاشرے کے دیگر محروم المعیشت طبقات کی طرح یتیموں کے حقوق کا بھی تعین فرمایا تا کہ وہ بھی کسی معاشرتی یا معاشی تعطل کا شکار ہوئے بغیر زندگی کے ہر میدان میں آگے بڑھ سکیں۔ آپ ﷺ نے یتیم کی کفالت کرنے والے کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أنا و کافل الیتیم فی الجنة هکذا و قال باصبعیه السبابة

(۱) بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۴۱، رقم: ۵۶۷۴
(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۷۸۲، رقم: ۲۱۳۹
۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۵۸۴۱۱، رقم: ۵۱۸۰

والوسطیٰ۔(۱)

’’میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح نزدیک ہوں گے اور آپ ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے ذریعے یہ بات بتائی۔‘‘

قرآن حکیم میں یتیموں کے حقوق کو بڑے جامع انداز سے بیان کیا گیا:

وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ○(۲)

’’اور وہ (لوگ) تم سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں (ان سے) کہو (جس بات میں) ان (یتیموں) کی اصلاح (اور بہتری) ہے، وہ تمہارے لئے بھی بہتر ہے، اور اگر تم ان سے مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی بند ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ کون مفسد ہے اور کون مصلح اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں سخت مشکل میں ڈالتا۔ وہ اختیار والا اور حکمت والا ہے○‘‘

اس ایک آیت میں یتیموں کے وہ تمام حقوق بیان کئے گئے ہیں جو معاشرے پر عائد ہوتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ ارشاد فرمایا گیا کہ یتیموں کے بارے میں وہی فیصلہ کیا جائے

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۷، رقم: ۵۶۵۹
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۳۲۱، رقم: ۱۹۱۸
۳۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۳۳۸، رقم: ۵۱۵۰
۴۔ احمد، المسند، ۵: ۳۳۳، رقم: ۲۲۸۷۱
۵۔ رویانی، المسند، ۲: ۲۱۶، رقم: ۱۰۶۷
۶۔ ابویعلی، المسند، ۸: ۲۸۰، رقم: ۴۸۶۶

(۲) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۲۰

جو ان کی جان، ان کے مال، ان کے اخلاق، ان کی تعلیم وغیرہ تمام اُمور میں ان کے لئے بہتر ہو۔ ولی جس طرح اپنی اولاد سے متعلق فیصلہ کرتے ہوئے ہمیشہ ان کی بہتری اور بھلائی مدنظر رکھتا ہے اور اس پر توجہ اور محنت سے عمل کرتا ہے وہی حق یتیموں کا بھی ہے۔ اس کے بعد اس طرف متوجہ کیا گیا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ حسن سلوک صرف اُنہی کے لئے بہتری اور اصلاح کا موجب ہے، بلکہ یہ معاشرے کے لئے بھی باعث خیر و برکت ہو گا۔ کیونکہ یہی یتیم بڑے ہو کر قوم کے افراد بنیں گے۔ اگر کم سنی میں ان کی تعلیم و تربیت کی کماحقہ نگہداشت نہ کی گئی تو کل یہ معاشرے اور قوم کے لئے ایک بوجھ بن جائیں گے۔ اگر ولی کی غفلت سے ان کے اموال ضائع ہو گئے تو لازماً بڑے ہو کر مفلسی کا شکار ہوں گے اور اس معاشرتی خرابیوں کا باعث بنیں گے۔ یتیموں کی مالی کفالت میں احتیاط اور نگرانی پر زور دیا گیا تا کہ ان کی املاک ضائع نہ ہوں:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○ (۱)

”تم اپنے مال کو نادان اور کم عمر لوگوں کے حوالے نہ کر دو (کیونکہ) تمہارا مال و دولت اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے معیشت و زیست کا سامان بنایا ہے، ہاں اُنہیں (کم سنی کے زمانے میں) ان کے مال میں سے کھانے کو دو، پہننے کو دو اور اُنہیں نیک اور عمدہ تعلیم دو○“

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوْهَآ إِسْرَافًا وَّ بِدَارًا أَنْ يَّكْبَرُوْا۔ (۲)

”اور یتیموں کا امتحان لیتے رہو، یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پھر

(۱) القرآن، النساء، ۴:۵

(۲) القرآن، النساء، ۴:۶

اگر تم ان میں (ہر طرح کی) صلاحیت پاؤ، تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو اور (اس خوف سے) ان کے مال کو فضول خرچی سے جلد جلد ضائع نہ کر دو کہ وہ بڑے (ہونے پر طلب کرنے کے قابل) ہو جائیں گے۔‘‘

دوسرے مقام پر یتیموں کے حقوق کی پامالی پر سخت وعید سنائی گئی:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا○ (۱)

’’جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، وہ گویا (یہاں بھی) اپنے پیٹوں میں انگارے بھر رہے ہیں اور آخرت میں تو وہ دوزخ کی آگ میں جھونکے جائیں گے○‘‘

قرآن حکیم میں یتیموں کے حقوق کی ادائیگی پر متعدد مقامات میں زور دیا گیا:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ○ (۲)

’’آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے) مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے○‘‘

وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا○ (۳)

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۱۰

(۲) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۱۵

(۳) القرآن، النساء، ۴: ۲

’’اور یتیموں کو ان کے مال دیدو اور بری چیز کو عمدہ چیز سے نہ بدلا کرو اور نہ ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر کھایا کرو یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہےo‘‘

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًاo اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًاo(۱)

’’اور (یتیموں سے معاملہ کرنیوالے) لوگوں کو ڈرنا چاہیئے کہ اگر وہ اپنے پیچھے ناتواں بچے چھوڑ جاتے تو (مرتے وقت) ان بچوں کے حال پر (کتنے) خوفزدہ (اور فکر مند) ہوتے سو انہیں (یتیموں کے بارے میں) اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیئے اور (ان سے) سیدھی بات کہنی چاہیئے o بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نری آگ بھرتے ہیں، اور وہ جلد ہی دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گےo‘‘

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔(۲)

’’اور جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے پایا ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لیے (ہے) اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لیے ہے۔‘‘

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ۔(۳)

’’اور تم یتیم کے مال کے (بھی) قریب تک نہ جانا مگر ایسے طریقے سے جو (یتیم کے لئے) بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔‘‘

---

(۱) القرآن، النساء،۴: ۱۰۔۹

(۲) القرآن، الانفال،۸: ۴۱

(۳) القرآن، بنی اسرائیل،۱۷: ۳۴

وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا(۱)

’’اور (یہ وہ لوگ ہیں جو) مسکین، یتیم اور قیدی کو اس کی (یعنی اللہ کی) محبت میں کھانا کھلاتے ہیںo‘‘

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔(۲)

’’جو مال (بلا جنگ کے) اللہ نے اپنے رسول کو (دوسری) بستیوں کے (کافر) لوگوں سے دلوایا تو وہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے اور (یہ مال حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے) عزیزوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔‘‘

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَo وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِo وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّاo (۳)

’’یہ بات نہیں بلکہ تم یتیموں کی قدر دانی نہیں کرتےo اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہوo اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتےo‘‘

اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍo یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍo اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍo (۴)

’’یا بھوک والے دن کھانا کھلانا ہےo قربت دار یتیم کوo یا شدید غربت کے

(۱) القرآن، الدهر،۷۶:۸

(۲) القرآن، الحشر،۵۹:۷

(۳) القرآن، الفجر،۸۹: ۱۷۔۱۹

(۴) القرآن، البلد۹۰:۱۴۔۱۶

مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہےo‘‘

۱۰۔ بے سہاروں کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ غریبوں اور مسکینوں کے لئے رحمت اور سراپا لطف و عطا تھے۔ مساکین کو تکلیف میں دیکھ کر آپ ﷺ ان کے دکھ درد کے ازالے کے لئے کمربستہ ہو جاتے۔ آپ ﷺ نے مساکین کی تکالیف کے ازالے کو معاشرے کا فرض قرار دیا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

الساعی علی الارملة والمسكين كالمجاهد فی سبيل الله، و أحسبه قال يشك القعنبی كالقائم لا يفترو كالصائم لا يفطر۔(۱)

’’بیوہ اور مسکین کے لئے امدادی کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ قعنبی کو شک ہے کہ شاید امام مالک نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس شب بیدار کی طرح ہے جو کبھی سستی محسوس نہیں کرتا اور اس روزہ دار کی طرح جو کبھی روزے نہیں چھوڑتا۔‘‘

۱۱۔ مقروض کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ نے معاشی اور اقتصادی زندگی کو عدل اور احسان کے

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۷، رقم: ۵۶۶۱
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۳۴۶، رقم: ۱۹۶۹
۳۔ نسائی، السنن، ۵: ۸۶، رقم: ۲۵۷۷
۴۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۷۲۴، رقم: ۲۱۴۰
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۵۵، رقم: ۴۲۴۵
۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۶: ۲۸۳، رقم: ۱۲۴۴۴
۷۔ ہیثمی، موارد الظمآن، ۱: ۵۰۱، رقم: ۲۰۴۷

اصولوں پر استوار فرمایا۔ آپ ﷺ نے صاحب حیثیت لوگوں کو کمزوروں سے حسن سلوک کی تعلیم دی۔ مقروض کے حقوق کا تذکرہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے صاحب حیثیت لوگوں کو تعلیم دی کہ وہ ان کے معاملے میں حتی الوسع درگزر، مہلت دہی اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کریں:

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

ان رجلا کان فیمن کان قبلکم اتاہ الملک لیقبض روحه فقیل له هل عملت من خیر قال ما اعلم قیل له انظر قال ما اعلم شیئا غیر انی کنت ابایع الناس فی الدنیا و أجازیهم فانظر الموسر و أتجاوز عن المعسر فادخله الله الجنة۔(۱)

’’تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس کے پاس اس کی روح قبض کرنے فرشتہ آیا تو اس سے کہا گیا کہ کیا تو نے کوئی نیکی کی ہے وہ بولا میں نہیں جانتا اس سے کہا گیا غور تو کر بولا اس کے سوا کچھ اور نہیں جانتا کہ میں دنیا میں لوگوں سے تجارت کرتا تھا۔ اور جب ان سے تقاضا کرتا تھا تو امیر کو مہلت دے دیتا اور غریب کو معافی چنانچہ اللہ نے اسے جنت میں داخل فرما دیا۔‘‘

عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال کان رجل یداین الناس فکان یقول لفتاہ اذا اتیت معسرا فجاوز عنه لعل الله ان یتجاوز عنا قال فلقی الله فتجاوز عنه۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۲۷۲، رقم: ۳۲۶۶
۲۔ احمد، المسند، ۵: ۳۹۵، رقم: ۲۳۴۰۱
۳۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۲: ۲۱، رقم: ۱۳۳۸
(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۲۸۳، رقم: ۳۲۹۳
۲۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۱۹۶، رقم: ۱۵۶۲

←

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے نوکر سے اس نے کہہ رکھا تھا کہ جب تو کسی تنگ دست کے پاس تقاضا کو جائے تو اسے معاف کر دے ہوسکتا ہے کہ اللہ ہم کو معافی دے دے۔ آپ نے فرمایا کہ جب وہ اللہ سے ملا تو رب نے اس سے درگذر فرمائی۔‘‘

عن ابی قتادة قال قال رسول الله ﷺ من سره أن ينجيه الله من كرب يوم القيامة فلينفس عن معسر أو يضع عنه(۱)

’’حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو چاہے اسے روز قیامت کی تکالیف سے نجات ملے تو اسے چاہیے کہ وہ تنگدست کو مہلت دے یا معافی۔‘‘

عن ابی الیسر قال سمعت النبی ﷺ يقول من انظر معسرا او

......۳۔ نسائی، السنن، ۷: ۳۱۸، رقم: ۴۶۹۵

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۶۳، رقم: ۷۵۶۹

۵۔ احمد، المسند، ۲: ۳۳۲، رقم: ۸۳۶۹

۶۔ ابوعوانہ، المسند، ۳: ۳۴۳، رقم: ۵۲۳۳

۷۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳: ۲۷۴، رقم: ۴۸۲۰

۸۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۵: ۱۷۰

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۱۹۶، رقم: ۱۵۶۳

۲۔ ابوعوانہ، المسند، ۳: ۳۴۴، رقم: ۵۲۳۶

۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۵: ۳۵۶، رقم: ۱۰۵۶

۴۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۳۳۹۔۳۴۰

۵۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۲: ۲۰، رقم: ۱۳۳۵

۶۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۳: ۳۷۴

وضع عنه اظله الله فی ظله (۱)

''حضرت ابو الیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو کسی تنگدست کو مہلت یا معافی دے تو اللہ اسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔''

۱۲۔ مسافر کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی معاشرے کو مسافروں کے حقوق کی بھی تعلیم دی۔ قرآن حکیم میں جہاں اہل قرابت، رشتہ داروں، اور دوسرے افراد معاشرہ کے حقوق کا تذکرہ ہوا وہاں مسافروں کے حقوق بھی بیان کئے گئے کیونکہ مسافر دوران سفر اپنے گھر اہل وعیال اور وطن سے دور ہوتا ہے۔ اندریں حالات یہ معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے حقوق کا خیال رکھے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○(۲)

''پس (اے مومن) تو قرابت دار کو اس کا حق دیا کر اور مسکین اور مسافر کو بھی (ان کا حق دیا کر) یہ بات ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو اللہ کی رضا

---

(۱) ا۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۲۳۰۲، رقم: ۳۰۰۶
۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۱: ۴۲۴، رقم: ۵۰۴۴
۴۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۳۳، رقم: ۲۲۲۴
۵۔ دارمی، السنن، ۲: ۳۳۹، رقم: ۲۵۸۸
۶۔ قضاعی، مسند الشہاب، ۱: ۲۸۱، رقم: ۴۶۰
۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۱۶۵، رقم: ۳۷۲
۸۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۵۳۵، رقم: ۱۱۲۴۸

(۲) القرآن، الروم، ۳۰: ۳۸

چاہتے ہیں اور یہی لوگ (دنیا اور آخرت میں) فلاح پانے والے ہیںo‘‘

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌo(۱)

’’بیشک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کئے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لئے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گروہوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور قرضداروں کے بوجھ اتارنے میں اور اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والوں پر) اور مسافروں پر (زکوٰۃ کا خرچ کیا جانا) حق ہے۔ یہ (سب) اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہےo‘‘

۱۳۔ بیمار کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ کو بیماروں کو بیماروں کا بڑا خیال رہتا تھا۔ بیماروں کی عیادت و مزاج پرسی کو آپ نا مسلم معاشرے کی روایت کے طور پر بیان فرمایا۔ بیماروں کو نہ صرف یہ حق حاصل ہے کہ ان کے احباب اور افراد معاشرہ ان کی عیادت کریں اور ان کے علاج معالجے کا اہتمام کریں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دینی معاملات میں رخصت کا حق عطا فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے:

اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا

(۱) القرآن، التوبہ، ۹:۶۰

فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌلَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○(۱)

''(یہ) گنتی کے چند دن (ہیں) پس اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں (کے روزوں) سے گنتی پوری کرے، اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو ان کے ذمے ایک مسکین کے کھانے کا بدلہ ہے پھر جو کوئی اپنی خوشی سے (زیادہ) نیکی کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھ لینا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں سمجھ ہو۔''

وَ اَتِمُّوْا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رَءُ وْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْبِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْصَدَقَةٍ اَوْنُسُك ـ(۲)

''اور حج اور عمرہ (کے مناسک) اللہ کے لئے مکمل کرو، پھر اگر تم (راستے میں) روک لئے جاؤ تو جو قربانی بھی میسر آئے (کرنے کے لئے بھیج دو) اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ منڈواؤ جب تک قربانی (کا جانور) اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے، پھر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (اس وجہ سے قبل از وقت سر منڈوا لے) تو (اس کے) بدلے میں روزے (رکھے) یا صدقہ (دے) یا قربانی (کرے)۔''

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍاَوْجَآءَ اَحَدٌمِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءِ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا

---

(۱) القرآن، البقرہ،۲:۱۸۴

(۲) القرآن، البقرہ،۲:۱۹۶

صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○ (۱)

’’اے ایمان والو! جب (تمہارا) نماز کے لئے کھڑے (ہونے کا ارادہ) ہوتو (وضو کے لئے) اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں سمیت (دھولو) اور اگر تم حالت جنابت میں ہوتو (نہا کر) خوب پاک ہو جاؤ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا تم سے کوئی رفع حاجت سے (فارغ ہوکر) آیا ہو یا تم نے عورتوں سے قربت (مجامعت) کی ہو پھرتم پانی نہ پاؤ تو (اندریں صورت) پاک مٹی سے تیمّم کرلیا کرو پس (تیمّم یہ ہے کہ) اس (پاک مٹی) سے اپنے چہروں اور اپنے (پورے) ہاتھوں کا مسح کر لو اللہ نہیں چاہتا کہ وہ تمہارے اوپر کسی قسم کی سختی کرے لیکن وہ (یہ) چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کر دے اورتم پر اپنی نعمت پوری کر دے تاکہ تم شکرگزار بن جاؤ○‘‘

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا○ (۲)

’’نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے نہ لنگڑے پر کوئی گناہ اور نہ بیمار پر کوئی گناہ (کہ وہ جہاد میں شریک نہ ہو سکے) اور جو کوئی اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور جو کوئی روگردانی کرے گا (اللہ) اسے دردناک عذاب دے گا○‘‘

---

(۱) القرآن، المائدہ، ۵:۶

(۲) القرآن، الفتح، ۴۸:۱۷

آپ ﷺ کو جب کسی کی بیماری کی اطلاع ملتی تو آپ ﷺ فوراً اس کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ام العلاء کی عیادت کی(۱)۔ حتی کہ آپ ﷺ اس میں اپنے اور بیگانے کی تمیز بھی روا نہ رکھتے تھے اور غیر مسلموں کی عیادت بھی فرماتے۔ آپ بیماروں کا حوصلہ بڑھاتے انہیں تسلی دیتے اور علاج کی ترغیب دیتے(۲)۔ حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قالت الأعراب يا رسول الله! ألا نتدوای؟ قال: نعم! يا عباد الله تداووا فإن الله لم يضع داء الا وضع له شفاء۔(۳)

''اعرابیوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم علاج نہ کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اے اللہ کے بندو! (بیمار ہونے پر) علاج کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے شفاء رکھی ہے۔''

آپ ﷺ بیماروں کو الگ تھلگ رکھنے سے منع فرماتے بلکہ بعض اوقات آپ بیمار کے ساتھ شریک ہوکر کھانا تناول فرماتے(۴)۔ الغرض آپ ﷺ نے بیمار کے وہ تمام حقوق بیان فرمائے جو اسے دوبارہ معاشرے کا صحت مند اور فعال فرد بنانے کے لئے

---

(۱) ابوداؤد، السنن، ۳:۱۸۴، رقم: ۳۰۹۲

(۲) ابوداؤد، السنن، ۳: ۱۸۵، رقم: ۳۰۹۵

(۳) ۱۔ ترمذی، السنن، ۴: ۳۸۳، رقم: ۲۰۳۸

۲۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۴: ۳۶۸، رقم: ۷۵۵۳

۳۔ طیالسی، المسند، ۱: ۱۷۱، رقم: ۱۲۳۲

۴۔ بیہقی، شعب الایمان، ۲: ۷۹، رقم: ۱۲۰۷

۵۔ مقدسی، الاحادیث المختارۃ، ۴: ۱۶۹، رقم: ۱۳۸۴

۶۔ شیبانی، الآحاد والمثانی، ۳: ۱۴۰، رقم: ۱۴۶۷

۷۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۹: ۸۹

(۴) ترمذی، السنن، ۴: ۲۶۶، رقم: ۱۸۱۷

ضروری ہیں۔

۱۴۔ مہمان کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ نے مہمان نوازی کو جزوِ اسلام قرار دیا۔ آپ ﷺ مہمانوں کو اکثر مسجد نبوی میں ٹھہراتے اور خود ان کی خدمت کرتے علاوہ ازیں دو انصاری خواتین حضرت رملہ اور ام شریک کے گھر بھی مہمان خانے کا کام دیتے تھے۔ مہمان نوازی میں آپ ﷺ مسلم و کافر کی کوئی تمیز روا نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر کافر آپ ﷺ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو جاتے۔ مہمان نوازی کی فضیلت کو آپ ﷺ نے یوں بیان فرمایا:

اذا اراد الله بقوم خيرا اهدى اليهم هدية ، قالوا يا رسول الله وماتلك الهدية؟ قال الضيف ينزل برزقه. و يرتحل قد غفرالله لاهل المنزل۔(۱)

''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی خیر چاہتا ہے تو ان کی طرف تحفہ بھیجتا ہے پوچھا گیا یا رسول ﷺ تحفہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مہمان جو اپنا رزق لے کر آتا ہے۔ اور جب وہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ گھر والوں کو مغفرت عطا فرماتا ہے۔''

مہمان کے حق ضیافت کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن ابى شريح الكعبى ان رسول الله ﷺ قال: من كان يؤمن بالله واليوم الاخر فليكرم ضيفه، جائزته يوم وليلة والضيافة ثلاثة ايام فما بعد ذلك فهو صدقة ولا يحل له ان يثوى عنده حتى يخرجه۔(۲)

(۱) عجلونی، کشف الخفا، ۱:۸۳، رقم: ۱۹۶
(۲) ا۔ بخاری، الصحیح، ۵:۲۲۷۲، رقم: ۵۷۸۴
۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۲: ۹۷، رقم: ۵۲۸۷
۳۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۸۱، رقم: ۷۲۹۶

←

''حضرت ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ ایک رات دن تو اس کا حق ہے، تین دن تک ضیافت ہے اور اس سے آگے صدقہ ہے۔ کسی شخص کیلئے یہ حلال نہیں ہے کہ دوسرے کے پاس اتنا ٹھہرے کہ اسے گھر سے نکلنے پر مجبور کردے۔''

عن عقبة بن عامر رضی الله عنه انه قال: قلنا: یا رسول الله انك تبعثنا فننزل بقوم فلا یقروننا فما تری فقال لنا رسول الله ﷺ: ان نزلتم بقوم فامروا لكم بما ینبغی للضیف فاقبلوا فان لم یفعلوا فخذوا منهم حق الضیف الذی ینبغی لهم۔(۱)

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ہم عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! اگر ہم ایسی قوم کے پاس جائیں جو مہمان نوازی نہ کرے تو آپ کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس پر ہم سے فرمایا: اگر تم کسی قوم کے پاس جاؤ اور وہ تمہارے متعلق وہی حکم دیں جو مہمان کا حق ہے تو اسے قبول کرلو اور اگر ایسا نہ کریں تو جو مہمانداری کا حق ہے وہ ان سے وصول کرلو۔''

۱۵۔ سیاسی حقوق

i- اِسلام میں اِقتدارِ اَعلیٰ کا تصوّر

اسلام نے اقتدار اعلیٰ کا مرکز و محور حقیقتاً اللہ تعالیٰ اور نیابتاً حضور اکرم ﷺ کو قرار دیا۔ اس طرح اسلامی ریاست میں تمام شہری ایک ہی مقتدر اعلیٰ ہستی کے ماتحت

...... ۴۔ ابوعوانہ، المسند، ۴: ۱۹۸، رقم: ۶۴۸۶

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۷۳، رقم: ۵۷۸۶

۲۔ ابوعوانہ، المسند، ۴: ۱۹۸، رقم: ۶۴۸۷

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۱۹۷

مساوی مطیع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○(۱)

’’اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی، اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کیلئے) اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہی تمہارے حق میں بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے○‘‘

قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ اسلام کے سیاسی نظام کی بنیادی اور اولین دفعہ ہے، اسلامی نظام میں مطاع حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی واحد عملی صورت ہے۔ حضور اکرم ﷺ ہی وہ مستند ذریعہ ہیں جن سے ہم تک اللہ کے احکام اور فرامین پہنچتے ہیں۔ اولو الامر کی اطاعت اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔

ii- اِظہارِ رائے کی آزادی کا حق

اسلامی معاشرے میں اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ ذات الٰہی قرار پانے کے بعد کسی شخص کی ذاتی پسند یا ناپسند کی بنیاد پر کسی کے اظہار رائے کی آزادی پر پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ اسلامی معاشرے میں ہر شخص کو اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔ قرآن حکیم میں اس حق کو بیان کر کے شورائی اور جمہوری کلچر کی بنیاد فراہم کر دی گئی کیونکہ بغیر آزادانہ اظہار اور تبادلہ رائے کے شورائی اور جمہوری عمل آگے نہیں بڑھ سکتا۔ دوسرے کو اظہار رائے کا حق فراہم کرنے کے لئے جس تحمل، بردباری، برداشت اور اعلیٰ ظرفی کی ضرورت ہوتی ہے اس

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۵۹

کی اہمیت کو قرآن حکیم نے حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو بیان کرتے ہوئے یوں واضح کیا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝ (۱)

’’(اے حبیب والا صفات) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تندخو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لیے بخشش مانگا کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ کیا کریں پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں بے شک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے ۝‘‘

حضور اکرم ﷺ نے اظہار رائے کی آزادی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

عن ابی امامة ان رجلا قال عند الجمرة: یا رسول اللہ ای الجهاد افضل؟ قال "افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر۔(۲)

’’حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا سب سے بہترین جہاد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ظالم و جابر سلطان

---

(۱) القرآن، آل عمران، ۳:۱۵۹

(۲) ۱۔طبرانی، المعجم الکبیر، ۸:۲۸۲ رقم:۸۰۸۱

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۹، رقم:۱۱۱۵۹

۳۔حمیدی، المسند، ۲:۳۳۱، رقم:۷۵۲

۴۔بیہقی، شعب الایمان، ۶:۹۳، رقم:۷۵۸۱

کے سامنے کلمہ حق کہنا بہترین جہاد ہے۔‘‘

اسلامی معاشرے میں اظہار رائے کی آزادی کا حق قرآن و سنت کے اصول و ضوابط کی پابندی سے مشروط ہے۔ ایسے ہر اظہار رائے و خیال کی حوصلہ شکنی کی جائے گی جو اسلامی اقدار عالیہ کی پامالی کا باعث بنتا ہو۔ یہ امر اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُو الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِo(۱)

’’(یہ اہل حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہےo‘‘

iii- سیاسی سرگرمیوں کا حق

اسلامی ریاست کے شہریوں کو مثبت اور تعمیری سرگرمیوں کا حق حاصل ہے۔ اسلامی ریاست کا سیاسی نظام شورائی اور جمہوری اصولوں پر مبنی ہے جو آزادانہ،شفاف اور اصول پسندی پر مبنی سیاسی سرگرمیوں کے نتیجے میں ہی قیام پذیر ہوسکتا ہے۔ اسلامی ریاست کے شہریوں کی سیاسی سرگرمیوں کا مقصود تمام سیاسی معاملات و تنازعات کو ہدایت ربانی کی روشنی میں چلانا اور حل کرنا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا o(۲)

---

(۱) القرآن، الحج، ۲۲:۴۱

(۲) القرآن، النساء، ۴:۵۹

’’اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ امر کی، پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کیلئے) اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے اچھا ہے o‘‘

اور تمام باہمی سیاسی رابطے بھی ایسا ریاستی و معاشرتی ماحول پیدا کرنے کا سبب بننا چاہئیں جہاں قرآن وسنت کے عطا کردہ اصولوں کی پاسداری ہو رہی ہو:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ (۱)

’’اے نبی! جب مسلمان عورتیں اس لیے آپ کے پاس آئیں کہ ان باتوں پر بیعت کریں کہ وہ کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کرے گی اور نہ بدکاری کرے گی، اور نہ اپنی اولاد کو مار ڈالے گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھیں گی (یعنی حرام کاری کے بچہ کو اپنے خاوند کا بچہ نہ بتائیں گی) اور امور شریعت میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیجئے اور اللہ سے ان کے لیے بخشش طلب فرمایئے، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے o‘‘

اسلامی ریاست کے شہریوں کے اس مثبت، تعمیری، جمہوری اور بہبودی و سیاسی کردار کا تذکرہ دوسرے مقام پر اس طرح کیا گیا:

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُو الصَّلٰوةَ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَ

---

(۱) القرآن، الممتحنہ، ۶۰: ۱۲

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (۱)

''اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں○''

iv- اِجتماع و تنظیم کا حق

اسلام نے آزادی اظہار رائے اور سیاسی سرگرمیوں کا حق عطا کر کے شہریوں کی سیاسی سرگرمیوں پر سے ہر طرح کی پابندی کو ختم کر دیا۔ مثبت سیاسی سرگرمیوں کا فروغ بغیر تنظیم کے ممکن نہیں۔ اسلامی معاشرے میں مثبت سیاسی و سماجی سرگرمیوں کے فروغ کے لئے نہ صرف افراد معاشرہ کو اجتماع و تنظیم کا حق دیا گیا بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ترغیب بھی دی گئی کہ ہر معاشرے میں صالح اور مثبت سیاسی و سماجی فکر و عمل کے حامل افراد کی ایسی موثر جماعت ضرور ہونی چاہئے جو معاشرے کو صحیح ڈگر پر رواں دواں رکھے اور ہر طرح کے سیاسی، سماجی، معاشرتی اور مذہبی انتشار و افتراق اور انحطاط سے محفوظ رکھنے کے لئے جدوجہد کرے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (۲)

''اور تم میں سے ایسے لوگوں کی جماعت ضرور ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور وہی لوگ بامراد ہیں○''

v- ریاستی اِختیار کا حق

اسلام کے سیاسی نظام میں ریاستی اختیار کا حق صرف ان باشندوں کو ہے جو

(۱) القرآن، الشوریٰ، ۴۲: ۳۸

(۲) القرآن، آل عمران، ۳: ۱۰۴

اسلامی مملکت کی حدود میں ہوں، لیکن اخوت کا رشتہ بدستور ہے اور بین الاقوامی ذمہ داریاں بھی۔ اخلاقی حدود کا پاس رکھتے ہوئے مظلوم کی امداد مسلم حکومت کی ذمہ داری ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَالَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ(۱)

''وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے (دار الاسلام میں) نہیں آئے، تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے، جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔ ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے لیکن ایسی کسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے o''

vi- ریاستی سربراہ منتخب کرنے کا حق

اسلام کے سیاسی نظام میں عوام کو سربراہ مملکت منتخب کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ قوم کے معاملات چلانے کے لئے قوم کا سربراہ سب کی مرضی سے مقرر کیا جائے اور وہ قومی معاملات کو ایسے صاحب رائے لوگوں کے مشورے سے چلائے جن کو قوم قابل اعتماد سمجھتی ہو اور وہ اس وقت تک سربراہ رہے جب تک قوم خود اسے اپنا سربراہ بنائے رکھنا چاہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ۔(۲)

''اور وہ اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں۔''

(۱) القرآن، الانفال، ۸: ۷۲

(۲) القرآن، الشوریٰ، ۴۲: ۳۸

vii- بے لاگ انصاف کا حق

اسلام کے قائم کردہ سیاسی نظام کی اہم خصوصیت شہریوں کو بے لاگ اور فوری انصاف کی فراہمی ہے۔ بے لاگ انصاف جہاں ایک طرف شہریوں کا حق ہے تو دوسری طرف ریاست کی ذمہ داری اور اہم فریضہ ہے۔ قرآن حکیم نے اس ریاستی ذمہ داری کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ○ (۱)

''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ○''

اسلام کے سیاسی نظام میں بے لاگ اور سب کے لئے یکساں انصاف مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے جس میں کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہوسکے۔

viii- ظلم و جبر کے خلاف اِحتجاج و سماعت کا حق

عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ اس معاشرے میں ہر نوع کے ظلم و ستم اور جبر و استحصال کا قلع قمع کیا جائے۔ اسلام نے ہر فرد معاشرہ کو ظلم و جبر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کا حق دیا ہے اور اسلامی ریاست اس بات کی پابند ہے کہ وہ اس صدائے احتجاج پر اپنے فرائض منصبی کو سامنے رکھتے ہوئے ظلم و ستم کا ازالہ کرے:

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ○ (۲)

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۵۸

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۱۴۸

’’اللہ کسی (کی) بُری بات کا بآوازِ بلند (ظاہراً و علانیۃً) کہنا پسند نہیں فرماتا سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو (اسے ظالم کا ظلم آشکار کرنے کی اجازت ہے) اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہےo‘‘

ix- تمام شہریوں کے لیے حقوق کی یکسانیت

بہترین سیاسی نظام وہ ہے جس میں ہر ایک کے حقوق یکساں ہوں۔ یہ نہیں کہ ملک کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر کے کسی کو مراعات و امتیازات سے نوازا جائے اور کسی کو محکوم بنا کر ظلم و ستم اور استحصال کا نشانہ بنایا جائے۔ اسلامی نظام حکومت میں نسل، رنگ، زبان یا طبقات کی بنا پر کوئی امتیاز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں فرعون کی حکومت کی برائی ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَ هُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَ هُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَo(۱)

’’فرعون زمین میں (اپنے کفر و انکار میں) بہت بڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے لوگوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کر رکھا تھا۔ (یہ بنی اسرائیل کا گروہ تھا) جس کے بیٹوں کو وہ ذبح کر دیتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا۔ بے شک وہ (زمین میں) بڑی خرابی پیدا کرنے والوں میں سے تھاo‘‘

فرعون کے اسی ظالمانہ استحصالی اور طبقاتی نظام کے خاتمے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ جس سے بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم سے نجات ملی۔ اسلام کی تعلیمات اسلامی ریاست میں ہر نوع کی طبقاتی تقسیم کی نفی کرتی ہیں۔

---

(۱) القرآن، القصص، ۲۸: ۴

x- قانون کے مساوی نفاذ کا حق

اسلام نے عدل و انصاف کا ایسا جامع نظام عطا کیا ہے جس میں کسی بھی قانون کا نفاذ امتیازی بنیادوں پر نہیں کیا جاسکتا بلکہ ہر شخص کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اسے نفاذ قانون کے باب میں مساوی درجہ حاصل ہو اور وہ کسی بھی امتیاز کا شکار نہ ہو۔ارشادِ ربانی ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔(۱)

’’ہم ہی نے اپنے رسولوں کو نشانیاں (معجزات) دیکر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور (اس کو) میزانِ (عدل قرار دیا) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے (اپنی قدرت سے) لوہا اتارا اس میں لوگوں کے لیے سخت خطرہ بھی ہے اور فائدے بھی۔‘‘

خلفائے راشدین کا طرزِ عمل اسلام کے عطا کردہ اسی حق کے احترام کا عکاس تھا۔

عن عبدالله بن عمرو بن العاص أن ابابكر الصديق قام يوم جمعة، فقال: اذا كان بالغداة فأحضروا صدقاتِ الإبل نقسم ولا يدخل علينا أحدٌ الا بإذن، فقالت امرأة لزوجها: خذ هذا الخطام لعل الله يرزقنا جملًا فأتى الرجل فوجد أبا بكر و عمر قد دخلا إلى الإبل فدخل معهما، فالتفت أبوبكر فقال: ما أدخلك علينا؟ ثم أخذ منه الخطام، فضربه، فلما فرغ أبوبكر عن قسم الإبل دعا بالرجل فأعطاه الخطام و قال: استقد۔ فقال له عمر: والله لا

---

(۱) القرآن، الحدید، ۵۷:۲۵

يستقيد لا تجعلها سنة، قال أبوبكر: فمن لي من الله يوم القيامة؟ فقال عمر: أرضه، فأمر أبوبكر غلامه أن يأتيه براحلة و رحلها و قطيفة و خمسة دنانير فأرضاه بها۔(۱)

’’حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق بروز جمعہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: دوپہر کے وقت صدقہ کے اونٹ آئیں گے جنہیں ہم تقسیم کریں گے، کوئی شخص ہماری اجازت کے بغیر ہمارے پاس نہ آئے۔ ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا: (صدقات کے اونٹ تقسیم ہو رہے ہیں) تم یہ نکیل لے کر وہاں جاؤ شاید اللہ تعالیٰ ہمیں بھی کوئی اونٹ عطا کردے۔ پس وہ آدمی آیا اور اس نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اونٹوں کے گلہ میں داخل ہو رہے ہیں تو وہ بھی ان کے ساتھ داخل ہوگیا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو اس سے پوچھا: تم یہاں کیوں آئے ہو؟ اور پھر اس سے نکیل لے کر اسے مارا۔ جب آپ تقسیم سے فارغ ہوگئے تو اس شخص کو بلا کر نکیل واپس کردی اور فرمایا کہ اپنا بدلہ لے لو۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے مداخلت کرتے ہوئے فرمایا بخدا یہ بدلہ نہیں لے گا اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ اس کو دستور العمل نہ بنائیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے میرا کون ضامن بنے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اسے کچھ دے دلا کر راضی کرلیں اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ اس شخص کو ایک سواری کجاوے کے ساتھ، ایک چادر اور پانچ دینار لاکر دے اس طرح آپ نے اس شخص کو راضی کرلیا۔‘‘

xi- غلام کے سیاسی حقوق

اسلام کی آمد سے قبل غلام معاشرے کا بے بس حصہ تھے جن کا کوئی پرسان حال

(۱) علی متقی، کنز العمال، ۵: ۵۹۶، رقم: ۱۴۰۵۸

نہ تھا۔ غلاموں کی خرید و فروخت عام بازاری اجناس کی طرح ہوتی تھی جو احترام انسانیت کے منافی تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے اسوہ حسنہ سے غلامی کے institution کو ختم کرنے کی اساس رکھی اور غلاموں کو وہ مقام عطا کیا جو دوسرے افراد معاشرے کو حاصل تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اخوانكم جعلهم الله تحت ايديكم فمن كان اخوه تحت يديه فليطعمه مما ياكل وليكسه مما يلبس ولا يكلفه ما يغلبه فان كلفه ما يغلبه فليعنه(۱)

"(غلام) تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کیا ہے۔ سو جس شخص کے ماتحت اس کا بھائی ہو اسے وہ کھلائے جو خود کھاتا ہو۔ وہ پہنائے جو خود پہنے۔ ان کو اتنا کام نہ دے جو وہ نہ کرسکیں۔ اگر ایسا کام دیں تو اس کی اعانت کریں۔"

ایک مرتبہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک آزاد غلام کو اس کی عجمی ماں کا طعنہ دیا تو اس پر آپ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

يا ابا ذر انك امرء فيك جاهلية قال: انهم اخوانكم فضلكم الله

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۳۴۰، رقم: ۵۱۵۸
۲۔ ابوعوانہ، المسند، ۴: ۷۳، رقم: ۶۰۷۱
۳۔ بزار، المسند، ۹: ۴۰۰، رقم: ۳۹۹۲
۴۔ ترمذی، السنن، ۴، ۳۳۴، رقم: ۱۹۴۵
۵۔ بیہقی، السنن، ۸: ۷
۶۔ عبدالرزاق، المصنف، ۹: ۴۴۸
۷۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، ۴: ۳۵۶

علیھم فمن لم یلائمکم فبیعوہ و لا تعذبوا خلق اللہ(۱)

''اے ابوذر! تم میں اب تک جاہلیت باقی ہے۔ فرمایا! یہ غلام تمھارے بھائی ہیں۔ خدا نے تم کو ان پر فضیلت عطا کی ہے۔ اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہوں تو ان کو فروخت کرڈالو۔ (مگر) اللہ کی مخلوق کو ستایا نہ کرو۔''

غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من اعتق مسلما کان فکاکہ من النار۔(۲)

''جس کسی نے مسلمان کو آزاد کیا وہ اس کے لئے آگ سے رہائی کا باعث ہوگا۔''

غلام کو معاشرتی وسماجی حقوق عطا کرنے کے ساتھ آپ ﷺ نے غلام کو سیاسی حقوق بھی عطا فرمائے یہ حقوق ہمیں خلفائے راشدین کے دور میں روبہ عمل نظر آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسلمان غلام مسلمانوں ہی میں سے ہے اور اس کی امان

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۳۴۰، رقم: ۵۱۵۷
۲۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۲۸۲، رقم: ۱۶۶۱
۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۷
۴۔ احمد بن حنبل، مسند، ۵: ۱۶۸، رقم: ۲۱۵۲۱
۵۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۱۴۹، رقم: ۳۴۴۵
۶۔ حکیم ترمذی، نوادرالاصول، ۱: ۱۱۵
۷۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۱: ۱۷

(۲) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۲۳۱، رقم: ۲۸۴۵
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۳۴
۳۔ طیالسی، المسند ۱: ۱۶۶، رقم: ۱۱۹۸
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱: ۱۳۳، رقم: ۲۷۹

مسلمانوں کی امان ہے(۱)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسلمانوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کرلیا، ایک غلام نے امان لکھی اور تیر پر باندھ کر ان کی جانب پھینک دی۔ مسلمانوں نے کہا کہ غلام کی امان ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو معلوم نہیں ہے کہ کون غلام ہے اور کون آزاد۔ یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تحریر کیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مسلمانوں کا غلام مسلمانوں ہی میں سے ہے اوراس کا ذمہ مسلمانوں کا ذمہ ہے(۲)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے تحریر فرمایا کہ مسلمان غلام مسلمانوں ہی کا ایک فرد ہےاوراس کا ذمہ مسلمانوں کا ذمہ ہے۔(۳)

۱۶۔ اِقتصادی حقوق

i- قرآن کا معاشی نقطہ نظر

قرآن حکیم کے عطا کردہ معاشی تصورات کی روشنی میں ہرفرد معاشرہ کے لئے اصولی طور پر برابر معاشی مواقع فراہم کئے گئے ہیں۔اب یہ ریاستی اتھارٹی اور معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہرفرد معاشرہ کے اقتصادی و معاشی حق کی فراہمی کو یقینی بنائیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاشی بدحالی کے خوف سے قتل انسانی سے منع کیا۔

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا○ (۴)

---

(۱) ۱۔عبدالرزاق، المصنف، ۵: ۲۲۵
۲۔ ابن قدامہ، المغنی، ۸: ۳۹۸

(۲) ۱۔ ابوعبید، کتاب الاموال: ۱۸۷
۲۔ ابویوسف، کتاب الخراج: ۲۴۲
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۹۴

(۳) ابن قدامہ، المغنی، ۸: ۳۹۷

(۴) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۱

''اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشے سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہےo''

قرآن مجید کی تعلیمات سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ رزق اور وسائل رزق میں تفاوت بجائے خود کوئی برائی نہیں ہے جسے مٹانا اور مصنوعی طور پر ایک بے طبقات سوسائٹی پیدا کرنا کسی درجہ میں بھی مطلوب ہو۔ صحیح راہ عمل یہ ہے کہ سوسائٹی کے اخلاق و اطوار اور قوانین عمل کو اس انداز پر ڈھال دیا جائے کہ معاشی تفاوت کسی ظلم و بے انصافی کا موجب بننے کے بجائے ان بے شمار اخلاقی، روحانی اور تمدنی فوائد و برکات کا ذریعہ بن جائے، جن کی خاطر ہی دراصل خالق کائنات نے اپنے بندوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت رکھا ہے۔

معاشرے کے صاحب حیثیت افراد کو افزائش رزق کی تعمیری کوششوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ اے انسان! رزق رسانی کا انتظام تیرے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اس پروردگار کے ہاتھ میں ہے جس نے تجھے زمین میں بسایا ہے، جس طرح وہ پہلے آنے والوں کو روزی دیتا رہا ہے بعد کے آنے والوں کو بھی دے گا۔ تاریخ کا تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ دنیا میں کھانے والی آبادی جتنی بڑھتی گئی، اتنے ہی معاشی ذرائع وسیع ہوتے چلے گئے۔

ii- دولت کی گردش کا قرآنی تصوّر

قرآن حکیم دولت کے ارتکاز کے بجائے اس کی گردش کی تعلیم دیتا ہے تا کہ ہر فرد معاشرہ کو برابر معاشی و اقتصادی ثمرات میسر آسکیں:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ(۱)

''تاکہ وہ (مال) تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔''

اس آیت میں اسلامی معاشرے اور حکومت کی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ

(۱) القرآن، الحشر، ۵۹: ۷

بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہونی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ مال صرف مال داروں ہی میں گھومتا رہے یا امیر روز بروز امیر تر اور غریب دن بدن غریب تر ہوتے چلے جائیں۔ اسی مقصد کے لئے سود حرام کیا گیا ہے، زکوٰۃ فرض کی گئی، مال غنیمت میں خمس مقرر کیا گیا، صدقات کی تلقین کی گئی، مختلف قسم کے کفاروں کی ایسی صورتیں تجویز کی گئیں جن سے دولت کے بہاؤ کا رخ معاشرے کے غریب طبقات کی طرف پھر جائے۔ میراث کا ایسا قانون بنایا گیا کہ ہر مرنے والے کی چھوڑی ہوئی دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائرے میں پھیل جائے۔ اخلاقی حیثیت سے بخل کو سخت قابل مذمت اور فیاضی کو بہترین صفت قرار دیا گیا۔ غرض وہ انتظامات کئے گئے کہ دولت کے ذرائع پر مالدار اور با اثر لوگوں کی اجارہ داری قائم نہ ہو اور دولت کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف ہو جائے۔

الغرض اسلام کے عطا کردہ اقتصادی اور معاشی حقوق کا مقصود معاشرے کے محروم المعیشت افراد کو بھی ایسے مواقع فراہم کرنا ہے کہ وہ حقیقی معنی میں ایک فلاحی معاشرے کے شہری کے طور پر زندگی گزار سکیں۔

iii- معاشی جد و جہد کا حق

اسلام کی آمد سے قبل عرب معاشرہ طبقاتی تقسیم کا شکار تھا۔ سود، اور استحصال کی دوسری صورتوں نے معاشی جدوجہد کو مفلوج کر رکھا تھا۔ ذرائع آمدنی پر مخصوص لوگوں کا قبضہ تھا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف غیر صحتمندانہ معاشی سرگرمیوں کا خاتمہ کیا بلکہ معاشرے میں صحت مند معاشی سرگرمیوں کے فروغ کے لئے ہر شخص کو معاشی جدوجہد کا حق عطا فرمایا اور ہر پیشے کو باوقار پیشہ قرار دیا:

عن المقدام بن معدیکرب قال قال رسول الله ﷺ ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدیه و ان نبی الله داؤد علیه السلام کان یاکل من عمل یدیه (۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۷۳۰، رقم: ۱۹۶۶

۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۶: ۱۲۷، رقم: ۱۱۴۷۱

←

''حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص نے کبھی کوئی کھانا اس سے اچھا نہ کھایا کہ انسان ہاتھوں کی کمائی سے کھائے اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کے عمل سے کھاتے تھے۔''

عن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة و عن ابن عباس انه سئل عن اجرة کتابة المصحف فقال لاباس انما هم مصورون و انهمانما یاکلون من عمل ایدیهم۔(۱)

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلال کمائی کی تلاش ایک فرض کے بعد دوسرا فرض ہے روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ آپ سے قرآن مجید لکھنے کی اجرت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں یہ لوگ تو نقش باندھنے والے ہیں اور اپنے ہاتھ کے کام سے کھاتے ہیں۔''

------۳۔ طبرانی، مسند الشامیین، ۱: ۲۴۴، رقم: ۴۳۲
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰: ۲۶۷
۵۔ بیہقی، شعب الایمان، ۵: ۶۴، رقم: ۵۷۹۱
۶۔ بخاری، التاریخ الکبیر، ۷: ۴۲۹، رقم: ۱۸۸۲
(۱) ۱۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۴۲۰، رقم: ۸۷۴۱
۲۔ صیداوی، معجم الشیوخ، ۱: ۱۰۶
۳۔ قیسرانی، تذکرة الحفاظ، ۳: ۹۰۲، رقم: ۸۶۸
۴۔ قضاعی، مسند الشہاب، ۱: ۱۰۴
۵۔ ابونعیم، حلیة الأولیاء، ۷: ۱۲۶

iv- غریبوں اور محتاجوں کا حق

حضور اکرم ﷺ نے غریبوں اور محتاجوں سے حسن سلوک کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ جب بھی غریبوں اور محتاجوں کو کسی تکلیف میں مبتلا دیکھتے، تو جب تک ان کی تکلیف کا ازالہ نہ ہو جاتا آپ مطمئن نہ ہوتے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر غریبوں اور محتاجوں کے حقوق کا تذکرہ کیا گیا کہ معاشرے کے صاحب حیثیت افراد پر ان کی معاشی بحالی کا حق ہے جس کی ادائیگی اہل ایمان کے لئے ضروری ہے:

یَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنَ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ۔(۱)

’’آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے) مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں۔‘‘

وَ اِذَا حَضَرَا لْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○(۲)

’’اور اگر تقسیم (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو○‘‘

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ۔(۳)

’’اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ

(۱) القرآن، البقرہ، ۲:۲۱۵

(۲) القرآن، النساء، ۴:۸

(۳) القرآن، النساء، ۴:۳۶

کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے نیکی کیا کرو)۔‘‘

وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا○ (۱)

’’اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ○‘‘

اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ○ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ○ فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ○ (۲)

’’کیونکہ وہ خدائے بزرگ و برتر پر ایمان نہیں رکھتا تھا○ اور نہ محتاجوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا○ پس آج اس کا بھی یہاں کوئی ہمدرد نہیں○‘‘

وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا (۳)

’’اور (یہ وہ لوگ ہیں جو) مسکین، یتیم اور قیدی کو اس کی (یعنی اللہ کی) محبت میں کھانا کھلاتے ہیں○‘‘

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ○ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ○ (۴)

’’سو آپ (بھی) کسی یتیم پر سختی نہ فرمائیں○ اور (اپنے در کے) کسی منگتے کو نہ جھڑکیں○‘‘

یہی تعلیم احادیث مبارکہ میں بھی دی گئی:

ان رجلا کان فیمن قبلکم اتاه الملك لیقبض روحه فقیل له هل

---

(۱) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷:۲۶

(۲) القرآن، الحاقہ، ۶۹:۳۳۔۳۵

(۳) القرآن، الدہر، ۷۶:۸

(۴) القرآن، الضحیٰ، ۹۳:۹، ۱۰

عملت من خیر قال ما اعلم قیل له انظر قال ما اعلم شیئا غیر انی کنت ابایع الناس فی الدنیا اجازیهم فانظر الموسر وأتجاوز عن المعسر فادخله الله الجنة۔(۱)

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:تم سے اگلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس کے پاس اس کی روح قبض کرنے فرشتہ آیا تو اس سے کہا گیا کہ کیا تو نے کوئی نیکی کی ہے وہ بولا میں نہیں جانتا اس سے کہا گیا غور تو کر بولا اس کے سوا کچھ اور نہیں جانتا کہ میں لوگوں سے تجارت کرتا تھا۔ اور جب ان سے قرض کا تقاضا کرنا ہوتا تو امیر کو مہلت دے دیتا اور غریب کو معافی چنانچہ اللہ نے اسے جنت میں داخل فرما دیا۔''

عن ابی هریرة ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال کان رجل یداین الناس فکان یقول لفتاه اذا اتیت معسرا تجاوز عنه لعل الله ان یتجاوز عنا قال فلقی الله فتجاوز عنه۔(۲)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے نوکر سے اس نے کہہ رکھا تھا کہ جب تو کسی

---

(۱) ا۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۲۷۲، رقم: ۳۲۶۶
۲۔ مسلم، الصحیح، ۲، ۱۸۷، رقم: ۱۵۶۰
۳۔ ابوعوانہ، المسند، ۳: ۳۴۶، رقم: ۵۲۴۰
۴۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۴: ۵۴۷، رقم: ۲۳۰۱۹
۵۔ منذری، الترغیب و الترہیب، ۲: ۲۰، رقم: ۱۳۳۸

(۲) ا۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۲۸۳، رقم: ۳۲۹۳
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۶۳، رقم: ۷۵۶۹
۳۔ ابوعوانہ، المسند، ۳: ۳۴۳، رقم: ۵۲۳۳

تنگ دست کے پاس تقاضا کو جائے تو اسے معاف کر دے ہوسکتا ہے کہ اللہ ہم کو معافی دے دے فرمایا کہ وہ اللہ سے ملا تو رب نے اس سے درگذر فرمائی۔‘‘

عن ابی قتادة قال قال رسول اللہ ﷺ من سره ان ینجیه اللہ من کرب یوم القیمٰة فیلنفس عن معسر او یضع عنه(۱)

’’حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو چاہے اسے روز قیامت کی تکالیف سے نجات دے تو چاہیے کہ وہ تنگدست کو مہلت دے یا معافی۔‘‘

عن ابی الیسر قال سمعت النبی ﷺ یقول من انظر معسرا او وضع عنه اظله اللہ فی ظله(۲)

’’حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو کسی تنگدست کو مہلت یا معافی دے تو اللہ اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔‘‘

عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال ان اولی بالمومنین من انفسهم فمن مات وعلیه دین ولم یترك وفاء فعلی قضآوه ومن ترك مالا فلورثته(۳)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۱۹۶، رقم: ۱۵۶۳
۲۔ ابوعوانہ، المسند، ۳: ۳۴۴، رقم: ۵۲۳۶
(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۲۳۰۱، رقم: ۳۰۰۶
۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۱: ۴۲۴، رقم: ۵۰۴۴
۳۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۳۳، رقم: ۲۲۲۴
(۳) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۴۷۶، رقم: ۶۳۵۰
۲۔ ابوعوانہ، المسند، ۳: ۴۴۲، رقم: ۵۶۱۹

←

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ والی ہوں جو مر جائے اور اس پر قرض ہو جسکی ادا کا ذریعہ نہ چھوڑے اس کی ادائیگی مجھ پر ہے اور جو مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔‘‘

۷- محروم المعیشت کا حق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی معاشرے کے صاحب حیثیت افراد پر لازم قرار دیا کہ وہ معاشرے کے محروم المعیشت افراد کے معاشی استحکام کے لئے اقدامات کریں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے محروم المعیشت افراد کا حق قرار دیا ارشاد ربانی ہے:

وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌO لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِO(۱)

’’اور جن کے مال میں (حقداروں کا) حق مقرر ہے۔ مانگنے والے کا اور نہ مانگنے والے کاo‘‘

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَO وَمَا اَدْرٰيكَ مَاالْعَقَبَةُ O فَكُّ رَقَبَةٍ O اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍO يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍO اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍO (۲)

’’پھر وہ (خیر یعنی عمل صالح کی) گھاٹی میں داخل ہی نہیں ہواo اور آپ سمجھے؟ کہ گھاٹی کیا ہے(وہ دینِ حق ہے)(یعنی) کسی (کی) گردن کا (مشکلات اور قید و بند سے) چھڑانا (ہے) o یا بھوک کے دن (یعنی قحط کے زمانہ میں)

........۳۔طبرانی، المعجم الاوسط، ۸ :۳۴۱، رقم: ۸۸۱۰
۴۔مسلم، الصحیح،۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹
۵۔ابن حبان، الصحیح ، ۷: ۳۳۳

(۱) القرآن، المعارج ،۷۰:۲۴، ۲۵

(۲) القرآن، البلد،۹۰: ۱۱۔۱۶

کھانا کھلانا (ہے)o یتیم کو جو قرابت دار ہےo (یا ہمسایہ ہے کہ یہ دوہرا ثواب ہے) یا مسکین (نادار، غریب) کو (کھانا کھلانا) جو خاک نشین ہے (مال و دولت سے محروم ہے)o''

محروم المعیشت افراد کو یہ حق ان کے مرنے کے بعد بھی حاصل ہوتا ہے:

عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال ان اولی بالمومنين من انفسهم فمن مات وعليه دين ولم يترك وفاءً فعلی قضآؤه ومن ترك مالًا فلورثته۔(۱)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا میں مسلمانوں کے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہوں ان سے جو مر جائے اور اس پر قرض ہو جسکی ادائیگی کا ذریعہ نہ ہو اس کی ادائیگی مجھ پر ہے اور اگر وہ مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔''

vi- مزدوروں کا حق

عادلانہ اور منصفانہ معاشی نظام کے قیام کے لئے آجر اور اجیر میں عدل و انصاف پر مبنی تعلقات کار ضروری ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے عدل و انصاف پر مبنی معاشی نظام کے اسی بنیادی تقاضے کو پورا کرتے ہوئے مزدوں کے حقوق کا تعین فرمایا اور انہیں ہر طرح کا معاشی تحفظ عطا کیا۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق معاشی تفاوت انسانی مساوات کی روح کو بے اثر نہیں کرسکتی بلکہ نفس واحدہ سے تخلیق پانے کے سبب سب انسان مساوی عزت و تکریم کے حامل ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۴۷۶، رقم: ۶۳۵۰
۲۔ ابوعوانہ، المسند، ۳: ۴۴۲، رقم: ۵۶۱۹
۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۸: ۳۴۱، رقم: ۸۸۱۰

تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا○ (۱)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہارے پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتوں (میں بھی تقویٰ اختیار کرو) بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے○''

تاہم معاشی عدم تفاوت بھی لوگوں کی آزمائش اور انہیں نیکی کی راہ اختیار کرنے کی ترغیب دینے کے لئے رکھی گئی:

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ (۲)

''اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات مین بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتاً) عطا کر رکھی ہیں بیشک آپ کا رب (عذاب کے حقداروں کو) جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ (مغفرت کے امیدواروں کو) بڑا بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے○''

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ○(۳)

''اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے

---

(۱) القرآن، النساء، ۴:۱

(۲) القرآن، الانعام، ۶:۱۶۵

(۳) القرآن، العنکبوت، ۲۹:۶۲

اور (جس کے لئے چاہتا ہے اس کے لئے) تنگ کر دیتا ہے بیشک اللہ ہر چیز سے خبردار ہےo‘‘

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○(۱)

’’کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو بانٹنا چاہتے ہیں (حالانکہ) دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم (خود) تقسیم کرتے ہیں اور بعض (لوگوں) کے درجے بعض پر بلند کرتے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے (اور دنیا کا انتظام چلتا رہے) اور آپ کے رب کی رحمت (یعنی نبوت) ان کے مال و دولت سے کہیں بہتر ہے جس کو یہ جمع کرتے رہتے ہیںo‘‘

آپ ﷺ نے آجر پر مزدوروں کے حقوق کی حفاظت و ادائیگی لازمی قرار دی تاکہ ان کی معیشت محفوظ و مستحکم ہو اور وہ اپنی معاشی سرگرمیوں کے ثمرات سے متمتع ہو سکیں:

ان النبی ﷺ نهی عن استئجار الاجیر حتی یبین له اجرهٔ۔(۲)

’’حضور اکرم ﷺ نے مزدور سے اس کی مزدوری کے تعین سے قبل کام لینے سے منع فرمایا۔‘‘

ظلم الاجیر اجرهٔ من الکبائر۔(۳)

’’مزدور پر مزدوری (کی ادائیگی) میں ظلم کرنا کبیرہ گناہوں سے ہے۔‘‘

---

(۱) القرآن، الزخرف، ۴۳: ۳۲

(۲) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۵۹، رقم: ۱۱۵۸۲

۲۔ ابوداؤد، المراسیل، ۱: ۱۶۸، رقم: ۱۸۱

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۶: ۱۲۰، رقم: ۱۱۴۳۲

(۳) احمد، المسند،

اعطوا الاجیر اجرهٔ قبل ان یجف عرقه۔(۱)

''مزدور کو مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو۔''

vii- گھریلو خدّام کے حقوق

آپ ﷺ نے ہر معاشرتی و سماجی تعلق کو تکریم انسانیت کے اصول پر مبنی قرار دیا۔ دورِ جاہلیت میں خادموں کو جس حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے آپ ﷺ نے اس تصور کو کلیتہً بدل دیا اور فرمایا کہ خدام کو بھی وہی عزت اور مرتبہ دو جو تم اپنے خاندان کے دوسرے افراد کو دیتے ہو۔ حضرت انس ﷜ خادموں سے آپ کے حسن سلوک کو یوں بیان کرتے ہیں:

خدمت النبی ﷺ عشر سنین فما قال لی: اف ولا: لم صنعت؟ ولا: ألا صنعت۔(۲)

''میں نے دس سال تک نبی کریم ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل کیا لیکن آپ نے مجھ سے اُف تک نہ کہی اور نہ یہ کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا اور فلاں کام تم نے کیوں نہ کیا۔''

آپ ﷺ نے خادم کی خدمت کی داد وتحسین کرنے اور اسے برابر سماجی مرتبہ دینے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۸۱۷، رقم: ۲۴۴۳
۲۔ قضاعی، مسند الشہاب، ۱: ۴۳۳، رقم: ۷۴۴
۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۶: ۱۲۰، رقم: ۱۱۴۳۴
۴۔ طبرانی، المعجم الصغیر، ۱: ۴۳، رقم: ۳۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۴۵، رقم: ۵۶۹۱
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۲۷، رقم: ۱۳۳۹۷
۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۷: ۳۵، رقم: ۶۷۷۳

”اذا اتی احدکم خادمه بطعامه فان لم یجلسه معه فلینا وله لقمة اولقمتین او اکلة او اکلتین فانه ولی علاجه“(۱)

”جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانا لیکر آئے اگر اس کو اپنے ساتھ (کھانے پر) نہ بٹھائے تو اسے ایک یا دولقمہ دے دے (لقمة او لقمتین یااکلة اواکلتین فرمایا) اس لئے کہ اس نے محنت کی ہے۔“

عن ابی هریرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: اذا صنع لاحدکم خادمه طعامه ثم جاء ه به و قد ولی حره و دخانه فلیقعده معه فلیاکل فان کان الطعام مشفوها قلیلا فلیضع فی یده منه اکلة او اکلتین۔(۲)

”حضرت ابوہریرہ ﷺ فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب کسی کا خادم اس کیلئے کھانا تیار کرے، پھر وہ کھانا لائے، اور اس کی گرمی اور دھواں برداشت کرچکا ہوتو اسے اپنے ساتھ بٹھا لے کہ وہ بھی کھائے اگر کھانا تھوڑا ہو تو اس میں سے خادم کے ہاتھ پر ایک دو لقمے رکھ دے۔“

---

(۱) ا۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۰۲، رقم: ۲۴۱۸
۳۔ طحاوی، شرح معانی الاثار، ۴: ۳۵۷
۲۔ ابن راہویہ، المسند، ۱: ۱۵۱، رقم: ۹۲
(۲) ا۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۲۸۴، رقم: ۱۶۶۳
۲۔ ابوداؤد، السنن، ۳: ۳۶۵، رقم: ۳۸۴۶
۳۔ احمد، المسند، ۲: ۲۷۷، رقم: ۷۷۱۲
۴۔ ابن عبدالبر، التمهید، ۲۴: ۲۸۸
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۸
۶۔ ابن ملقن، خلاصة البدر المنیر، ۲: ۲۶۰، رقم: ۲۲۰۳

آپ ﷺ نے فرمایا اگر خادم سے خطا سرزد ہوتو اس پر بھی اس سے درگزر اور عفو کا سلوک کیا جائے۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال: جاء رجل إلی النبی ﷺ فقال: یا رسول اللہ کم نعفو عن الخادم؟ فصمت ثم اعاد إلیه الکلام فصمت فلما کان فی الثالثة قال: اعفوا عنه فی کل یوم سبعین مرة۔(۱)

''حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا: عرض کیا یا رسول اللہ ہم خادم کو کتنی بار معافی دیں حضور خاموش رہے اس نے پھر وہ سوال دہرایا آپ خاموش رہے پھر جب تیسری بار سوال کیا تو فرمایا: اسے ہر دن میں ستر بار معافی دو۔''

viii- عامۃ الناس کے عمومی حق

اسلام کے معاشی اور اقتصادی نظام کا مقصود ایک فلاحی معاشرہ قائم کرنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے معاشرے کے ہر فرد کو بنیادی ضروریات کا حق عطا کر کے اسلامی معاشرے کو حقیقی معنوں میں فلاحی معاشرہ قرار دیا جس میں کسی بھی فرد کو بنیادی ضروریات اور عمومی سہولیات کے حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا:

عن عائشة انها قالت یا رسول اللہ ما الشئ الذی لا یحل منعه قال المآء والملح والنار قالت قلت یا رسول اللہ ھذا المآء قد عرفناه فمابال الملح والنار قال یا حمیرآء من اعطی نارا فکأنما تصدق

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۳۴۱، رقم: ۵۱۶۴
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۳۳۶، رقم: ۱۹۴۹
۳۔ احمد، المسند، ۲: ۹۰، رقم: ۵۶۳۵
۴۔ ابویعلی، المسند، ۱۰: ۱۳۳، رقم: ۵۷۶۰

بجميع ما أنضجت تلك النار ومن اعطى ملحا فكانما تصدق بجميع ما طيب ذلك الملح ومن سقى مسلما شربة من ماء حيث يوجد الماء فكانما اعتق رقبة ومن سقى مسلما شربة من ماء حيث لا يوجد الماء فكأنما احياها۔(۱)

''ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کون سی چیز ہے جس کا منع کرنا حلال نہیں فرمایا پانی، نمک اور آگ، فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! پانی کو تو ہم سمجھ گئے مگر نمک اور آگ کا یہ حکم کیوں ہے؟ فرمایا اے حمیرا! جس نے کسی کو آگ دی اس نے گویا اس آگ سے پکا ہوا سارا کھانا خیرات کیا اور جس نے کسی کو نمک دیا اس نے گویا سارا وہ کھانا خیرات کیا جسے اس نمک نے لذیذ بنایا اور جس نے کسی مسلمان کو ایک گھونٹ پانی وہاں پلایا جہاں پانی عام ملتا ہو اس نے گویا غلام آزاد کیا اور جس نے مسلمان کو وہاں ایک گھونٹ پانی پلایا جہاں پانی نہ ملتا ہو اس نے گویا اسے زندگی بخشی۔''

ix- عوام کا قومی وسائل سے اِستفادے کا حق

اسلامی فلاحی معاشرے میں اجتماعی مفاد کو انفرادی فائدے پر ترجیح دی گئی ہے۔ معاشرے کے ہر فرد کے لئے مساوی معاشی مواقع کی تخلیق اور ہر فرد کے لئے معاشی وسائل سے متمتع ہونے کو ممکن بنانے کے لئے ہر فرد کو قومی وسائل سے استفادے کا مساوی حق دیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات اس امر کی اجازت ہرگز نہیں دیتیں کہ کوئی ایک شخص جملہ وسائل پر قابض ہوکر دیگر افراد معاشرہ کے لئے قومی وسائل سے استفادے

(۱) ۱۔ ابن ماجہ، السنن، ۲:۸۲۶، رقم: ۲۴۷۴
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۶:۳۴۹، رقم: ۶۵۹۲
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳:۱۳۳

کی راہ کو مسدود کر دے۔ آپ ﷺ کی اس تعلیم پر عمل کی نظیر ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت بلال بن حارث المزنی رضی اللہ عنہ سے زائد از ضرورت زمین کے واپس لینے سے ملتی ہے۔ بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے زمین طلب کی۔ آپ ﷺ نے انہیں وسیع زمین عطا کر دی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے بلال رضی اللہ عنہ آپ نے حضور اکرم ﷺ سے کافی زمین طلب کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ زمین آپ کو عطا کر دی، کیونکہ آپ ﷺ سے جو بھی سوال کیا جاتا تھا آپ ﷺ کبھی انکار نہ فرماتے تھے۔ اب جو زمین آپ کے پاس ہے آپ وہ ساری آباد نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا: ہاں ایسا ہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جتنی آپ آباد کر سکیں وہ آپ رکھ لیں، اور جو آپ آباد نہ کر سکیں وہ ہمیں دے دیں، ہم وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیں گے۔ بلال بولے میں تو اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو آپ کو کرنا ہوگا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے وہ زمین لے لی، جسے وہ آباد نہیں کر سکتے تھے اور اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔(۱)

۱۷۔ غلام کے حقوق

اسلام کو غلامی وراثت میں ملی۔ ظہور اسلام کے وقت کے حالات کے پیش نظر اسے یک لخت ختم کر دینا ممکن نہ تھا۔ تاہم آپ ﷺ نے ایسے احکامات جاری فرمائے اور غلاموں کے حقوق بارے ایسی ہدایات دیں جن سے بتدریج غلامی کا خاتمہ ہوگیا۔ ذاتی طور پر آپ نے غلام سازی کے عمل کو روکا اور پہلے سے جو غلام موجود تھے ان کی آزادی اور

(۱) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۵:۱۹ ۵، ۱۱:۹
۲۔ ابن قدامہ، المغنی، ۶:۱۴۹
۳۔ ابو عبید، کتاب الاموال، ۲۹۰
۴۔ ابو یوسف، کتاب الخراج: ۲۷
۵۔ ابن آدم، کتاب الخراج: ۹۲

معاشرے میں ان کے باوقار مقام کے لئے اپنے عمل مبارک سے مثال قائم کی۔

آج کے جدید تہذیبی ارتقاء کے دور میں اس امر کا تصور بھی محال ہے کہ صدیوں پہلے کے عرب معاشرے میں غلام کو اتنے حقوق دیئے جاسکتے تھے یہ صرف مسلم معاشرہ تھا جہاں غلام کو برابر اور مساوی انسانی حقوق حاصل ہوئے ورنہ دیگر دنیا میں دور حاضر تک غلاموں کی صورت حال ابتری کا شکار تھی۔ برطانیہ میں انسداد غلامی کا بل 1788ء میں Wilberforce نے پارلیمنٹ میں پیش کیا اور اسے منظور کر کے قانون بننے میں 19 سال لگ گئے۔ 1796 میں ایوان عام (House of Commons) میں Sir William Young نے بل پر خطاب کرتے ہوئے کہا:

"Nothing I am persuaded could tend more to render that Negroes on the plantations discontented than an assurance that their labours were not to be alleviated by the arrival of assitance."

''میں نہیں سمجھتا کہ نو آبادیوں میں غلاموں کو اس سے زیادہ کوئی بات پریشان کرسکتی ہے کہ امداد آنے پر ان کی محنت میں کمی نہ آئے گی۔''

1805ء میں General Gascoyne نے بل کی مخالفت کرتے ہوئے کہا:

How impolitic than it is to raise doubts & questions in their (the slaves') minds upon the subject of empancipation, for to that this question ultimately leads & how pregnant with danger is such conduct to our colonial interests & possessions.

''انسداد غلامی کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے سے زیادہ غیر مہذب امر کیا ہوسکتا ہے! کیونکہ یہ سوال بالآخر ان بھاری خطرات کا باعث بنتا ہے جو ہمارے نو آبادیاتی مفادات و املاک کی تباہی پر منتج ہوں گے۔''

1806ء میں Sir Robert Peel نے غلاموں کی خرید وفروخت کے کاروبار کو برطانیہ کے لئے جائز اور درست قرار دیتے ہوئے کہا:

It is okay for Britian to carry on this slave trade, it would not be okay for its rivals to do so. The slave trade in other hands would be infinitely to the disadvantage of Africa in point of humanity.

’’غلاموں کی خرید و فروخت کا کاروبار برطانیہ کے لئے درست مگر اس کے حریفوں کے لئے ناجائز ہے کیونکہ مخالف ممالک کے ہاتھوں غلاموں کی تجارت کو جائز قرار دینا انسانی بنیادوں پر افریقہ کیلئے غیر محدود طور پر نقصان دہ ہے۔‘‘

الغرض کم و بیش 19 سال بعد برطانوی ایوانِ نمائندگان میں منظوری حاصل کر سکا۔ امریکہ میں بھی 1863ء میں ابراہام لنکن کے Emancipation Proclamation کے بعد ہر غلامی کا خاتمہ ہو سکا۔

جبکہ حضور اکرم ﷺ نے غلامی کے خاتمے کے لئے غلاموں کو آزاد کرنے کی ابتدا کی۔ حضرت ابو ہریرہ ص روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

من اعتق رقبة مسلمة اعتق الله بكل عضو منه عضوا من النار حتى فرجه بفرجه۔(۱)

’’جو مسلمان غلام کو آزاد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے عوض اس کا عضو آگ سے آزاد فرمائے گا حتی کہ شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۴۶۹، رقم: ۶۳۳۷

۲۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۱۱۴۷، رقم: ۱۵۰۹

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۱۱۴، رقم: ۱۵۴۱

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۳: ۱۶۸، رقم: ۴۸۷۴

۵۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰: ۲۷۲، رقم: ۱۰۶۴۰

۶۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۲۰، رقم: ۲۹۱۶

۷۔ جرجانی، تاریخ جرجان، ۱: ۱۰۶، رقم: ۹۰

آپ ﷺ نے غلام اور ذاتی ملازمین کو معاشرے میں باوقار مقام عطا کرنے کے لئے مختلف حقوق عطا فرمائے:

i- عزتِ نفس کا حق

عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول "من ضرب غلاما له حدا لم یاته او لطمه فان کفارته ان یعتقه"۔ (۱)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو اپنے غلام کو ناکردہ جرم کی سزا دے یا اسے طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کردے۔''

ii- رہن سہن میں مساوات کا حق

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ ﷺ: "اخوانکم جعلهم اللہ تحت ایدیکم فمن جعل اللہ اخاه تحت یده فلیطعمه مما یاکل ولیلبسه مما یلبس ولا یکلفه من العمل ما یغلبه فان کلفه ما یغلبه فلیعنه علیهٔ۔ (۲)

''حضرت ابوذر ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جنہیں اللہ

---

(۱) ا۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۲۷۹، رقم: ۱۶۵۷
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۵، رقم: ۵۰۵۱
۳۔ ابوعوانہ، المسند، ۴: ۶۸، رقم: ۶۰۵۵

(۲) ا۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۴۸، رقم: ۵۷۰۳
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۳۳۴، رقم: ۱۹۴۵
۳۔ ابوعوانہ، المسند، ۴: ۷۲، رقم: ۶۰۶۸
۴۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۱۶۹، رقم: ۳۴۴۵

تعالیٰ نے تمہارے قبضے میں دے دیا وہ تمہارے بھائی ہیں تو جسے اللہ اس کے بھائی کا مالک بنا دے اسے اس میں کھلائے جو خود کھائے اور اس سے پہنائے جو خود پہنے اور اس کام کی تکلیف نہ دے جو اس پر غالب آ جائے اور اگر غالب کام کی تکلیف دے تو اس پر اس کی مدد کرے۔''

عن عبداللہ بن عمرو جاؤہ قھرمان له فقال له فدخل اعطیت الرقیق قوتھم؟ قال: لا قال: فانطلق فاعطھم فان رسول اللہ ﷺ قال کفی بالمرء اثما ان یحبس عمن یملك قوته۔(۱)

''حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک خزانچی آیا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم نے غلاموں کو ان کا کھانا دیدیا، بولا نہیں، فرمایا جاؤ انہیں دے دو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کیلئے یہی گناہ بہت ہے کہ مملوک سے اس کا کھانا روکے۔''

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ ﷺ: من لا ئمکم من مملوکیکم فاطعموہ مما تاکلون واکسوہ مما تلبسون ومن لا یلائمکم منھم فبیعوہ فلا تعذبوا خلق اللہ(۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۶۹۲، رقم: ۹۹۶
۲۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۵: ۱۹۰
۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۴۹۶
۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷: ۱۴۲
۵۔ مدینی، نزہۃ الحفاظ، ۱: ۴۵
۶۔ شمس الحق، عون المعبود، ۵: ۷۶
۷۔ اندلسی، تحفۃ المحتاج، ۲: ۳۵۲، رقم: ۱۴۰۶

(۲) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۳۴۱، رقم: ۵۱۶۱
۲۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۵: ۱۹۰
۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۴۹۶

←

’’حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ تمہارے غلاموں سے جو تمہارے موافق ہو۔ تو اس میں سے اسے کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور پہناؤ اس سے جو خود پہنتے ہو۔ اور جو موافق نہ ہو اسے بیچ دو، اللہ کی مخلوق کو عذاب نہ دو۔‘‘

iii- ناقابلِ برداشت مشقت سے تحفظ کا حق

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عن ابی هريره قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم للمملوك طعامه و كسوته ولا يكلف من العمل الا ما يطيق۔(۱)

’’غلام کے لئے اس کا کھانا اور کپڑا ہے اور اسے اس قدر کام کی تکلیف نہ دو جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔‘‘

iv- تشدد سے تحفظ کا حق

حضرت ابن مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

------۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷: ۱۴۲

۵۔ مدینی، نزہۃ الحفاظ، ۱: ۴۵

۶۔ شمس الحق، عون المعبود، ۵: ۷۶

۷۔ اندلسی، تحفۃ المحتاج، ۲: ۳۵۲، رقم: ۱۴۰۶

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۲۸۴، رقم: ۱۶۶۲

۲۔ احمد، المسند، ۲: ۲۴۷، رقم: ۷۳۵۹

۳۔ شافعی، السنن الماثورۃ، ۱: ۳۹۳، رقم: ۵۴۸

۴۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۲: ۱۹۱، رقم: ۱۶۸۵

۵۔ ابوعوانۃ، المسند، ۴: ۷۴، رقم: ۶۰۷۳

۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۶

۷۔ بخاری، الادب المفرد، ۱: ۷۷، رقم: ۱۹۲

كنت اضرب غلاما لى فسمعت من خلفى صوتا "اعلم ابا مسعود! لله اقدر عليك منك عليه" فالتفت فاذا هو رسول الله ﷺ فقلت يا رسول الله هو حر لوجه الله فقال "اما لولم تفعل للفحتك النار او لمستك النار" ۔(۱)

''میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی کہ اے ابومسعود سوچو کہ اللہ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنے تم اس پر ہو۔ میں نے پیچھے مڑکر دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آزاد ہے اللہ کی راہ میں تب حضور ﷺ نے فرمایا، اگر تم یہ نہ کرتے تو تم کو آگ جلاتی یا آگ پہنچتی۔''

۷- تعلیم و تربیت کا حق

حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے سنا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثلثة يؤتون اجرهم مرتين: الرجل تكون له الامة فيعلمها فيحسن تعليمها و يودبها فيحسن ادبها ثم يعتقها فيتزوجها فله اجران و مومن اهل الكتاب الذى كان مومنا ثم امن بالنبى ﷺ فله اجران والعبد الذى يؤدى حق الله و ينصح لسيده۔(۲)

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۲۸۱، رقم: ۱۶۵۹
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۳۷۳، رقم: ۸۵۶۹
۳۔ بخاری، الادب المفرد، ۱: ۷۱، رقم: ۱۷۱
۴۔ منذری، الترغیب والترھیب، ۳: ۱۴۷، رقم: ۳۴۳۸
۵۔ ابن حزم، المحلی، ۹: ۲۱۰
۶۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۶: ۲۰۶
۷۔ مبارکپوری، تحفۃ الاحوذی، ۶: ۶۸
(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۰۹۶، رقم: ۲۸۴۹
۲۔ ابوعوانہ، المسند، ۳: ۶۸، رقم: ۴۲۲۴

’’تین آدمی ایسے ہیں جنہیں دگنا اجر ملے گا: ایک وہ آدمی جس کے پاس لونڈی ہو پس اسے تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے پھر اسے اچھا ادب سکھائے پھر آزاد کر کے اس سے ازدواجی رشتہ قائم کر لے تو اس کے لئے دگنا اجر ہے۔ دوسرا اہل کتاب سے وہ مومن جو پہلے بھی مومن تھا اور اب حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آیا تو اس کے لئے بھی دوہرا اجر ہے اور تیسرا شخص وہ غلام ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتے ہوئے اپنے آقا کا خیرخواہ بھی ہے۔‘‘

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی آخرالزماں ﷺ نے فرمایا:

ثلثة لهم اجران رجل من اهل الكتاب امن بنبيه و امن بمحمد ﷺ والعبد المملوك اذا ادى حق الله و حق مواليه و رجل كانت عنده امة يطأها فأدبها فأحسن تاديبها و علمها فاحسن تعليمها ثم اعتقها فتزوجها، فله اجران‘‘(۱)

’’تین شخص ہیں جن کے لئے دوگنا ثواب ہے (ایک) وہ شخص جو اہل کتاب میں سے ہو، اپنے نبی پر ایمان لایا ہو اور محمد ﷺ پر بھی ایمان لائے اور (دوسرے) مملوک غلام جب کہ وہ اللہ کے حق کو اور اپنے مالکوں کے حق کو ادا کرتا رہے، اور (تیسرے) وہ شخص جس کے پاس اس کی لونڈی ہو جس سے وہ ہم بستری کرتا ہے اس نے اسے ادب دیا اور عمدہ ادب دیا اور اسے تعلیم کی اور

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱:۴۸، رقم: ۹۷
۲۔ بخاری، الادب المفرد، ۱: ۸۰، رقم: ۲۰۳
۳۔ منذری، الترغیب والترھیب، ۳: ۱۵، رقم: ۲۸۹۵
۴۔ خطیب بغدادی، موضح اُوھام الجمع والتفریق، ۱: ۲۹۰
۵۔ زرعی، حاشیہ ابن القیم، ۱۴: ۴۵

عمدہ تعلیم کی پھر اسے آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا، اس کے لئے دو گنا ثواب ہے۔‘‘

vi- اِمامت و سیادت کا حق

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یومهم اقرء هم لکتاب الله ولا یمنع العبد من الجماعة بغیر علة۔(۱)

’’لوگوں کی امامت وہ شخص کرے جو ان سب میں کتاب اللہ کی قرات زیادہ جانتا ہو اور بے وجہ غلام کو جماعت سے نہ روکا جائے۔‘‘

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

کان سالم مولی ابی حذیفة یؤم المهاجرین الاولین و اصحاب النبی ﷺ فی مسجد قباء فیهم ابوبکر و عمر و ابو سلمة و زید و عامر بن ربیعة۔(۲)

’’سالم مولیٰ ابو حذیفہ مہاجرین اولین اور نبی اکرم ﷺ کے دیگر اصحاب کی مسجد

(۱) ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۳: ۱۹۰، رقم: ۴۱۸

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۶۲۵، رقم: ۶۷۵۴

۲۔ عبدالرزاق، المصنف، ۲: ۳۸۸، رقم: ۳۸۰۷

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۷: ۵۹، رقم: ۶۳۷۱

۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۸۹، رقم: ۴۹۰۳

۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۸۷

۶۔ مالک، المدونۃ الکبریٰ، ۱: ۸۵

قبا میں امامت کا فریضہ ادا کیا کرتے تھے اور مقتدیوں میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابوسلمہ، حضرت زید اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم بھی ہوتے۔‘‘

الغرض آپ ﷺ نے ایسی معاشرتی و سماجی روایت کی بنیاد رکھ دی جس سے غلاموں کا سماجی و معاشرتی مرتبہ بڑھ گیا اور بتدریج انسانی شعور نے غلامی کے ادارے کے کلی قلع قمع کو قبول کر لیا اور آج صفحہ ہستی سے انسانی تکریم کے منافی اس institution کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۸۔ قیدیوں کے حقوق

قرآن حکیم نے قیدیوں سے حسن سلوک کی تعلیم دی۔ کیونکہ اسلام میں کوئی بھی امر محض اذیت و تکلیف رسائی کے لئے روا نہیں بلکہ اہل مقصود خیر و معروف کا فروغ ہے۔ آپ ﷺ نے قیدیوں سے حسن سلوک کی تعلیم دے کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ حسن سلوک سے قیدیوں کی اصلاح احوال اور ان کے اسباب قید کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم نے قیدیوں کے اس حق کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا۝ (۱)

’’اور (یہ وہ لوگ ہیں جو) مسکین، یتیم اور قیدی کو اس کی (یعنی اللہ کی) محبت میں کھانا کھلاتے ہیں (ان کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ) ہم تم کو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے کوئی معاوضہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ‘‘

آپ ﷺ نے غزوہ بدر میں قید ہو کر آنے والے قیدیوں سے حسن سلوک کی نظیر اپنے اسوۂ حسنہ سے قائم فرمائی:

---

(۱) القرآن، الدہر، ۷۶:۸۔۹

عن عمرو سمع جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما قال: لما کان یوم بدر اتی باساری و اتی بالعباس ولم یکن علیہ ثوب فنظر النبی ﷺ لہ قمیصا فوجدوا قمیص عبداللہ ابن ابی یقدر علیہ فکساہ النبی ﷺ ایاہ۔(۱)

’’حضرت عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا انہوں نے فرمایا کہ جب جنگ بدر ہوئی تو کچھ لوگ قید کر کے لائے گئے جن میں عباس (بن عبدالمطلب) بھی تھے اور ان کے جسم پر کپڑا نہ تھا۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ ان کے لئے قمیص تلاش کرنے لگے۔ لوگوں نے عبداللہ بن ابی کی قمیص تلاش کر کے پیش کی جو ان کے جسم پر پوری آئی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے وہی قمیص انہیں پہنائی۔‘‘

الغرض انسانی معاشرے اور سماج کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کا احاطہ حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانی حقوق کی تعلیم و تلقین کرتے ہوئے نہ کیا ہو۔ انسانی تہذیب اپنے ارتقاء کی ہر منزل پر بنیادی حقوق کے حوالے سے سیرت نبوی ﷺ سے اخذ ہدایت کی محتاج رہے گی۔

---

(۱) بخاری، الصحیح، ۳: ۱۰۹۵، رقم: ۲۸۴۶

باب سوُم

خواتین کے حقوق

اِسلام سے قبل عورت کا معاشرتی مقام

اسلام کی آمد سے قبل عورت بہت مظلوم اور معاشرتی و سماجی عزت و احترام سے محروم تھی۔ اسے تمام برائیوں کا سبب اور قابل نفرت تصور کیا جاتا تھا۔ اہل عرب کے عورت سے اس بدترین رویے کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ○(۱)

''اور وہ اللہ کے لئے وہ کچھ (یعنی بیٹیاں) ٹھہراتے ہیں جسے وہ خود ناپسند کرتے ہیں○''

یعنی کفار مکہ اللہ کی بیٹیاں ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ دوسری آیت میں ہے:

وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَ لَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ○(۲)

''اور یہ لوگ خدا کے لئے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (حالانکہ) وہ ان سے پاک ہے اور اپنے لئے وہ جو چاہیں (یعنی بیٹے)○''

یعنی یہ لوگ فرشتوں کے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے جبکہ اُنہیں خود بیٹیاں پسند نہ تھیں بلکہ بیٹے پسند تھے۔(۳)

---

(۱) القرآن، النحل، ۱۶: ۶۲

(۲) القرآن، النحل، ۱۶: ۵۷

(۳) ۱۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۵۷۳

۲۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۴: ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۶

۳۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۲۷، ۶۱

۴۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۰: ۱۱۶

۵۔ محلی، تفسیر جلالین: ۳۵۳

قرآن حکیم کی ان آیات سے واضح ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورت کا مرتبہ ناپسندیدہ تھا وہ مظلوم اور ستائی ہوئی تھی اور ہر قسم کی بڑائی اور فضیلت مردوں کے لئے تھی اس میں عورتوں کا حصہ نہ تھا حتی کہ عام معاملات زندگی میں بھی مرد اچھی چیزیں خود رکھ لیتے اور بے کار چیزیں عورتوں کو دیتے۔ اہل عرب کے اس طرز عمل کو قرآن حکیم یوں بیان کرتا ہے:

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰى اَزْوَاجِنَا وَ اِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيْهِمْ وَ صْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ○ (۱)

’’اور وہ کہتے کہ جو ان جانوروں کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر (پیدا ہونے والا) جانور مرا ہوا ہو تو وہ سب اس میں شریک ہونگے عنقریب خدا ان کو ان کی (من گھڑت) باتوں کی سزا دے گا، بیشک وہ حکمت والا خوب جاننے والا ہے○‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے مروی ہے کہ اہل عرب مردوں کے لئے خاص چیز ’دودھ‘ ہے جو وہ اپنی عورتوں کے لئے حرام قرار دیتے تھے اور اُنکے مرد ہی اسے پیا کرتے تھے اسی طرح جب کوئی بکری نر بچہ جنتی تو وہ ان کے مردوں کا ہوتا اور اگر بکری پیدا ہوتی تو وہ اسے ذبح نہ کرتے، یونہی چھوڑ دیتے تھے۔ اور اگر مردہ جانور ہوتا تو سب شریک ہوتے۔ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔(۲)

---

(۱) القرآن، الانعام، ۶: ۱۳۹

(۲) ۱۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱۸۰، ۱۸۳

۲۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۸: ۴۷، ۴۸، ۶۷

۳۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۱: ۱۲۸

۴۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۶: ۳۳۸

۵۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۷: ۹۵، ۱۱۳

۶۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۸: ۷۴

۷۔ شافعی، احکام القرآن، ۲: ۱۰۱

ابو جعفر طبری نے اس آیت کی تفسیر میں سدی سے نقل کیا ہے:

فهذه الانعام ما ولد منها من حی فهو خالص للرجال دون النساء و اما ما ولد من میت فیا کله الرجال و النساء۔(۱)

''ان جانوروں سے زندہ پیدا ہونے والا بچہ خالص ان کے مردوں کے کھانے کے لئے ہوتا اور عورتوں کے لئے حرام ہوتا اور مردہ پیدا ہونے والے بچے کو مرد وعورت سب کھاتے، (اس طرح وہ مردوں کو ترجیح دیا کرتے تھے)۔''

ا۔ نومولود بچیوں کو زندہ دفن کرنے کا رواج

دورِ جاہلیت میں مشرکین عورت کو کسی رتبے اور مقام کا اہل نہ سمجھتے تھے اس لئے وہ لڑکی پیدا ہونے پر غصہ ہوتے، حالانکہ وہ یہ جانتے تھے کہ نظام کائنات کے تحت شادیوں کے لئے لڑکی کی پیدائش ضروری ہے اس کے باوجود اس نظام کے خلاف اس حد تک چلے جاتے کہ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔

قرآن کریم میں ان قوموں کے طرز عمل کے خلاف آیت اتری ہے کہ جب انکے ہاں کسی بچی کی ولادت ہوتی تو وہ غضبناک ہوتے تھے۔ قرآن کریم نے ان کی اس قبیح عادت کو اس طرح بیان کیا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ○ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ (۲)

''اور جب ان میں سے کسی کو بچی کی ولادت کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ

---

(۱) ۱۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۸: ۴۸

۲۔ بخاری، التاریخ الکبیر، ۴: ۷، رقم: ۱۷۷۵

۳۔ شافعی، الام، ۲: ۲۴۳

۴۔ مالک، المدونۃ الکبریٰ، ۱۵: ۱۰۶

(۲) القرآن، النحل، ۱۶: ۵۸، ۵۹

سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ میں گھٹتا جاتا ہےo وہ (بزعم خویش) اس ''بری خبر'' کے عار کی وجہ سے قوم سے چھپتا پھرتا ہے۔ وہ (سوچتا ہے کہ) آیا اس کو ذلت کی حالت میں لئے پھرے یا زندہ زمین میں دبا دے۔ خبردار کتنا برا خیال ہے جو وہ کرتے ہیںo''

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم قبیح کو قرآن حکیم دوسرے مقام پر اس طرح بیان کرتا ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا الْمَوْءُ دَةُ سُئِلَتْo بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْo(۱)

''اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گاo کہ اسے کس جرم میں قتل کیا گیاo''

ابن کثیرؒ نے حضرت قیس بن عاصمؓ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ قیس بن عاصم حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیٹیوں کو زمانۂ جاہلیت میں زندہ دفن کردیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بیٹی کی طرف سے ایک غلام آزاد کردو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں بہت سے اونٹوں کا مالک ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو ہر بیٹی کی طرف سے ایک اونٹ کی قربانی دو۔

ایک روایت کے مطابق انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں اپنی آٹھ بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیا تھا آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو چاہے تو ہر لڑکی کے بدلے ایک اونٹ قربان کر دے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے بارہ بیٹیوں کو زندہ گاڑنے کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے انہیں ہر ایک کے بدلے ایک غلام آزاد کرنے کی تلقین فرمائی(۲)۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ لڑکیوں کو عار یا فقر کے ڈر سے زندہ دفن کردیتے تھے۔(۳)

---

(۱) القرآن، سورۃ التکویر: ۸، ۹

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴:۴۷۸

(۳) ا۔طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۳۰:۶۶ ←

اللہ تعالیٰ نے قتل انسانی کی ممانعت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ وَلَاتَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ○(۱)

’’آپ ان سے کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو۔ اور اپنی اولاد کو فقر کے ڈر سے قتل نہ کیا کرو۔ ہم تمہیں اور ان کو رزق دیں گے اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ جانااور کسی جان کو جن کے قتل کو خدا نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر ان باتوں کی وہ تمہیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو○‘‘

۲۔ زمانۂ جاہلیت میں رائج شادی کے مختلف طریقے

شادی جو خاندانی زندگی کے قیام وتسلسل کا ادارہ ہے، اہل عرب کے ہاں اصول وضوابط سے آزاد تھا جس میں عورت کی عزت وعصمت اور عفت وتکریم کا کوئی تصور کارفرما نہ تھا۔ اہل عرب میں شادی کے درج ذیل طریقے رائج تھے:

i- زواج البعولۃ

یہ نکاح عرب میں بہت عام تھا۔ اس میں یہ تھا کہ مرد ایک یا بہت سی عورتوں کا

........۲۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۹: ۲۳۲

۳۔ شافعی، احکام القرآن، ۱: ۶۲۶

۴۔ شافعی، الام، ۶: ۳

۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۷

۶۔ ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، ۵: ۱۷۰

۷۔ ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، ۷: ۳۷۷

(۱) القرآن، الانعام، ۶: ۱۵۱

مالک ہوتا۔ بعولت (خاوند ہونا) سے مراد مرد کا ’’عورتیں جمع کرنا‘‘ ہوتا تھا اس میں عورت کی حیثیت عام مال و متاع جیسی ہوتی۔

ii- زواج البدل

بدلے کی شادی، اس سے مراد دو بیویوں کا آپس میں تبادلہ تھا۔ یعنی دو مرد اپنی اپنی بیویوں کو ایک دوسرے سے بدل لیتے اور اس کا نہ عورت کو علم ہوتا، نہ اس کے قبول کرنے، مہر یا ایجاب کی ضرورت ہوتی۔ بس دوسرے کی بیوی پسند آنے پر ایک مختصر سی مجلس میں یہ سب کچھ طے پا جاتا۔

iii- نکاح متعہ

یہ نکاح بغیر خطبہ، تقریب اور گواہوں کے ہوتا۔ عورت اور مرد آپس میں کسی ایک مدت مقررہ تک ایک خاص مہر پر متفق ہو جاتے اور مدت مقررہ پوری ہوتے ہی نکاح خود بخود ختم ہو جاتا تھا طلاق کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی اور اس نکاح کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد ماں کی طرف منسوب ہوتی اسے باپ کا نام نہیں دیا جاتا تھا۔

iv- نکاح الخذن

دوستی کی شادی، اس میں مرد کسی عورت کو اپنے گھر بغیر نکاح، خطبہ اور مہر کے رکھ لیتا اور اس سے ازدواجی تعلقات قائم کر لیتا اور بعد ازاں یہ تعلق باہمی رضا مندی سے ختم ہو جاتا کسی قسم کی طلاق کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر اولاد پیدا ہو جاتی تو وہ ماں کی طرف منسوب ہوتی۔

یہ طریقہ آجکل مغربی معاشرے میں بھی رائج ہے۔

v- نکاح الضغینہ

جنگ کے بعد مال اور قیدی ہاتھ لگتے اور جاہلیت میں فاتح کے لئے مفتوح کی عورتیں، مال وغیرہ سب مباح تھا یہ عورتیں فاتح کی ملکیت ہو جاتیں اور وہ چاہتا تو انہیں بیچ دیتا چاہتا تو یونہی چھوڑ دیتا اور چاہتا تو ان سے مباشرت کرتا یا کسی دوسرے شخص کو تحفہ میں دے دیتا، یوں ایک آزاد عورت، غلام بن کر بک جاتی۔ اس نکاح میں کسی خطبہ، مہر یا

ایجاب و قبول کی ضرورت نہ تھی۔

vi- نکاح شغار

وٹے سٹے کی شادی، یہ وہ نکاح تھا کہ ایک شخص اپنی زیرسرپرستی رہنے والی لڑکی کا نکاح کسی شخص سے اس شرط پر کر دیتا کہ وہ اپنی کسی بیٹی، بہن وغیرہ کا نکاح اس سے کرائے گا۔ اس میں مہر بھی مقرر کرنا ضروری نہ تھا اسلام نے اسکی بھی ممانعت فرما دی۔

vii- نکاح الاستبضاع

فائدہ اٹھانے کے لئے عورت مہیا کرنے کا نکاح، مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کسی دوسرے خوبصورت مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے بھیج دیتا اور خود اس سے الگ رہتا، تاکہ اسکی نسل خوبصورت پیدا ہو اور جب اسکو حمل ظاہر ہو جاتا تو وہ عورت پھر اپنے شوہر کے پاس آ جاتی۔

viii- نکاح الرہط

اجتماعی نکاح، اسکا مطلب یہ ہے کہ تقریباً دس آدمی ایک ہی عورت کے لئے جمع ہوتے اور ہر ایک اس سے مباشرت کرتا اور جب اس کے ہاں اولاد ہوتی تو وہ ان سب کو بلواتی اور وہ بغیر کسی پس وپیش کے آ جاتے پھر وہ جسے چاہتی (پسند کرتی یا اچھا سمجھتی) اسے کہتی کہ یہ بچہ تیرا ہے اور اس شخص کو اس سے انکار کرنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔

ix- نکاح البغایا

فاحشہ عورتوں سے تعلق، یہ بھی نکاح رہط سے ملتا جلتا ہے مگر اس میں دو فرق تھے، ایک تو یہ کہ اس میں دس سے زیادہ افراد بھی ہو سکتے تھے جبکہ نکاح رہط میں دس سے زیادہ نہ ہوتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان مردوں سے بچہ منسوب کرنا عورت کا نہیں بلکہ مرد کا کام ہوتا تھا۔

مذکورہ طریقہ ہائے زواج سے ثابت اور واضح ہوتا ہے کہ عورت کی زمانۂ جاہلیت میں حیثیت مال و متاع کی طرح تھی اسے خریدا اور بیچا جاتا تھا۔(۱)

(۱) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب النکاح، ۹: ۱۸۲۔۱۸۵
۲۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۱۹۷۰، رقم: ۴۸۳۴
←

مذکورہ محدثین کرام نے درج بالا اقسام نکاح میں سے بعض کو بیان کیا ہے۔

۳۔ بدکاری کے اِعلانیہ اظہار کا رواج

قبل از اسلام اخلاقی اقدار کے انحطاط کا یہ عالم تھا کہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں زنا کا اقرار بھی کیا کرتے تھے اور زنا عربی معاشرے میں بڑے پیمانے پر عام تھا بلکہ بہت سے لوگ عورت کو زنا پر مجبور بھی کیا کرتے تھے۔ مگر اسلام نے اسکی ممانعت کردی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔(۱)

''اور اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو(خصوصاً) جب وہ پاکدامن رہنا چاہیں کہ تم دنیاوی زندگی کا سامان کماؤ۔''

اس آیت کا شان نزول یہ تھا کہ عبداللہ بن ابی بن سلول اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور کیا کرتا تھا کہ مال کمائے اور ان کے ذریعے اپنی بڑائی حاصل کرے۔

اسی طرح زمانہ جاہلیت میں عربوں کی بیویوں کی کوئی تعداد متعین نہ تھی اور عرب ایک سے زائد شادیاں کرتے تھے اور اسکے ذریعے اپنی بڑائی کا اظہار کرتے۔ مگر اسلام نے چار بیویوں کی تعداد مقرر کر دی اسی طرح اسلام نے تعدد ازواج کے لئے بھی شرائط مقرر کیں۔

ارشاد ربانی ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ

........۳۔ ابوداؤد، السنن، ۲: ۲۸۱، رقم: ۲۲۷۲

۴۔ دارقطنی، السنن الکبریٰ، ۷: ۱۱۰

۵۔ بیہقی، السنن، الکبریٰ، ۷: ۱۱۰

۶۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۳: ۱۲۰

۷۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۳: ۱۲۰

(۱) القرآن، النور، ۲۴: ۳۳

النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰی اَلَّا تَعُوْلُوْا ○(۱)

’’اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو، دو دو عورتوں سے تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے (مگر یہ اجازت عدل سے مشروط ہے) پس اگر تم کو احتمال ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی عورت سے نکاح کرو یا جو کنیزیں (شرعاً) تمہاری ملک میں ہوں، یہ بات اس سے قریب تر ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو○‘‘

۴۔ زمانۂ جاہلیت میں عورت کی حقِ ملکیت سے محرومی

زمانۂ جاہلیت میں عورت کو کسی چیز کی مالک بننے کا حق حاصل نہ تھا۔ عورتوں کو کوئی وارثت نہ ملتی تھی، صرف مردوں کو وارث بننے کا حق حاصل تھا، اس پر اُن کی دلیل یہ تھی کہ وہ ہتھیار اُٹھاتے ہیں، قبیلوں کا دفاع کرتے ہیں اور اس معاشرے میں عورتوں کو محض میراث سے محروم کرنے پر اکتفاء نہ کیا گیا، بلکہ وہ عورت کو بھی وراثت میں سامان کی طرح بانٹ دیتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب عورت کا شوہر مر جاتا تو شوہر کے ورثاء اس عورت کے حقدار ہوتے، اگر وہ چاہتے تو ان میں سے کوئی اس سے شادی کر لیتا تھا یا جس سے چاہتے اُسی سے اس کی شادی کرا دیتے اور چاہتے تو نہ کراتے۔ اس طرح عورت کے سسرالی اُس کے میکے والوں سے زیادہ اس پر حق رکھتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ط وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ(۲)

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۳

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۱۹

’’اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے (مال یا جان کے) جبراً مالک ہو جاؤ اور اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو، اُنہیں مت روک رکھنا۔‘‘(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص مر جاتا اور اُس کی باندی ہوتی تو اس کا کوئی دوست اس باندی پر کپڑا ڈال دیتا، اب کوئی دوسرا شخص اس باندی پر دعویٰ نہیں کر سکتا تھا یہ شخص اگر وہ باندی خوبصورت ہوتی تو اس سے شادی کر لیتا اور اگر بد ہیئت ہوتی تو اسے اپنے پاس تاحیات روکے رکھتا۔(۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب کوئی شخص مر جاتا تو اُس کے دوستوں میں سے کوئی اُس کی عورت پر کپڑا ڈال دیتا اور اُس کے نکاح کا وارث بن جاتا، اس کے علاوہ کوئی اس سے شادی نہ کر سکتا تھا وہ عورت اسی کے پاس محبوس رہتی تاوقتیکہ فدیہ دے کر

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۶۷۰، رقم: ۴۳۰۳
۲۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۵۴۸، رقم: ۶۵۴۹
۳۔ ابوداؤد، السنن، ۲: ۲۳۰، رقم: ۲۰۸۹
۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۳۲۱
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۱۳۸
۶۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۴: ۳۰۵
۷۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۵: ۹۴
۸۔ عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۲۴۷
۹۔ مزی، تہذیب الکمال، ۲۰: ۱۳۱

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۴۶۵
۲۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۴: ۳۰۷
۳۔ عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۲۴۷
۴۔ شمس الحق، عون المعبود، ۶: ۸۰

اپنی جان چھڑا نہ لے۔ (۱)

یہ زمانۂ جاہلیت کی عورت کا حال تھا، اس معاشرے میں گنتی کی چند عورتیں ہی ایسی تھیں جنہیں مالک بننے کا حق ملا اور وہ جائداد کی مالک تھیں، جیسے کہ حضور اکرم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما۔ یہ اپنی تجارت کی بھی مالک تھیں، لیکن یہ انفرادی واقعہ ہے، من حیث المجموع جاہلیت کے معاشرے میں عورت کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔

مغربی معاشرہ اور عورت

اسلام کی آمد سے قبل عورت المناک صورت حال سے دوچار تھی جس سے اسے اسلام نے آزادی عطا کی۔ یہ امر کہ عورت کے حقوق کا تحفظ اسلام کے عطا کردہ ضابطوں سے ہی ہوسکتا ہے، مغربی معاشرے میں عورت کی حالت کے مشاہدہ سے بھی پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے۔ عورت کے حقوق کے تحفظ کا مفہوم انفرادی، معاشرتی، خاندانی اور عائلی سطح پر عورت کو ایسا تقدس اور احترام فراہم کرنا ہے جس سے معاشرے میں اس کے حقوق کے حقیقی تحفظ کا اظہار بھی ہو اگر ہم حقائق اور اعداد و شمار کی روشنی میں مغربی معاشرے میں عورت کے حقوق کا جائزہ لیں تو انتہائی مایوس کن صورت حال سامنے آتی ہے۔ خاندان جو کسی بھی معاشرے میں انسان کے تحفظ و نشو و نما کی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے عورت کے تقدس کے عدم احترام کے باعث مغربی معاشرے میں شکست و ریخت کا شکار ہے۔ جس کا لازمی شکار عورت ہی بنتی ہے۔ امریکہ کے صرف 1993ء کے اعداد و شمار کے مطابق:

1۔ 2.3 ملین ہونے والی شادیوں میں سے 1.3 ملین طلاق پر منتج ہوئیں۔

2۔ ان حالات کے پیش نظر محکمہ مردم شماری (Bureau of Census) نے پیش گوئی کی کہ ہر 10 میں سے 4 شادیوں کا انجام طلاق ہوگا۔

3۔ ملک میں ہونے والی 60% طلاقیں 25 سے 39 سال کی عمر کے جوڑوں میں ہوتی ہیں۔

---

(۱) ۱۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱:۴۶۶

۲۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۴:۳۰۷

4۔ صرف ایک سال میں ان طلاقوں سے ایک ملین بچے متاثر ہوئے

5۔ عموماً طلاق کے بعد 75% سے 80% افراد دوبارہ شادی کرتے ہیں حتیٰ کہ ملک کے اکثر لوگ دوسری یا تیسری شادی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ جن کی طلاق کا امکان پہلے سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔(۱)

مغربی معاشرے میں طلاق کی شرح کا کچھ اندازہ درج ذیل اعداد وشمار سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

امریکہ کے مختلف علاقوں میں شرح طلاق (۲)

علاقہ	98 شادی/طلاق	97 شادی/طلاق	96 شادی/طلاق	95 شادی/طلاق	94 شادی/طلاق
Ohio	84928 46596	84913 47427	83851 44918	88964 48226	92151 50235
Franklin	7765 4569	9164 4945	9198 4727	9479 4904	8888 5194
Hamilton	5583 2975	5968 2531	5914 2504	6359 2906	6137 2954
Miami	813 459	461 517	725 518	903 530	889 589
Montgomery	4084 1766	4168 2691	4393 2823	4598 2830	4685 2854
Richland	1020 648	976 645	1033 556	1064 639	1052 655
Washington	581 317	578 311	598 328	575 329	611 300

(1) www.divorcenter.org/faqs/stats.htm, 15 March 2002, 0200 PST.

(2) i. www.odh.state.oh.us/Data/whare/mardiv/MGlance.htm, 15 March 2002, 0200 PST.
ii. www.odh.state.oh.us/Data/whare/mardiv/MGlance.htm, 15 March 2002, 0200 PST.

دیگر ممالک میں شرح طلاق (1996ء)

آسٹریلیا: 106,100 شادیوں سے 52,500 طلاق پر منتج ہوئیں۔

کیوبا: شرح طلاق 75% ہے۔

فرانس: 117,716 طلاقیں ہوئیں جن میں سے 95% کا مطالبہ عدم تحفظ حقوق کے سبب سے خود خواتین نے کیا۔

سکاٹ لینڈ: 29,611 شادیوں سے 12,222 طلاق کا شکار ہوئیں۔

سوئٹزرلینڈ: 38,500 شادیوں سے 17,800 طلاق کا شکار ہوئیں۔(۱)

Statistical Abstract of USA کے مطابق امریکہ کی مختلف ریاستوں میں شرح طلاق ہر آنے والے سال میں اضافہ پذیر رہی۔ طلاق کی اس اندوہ ناک صورت حال سے متاثر ہونے والے افراد کی اکثریت کا تعلق نوجوانوں سے ہے۔ مگر 1998 میں ہونے والی طلاقوں میں 11.8% خواتین 20 سال سے کم، 55.7% خواتین 20 سے 29 سال کے درمیان، 25.8% خواتین 30 سے 44 سال کے درمیان اور 6.8% خواتین 45 سال سے زائد عمر کی ہیں اور ہر آنے والے سال میں شرح طلاق اضافہ پذیر رہی:

سال	طلاقوں کی تعداد
1950	385,000
1960	393,000
1970	709,000
1980	1,189,000
1990	1,175,000(۲)

مغربی معاشرے کے خاندانی ڈھانچے کی شکست و ریخت کی اتنی ابتر صورت

(1) www.divorcemag.com/statistics/statsworld.shtml, 15 March 2002 0200 PST.

(2) www.ifas.org/fw/9607/statistics.html, 15 March 2002, 0200PST.

حال کو بیان کرتے ہوئے لاس اینجلس ٹائمز نے اپنی 27 مئی 1996 کی اشاعت (ص A16) میں لکھا کہ 1994 میں 1.2 ملین امریکی شادیاں طلاق کا شکار ہوئیں جو 1960 کی تعداد کا تین گنا ہیں۔(۱)

طلاق کی اتنی بلند شرح کے اثرات صرف نوجوانوں پر ہی نہیں بلکہ بچوں پر بھی نمایاں ہیں۔ National Center for Health Statistics کے 1988 کے جائزے کے مطابق Single-Parents خاندانوں (طلاق یافتہ اور بغیر شادی کے بننے والے والدین) کے بچے عدم دلچسپی کے باعث سکول کی تعلیم سے محروم رہتے ہیں اور لڑکیاں زندگی کی دوسری دہائی میں ہی حاملہ ہوجاتی ہیں جبکہ اکثر منشیات کے عادی بھی ہیں۔(۲)

معروف سماجی سائنسدان Nicholas Nill نے 1993ء میں ایک رپورٹ میں لکھا کہ طلاق یافتہ والدین کے بچے نہ صرف اقتصادی مشکلات کا شکار رہتے ہیں بلکہ تعلیم کی محرومی اور نفسیاتی پیچیدگیوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ لاس اینجلس کے ایک عوامی سروے کے مطابق 69% امریکی طلاق کے مضر اثرات کے ازالہ کی سبیل مستحکم خاندانی نظام کو قرار دیتے ہیں۔(۳)

بچوں پر طلاق کے اثرات صرف تعلیمی، نفسیاتی یا اقتصادی ہی نہیں۔ سماجی سائنسدان Sara S. McLanahan کے مطابق وہ لڑکیاں جو اپنا بچپن اور لڑکپن طلاق یافتہ والدہ کے ساتھ گزارتی ہیں مستقبل میں ان کے اسی منہج پر زندگی گزارنے کے 100% سے 150% تک امکانات دیکھے گئے ہیں۔(۴)

---

(1) calvarychapel.com/library/Reference/Social/DivorceStatistics.htm, 15 March 2002,0200 PST.
(2) calvarychapel.com/library/Reference/Social/DivorceStatistics.htm, 15 March 2002,0200 PST.
(3) calvarychapel. com/library/Reference/Social/DivorceStatistics.htm, 15 March 2002,0200 PST.
(4) www.divorcereform.org/black.html, 15 march 2002, 0200 PST.

مغربی معاشرے کی عورت صرف سماجی یا معاشرتی سطح پر ہی انحطاط کا شکار نہیں بلکہ ظاہراً معاشی و اقتصادی آزادی کی حامل ہوتے ہوئے بھی استحصال سے دوچار ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ میں مغربی عورت کی معاشی و اقتصادی حالت کا جائزہ یوں پیش کیا گیا:

> Women constitute half the world's population, perform nearly two third of its work hours, recieve 1/10th of the world's income, & own less than one hundredth of the world's property.(1)

> ''دنیا کی آدھی آبادی عورتوں پر مشتمل ہے، دنیا کے دوتہائی کام کے گھنٹوں میں عورت کام کرتی ہے مگر اسے دنیا کی آمدنی کا دسواں حصہ ملتا ہے۔ اور وہ دنیا کی املاک کے سوویں حصہ سے بھی کم کی مالک ہے۔''

اِسلام میں عورت کا مقام

اسلام کی آمد عورت کے لئے غلامی، ذلت اور ظلم و استحصال کے بندھنوں سے آزادی کا پیغام تھی۔ اسلام نے ان تمام قبیح رسوم کا قلع قمع کر دیا جو عورت کے انسانی وقار کے منافی تھیں اور عورت کو وہ حقوق عطا کیے جس سے وہ معاشرے میں اس عزت و تکریم کی مستحق قرار پائی جس کے مستحق مرد ہیں۔

یہاں ہم اسلام کے قائم کردہ معاشرے میں عورت کی تکریم و منزلت کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے درجے میں عورت کو مرد کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں رکھا ہے، اسی طرح انسانیت کی تکوین میں عورت مرد کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ

---

(1) UN Report 1980 quoted in Contemporary Political Ideologies: Roger Eatwell & Anthony Wright, Westview Press, San Francisco, 1993.

مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا(۱)

’’اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا۔ پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا۔‘‘

۲۔ عورت پر سے دائمی معصیت کی لعنت ہٹا دی گئی اور اس پر سے ذلت کا داغ دور کر دیا گیا کہ عورت اور مرد دونوں کو شیطان نے وسوسہ ڈالا تھا، جس کے نتیجے میں وہ جنت سے اخراج کے مستحق ہوئے تھے جبکہ عیسائی روایات کے مطابق شیطان نے حضرت حواء علیہا السلام کو بہکا دیا اور یوں حضرت حواء علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کے بھی جنت سے اخراج کا سبب بنیں۔ قرآن حکیم اس باطل نظریہ کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيۡطٰنُ عَنۡهَا فَاَخۡرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيۡهِ(۲)

’’پھر شیطان نے اُنہیں اس جگہ سے ہلا دیا اور انہیں اُس (راحت کے) مقام سے، جہاں وہ تھے، الگ کر دیا۔‘‘

۳۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر کا استحقاق برابر قرار پایا۔ ان دونوں میں سے جو کوئی بھی کوئی عمل کرے گا، اسے پوری اور برابر جزاء ملے گی، ارشادِ ربانی ہے:

فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِيۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ۔(۳)

’’ ان کے رب نے ان کی التجا کو قبول کرلیا (اورفرمایا) کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔‘‘

۴۔ عورت کو زندہ زمین میں گاڑے جانے سے خلاصی ملی۔ یہ وہ بری رسم تھی جو احترام انسانیت کے منافی تھی۔

۵۔ اسلام عورت کے لئے تربیت اور نفقہ کے حق کا ضامن بنا کہ اسے روٹی، کپڑا،

(۱) القرآن، النساء، ۴:۱

(۲) القرآن، البقرہ، ۲:۳٦

(۳) القرآن، آل عمران، ۳:۱۹۵

مکان، تعلیم اور علاج کی سہولت ''ولی الامر'' کی طرف سے ملے گی۔

۶۔ عورت کی تذلیل کرنے والے زمانۂ جاہلیت کے قدیم نکاح جو درحقیقت زنا تھے، اسلام نے ان سب کو باطل کر کے عورت کو عزت بخشی۔

اب ہم ان حقوق کا جائزہ لیتے ہیں جو اسلام نے عورت کو مختلف حیثیتوں میں عطا کئے۔

ا۔ عورت کے انفرادی حقوق

i۔ عصمت وعفت کا حق

معاشرے میں عورت کی عزت و احترام کو یقینی بنانے کے لئے اس کے حق عصمت کا تحفظ ضروری ہے۔ اسلام نے عورت کو حق عصمت عطا کیا اور مردوں کو بھی پابند کیا کہ وہ اس کے حق عصمت کی حفاظت کریں:

قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَهُمۡ ذٰلِكَ اَزۡكٰى لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ ۝ (۱)

'' (اے رسول مکرم!) مومنوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے پاکیزگی کا موجب ہے۔ اللہ اس سے واقف ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں ۝ ''

''فرج'' کے لغوی معنی میں تمام ایسے اعضاء شامل ہیں، جو گناہ کی ترغیب میں معاون ہو سکتے ہیں، مثلاً آنکھ، کان، منہ، پاؤں اور اس لئے اس حکم کی روح یہ قرار پاتی ہے کہ نہ بری نظر سے کسی کو دیکھو، نہ فحش کلام سنو اور نہ خود کہو، اور نہ پاؤں سے چل کر کسی ایسے مقام پر جاؤ، جہاں گناہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ اس کے بعد عورتوں کو حکم ہوتا ہے:

وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ یَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ وَیَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا (۲)

---

(۱) القرآن، النور، ۲۴: ۳۰

(۲) القرآن، النور، ۲۴: ۳۱

’’اور (اے رسول مکرم!) مومنہ عورتوں سے کہہ دو کہ (مردوں کے سامنے آنے پر) وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت و آرائش کی نمائش نہ کریں سوائے جسم کے اس حصہ کو جو اس میں کھلا ہی رہتا ہے۔‘‘

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَ لَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ○ (۱)

’’اے ایمان والو! چاہیے کہ تمہارے زیردست (غلام اور باندیاں) اور تمہارے ہی وہ بچے جو (ابھی) جوان نہیں ہوئے (تمہارے پاس آنے کے لئے) تین مواقع پر تم سے اجازت لیا کریں: (ایک) نمازِ فجر سے پہلے، اور (دوسرے) دوپہر کے وقت جب تم (آرام کے لئے) کپڑے اتارتے ہو اور (تیسرے) نمازِ عشاء کے بعد (جب تم خواب گاہوں میں چلے جاتے ہو)، (یہ) تین (وقت) تمہارے پردے کے ہیں، ان (اوقات) کے علاوہ نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر (کیونکہ بقیہ اوقات میں وہ) تمہارے ہاں کثرت کے ساتھ ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں، اِسی طرح اللہ تمہارے لئے آیتیں واضح فرماتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے ○‘‘

اسلام نے قانون کے نفاذ میں بھی عورت کے اس حق کو مستحضر رکھا۔ خلفائے راشدین کا طرزِ عمل ایسے اقدامات پر مشتمل تھا جن سے نہ صرف عورت کے حقِ عصمت کو مجروح کرنے والے عوامل کا تدارک ہوا بلکہ عورت کی عصمت و عفت کا تحفظ بھی یقینی ہوا۔

---

(۱) القرآن، النور، ۲۴: ۵۸

ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میرے ایک مہمان نے میری ہمشیرہ کی آبروریزی کی ہے اور اسے اس پر مجبور کیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے پوچھا اس نے جرم کا اعتراف کرلیا۔ اس پر آپ نے حد زنا جاری کر کے اسے ایک سال کے لئے فدک کی طرف جلا وطن کر دیا۔ لیکن اس عورت کو نہ تو کوڑے لگائے اور نہ ہی جلا وطن کیا کیونکہ اسے اس فعل پر مجبور کیا گیا تھا۔ بعد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کی شادی اسی مرد سے کردی۔(۱)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ یوں مذکور ہے:

استفاف رجل ناسا من هذيل فأرسلوا جارية لهم تحطب فأعجبت الضعيف فتبعها فأرادها على نفسهانا متنعت فعاركها ساعة فانفلتت منه انفلاتة فرمته بحجر ففضت كبده فمات ثم جاء ت إلى أهلها فأخبرتهم فذهب أهلها إلى عمرا فأخبروه فأرسل عمر فوجد أثارهما فقال عمر قتيل الله لا يورى أبدا(۲)

---

(۱) ہندی، کنز العمال، ۵: ۴۱۱

(۲) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۹: ۴۳۵

۲۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۱: ۱۶۶، رقم: ۱۵۴

۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۴۳۱، رقم: ۲۷۷۹۳

۴۔ خلال، السنۃ، ۱: ۱۶۶، رقم: ۱۵۴

۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۳۷

۶۔ ابن عبدالبر، التمھید، ۲۱: ۲۵۷

۷۔ ابن حزم، المحلی، ۸: ۲۵

۸۔ ابن قدامہ، المغنی، ۹: ۱۵۲

۹۔ عسقلانی، تلخیص الحبیر ۴: ۸۶، رقم: ۱۸۱۷

۱۰۔ انصاری، خلاصۃ البدر المنیر، ۲: ۳۳۲، رقم: ۲۴۸۸

’’ایک شخص نے ہذیل کے کچھ لوگوں کی دعوت کی اور اپنی باندی کو لکڑیاں کاٹنے کے لیے بھیجا۔ مہمانوں میں سے ایک مہمان کو وہ پسند آ گئی اور وہ اس کے پیچھے چل پڑا اور اس کی عصمت لوٹنے کا طلب گار ہوا لیکن اس باندی نے انکار کر دیا۔ تھوڑی دیر ان دونوں میں کشمکش ہوتی رہی۔ پھر وہ اپنے آپ کو چھڑانے میں کامیاب ہوگئی اور ایک پتھر اٹھا کر اس شخص کے پیٹ پر مار دیا جس سے اس کا جگر پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔ پھر وہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچی اور انہیں واقعہ سنایا۔ اس کے گھر والے اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر گئے اور آپ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاملہ کی تحقیق کے لیے کچھ لوگوں کو بھیجا اور انہوں نے موقع پر ایسے آثار دیکھے، جس سے دونوں میں کشمکش کا ثبوت ملتا تھا۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ نے جسے مارا ہے اس کی دیت کبھی نہیں دی جاسکتی۔‘‘

ii۔ عزت اور رازداری کا حق

معاشرے میں عورتوں کی عزت اور عفت وعصمت کی حفاظت ان کے رازداری کے حق کی ضمانت میں ہی مضمر ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین کو رازداری کا حق عطا فرمایا اور دیگر افراد معاشرے کو اس حق کے احترام کا پابند کیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ○ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَا اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ○ (۱)

’’اے لوگو، جو ایمان لائے ہو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہوا کرو جب تک (اس امر کی) اجازت نہ لے لو اور اہلِ

(۱) القرآن، النور، ۲۴: ۲۷، ۲۸

خانہ پر سلام کہو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم ان باتوں سے نصیحت حاصل کروo اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو ان میں داخل نہ ہو، جب تک تمہیں (اندر جانے کی) اجازت نہ ملے اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو لوٹ جاؤ۔ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے خوب واقف ہے o‘‘

خود حضور نبی اکرم ﷺ کا یہی دستور تھا کہ جب آپ ﷺ کسی کے ہاں جاتے تو باہر سے السلام علیکم فرماتے، تاکہ صاحبِ خانہ کو معلوم ہو جائے اور وہ آپ کو اندر آنے کی اجازت دے دے۔ اگر پہلی بار کوئی جواب نہ ملتا تو دوسری مرتبہ السلام علیکم کہتے۔ اگر اب بھی کوئی جواب نہ ملتا تو تیسری مرتبہ پھر یہی کرتے اور اس کے بعد بھی جواب نہ ملنے پر واپس تشریف لے جاتے۔

آپ ﷺ ایک مرتبہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ حسبِ معمول السلام علیکم کہا۔ سعد نے جواب میں آہستہ سے وعلیکم السلام کہا جو آپ سن نہ سکے۔ اسی طرح تینوں بار ہوا۔ آخر جب آپ ﷺ یہ خیال کرکے واپس جانے لگے کہ غالباً گھر میں کوئی نہیں تو حضرت سعد دوڑ کر آئے اور آپ ﷺ کو ساتھ لے گئے اور عرض کیا:

يا رسول الله! إني كنت أسمع تسليمك و أرد عليك ردا خفيا لتكثر علينا من السلام۔(۱)

’’حضور ﷺ میں نے جواب تو دیا تھا لیکن آہستہ سے، میں یہ چاہتا تھا کہ آپ زیادہ سے زیادہ بار ہمارے لئے دُعا کریں (کیونکہ السلام علیکم بھی سلامتی کی دُعا

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۳۴۷، رقم: ۵۱۸۵
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۲۱
۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۵۳، رقم: ۹۰۲
۴۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۴۳۹، رقم: ۸۸۰۸
۵۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۲۸۰

ہے)۔‘‘

انہی معنوں میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

إذا استاذن احدکم ثلاثا فلم یوذن له فلیرجع(۱)

’’جب تم میں سے کوئی شخص (کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لئے) تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو چاہیے کہ واپس چلا آئے۔‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سلام کے جواب میں صاحبِ خانہ مکان کے اندر سے نام وغیرہ پوچھے تو فوراً اپنا نام بتانا چاہیے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ میں نے عرض کیا میں ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناگواری سے فرمایا: ’’میں ہوں، میں ہوں‘‘ اور باہر تشریف لے آئے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محض ’’میں ہوں‘‘ جواب دینے کو ناپسند فرمایا۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵:۲۳۰۵، رقم:۵۸۹۱
۲۔ مسلم، الصحیح، ۳:۱۶۹۴، رقم: ۲۱۵۳
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴:۳۹۸
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۳:۱۲۲، رقم: ۵۸۰۶
۵۔ طیالسی، المسند، ۱:۷۰، رقم: ۵۱۸
۶۔ حمیدی، المسند، ۲:۳۲۱، رقم: ۷۳۴
۷۔ ابویعلیٰ، المسند، ۲:۲۶۹، رقم: ۹۸۱
۸۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲:۱۶۸، رقم: ۱۶۸۷
۹۔ بیہقی، السنن، ۸:۳۳۹، رقم: ۳۹
۱۰۔ شیبانی، الآحاد والمثانی، ۴:۴۴۹، رقم: ۲۵۰۲
(۱) بخاری، الصحیح، ۵:۲۳۰۶، رقم: ۵۸۹۶

اس میں تعلیم یہ ہے کہ پوچھنے پر اپنا نام بتانا چاہیے، محض ''میں ہوں'' کہنے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کون ہے؟ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب اندر سے کوئی جواب نہیں ملتا تو متجسس لوگ ادھر ادھر جھانکنے لگتے ہیں۔آپ ﷺ نے اس طرح کسی دوسرے کے گھر میں جھانکنے سے منع فرمایا، کیونکہ اس سے اجازت طلب کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس طرح جھانکے اور صاحب خانہ اسے سزا دینے کے لئے اسے کنکری یا پتھر مار دے جس سے جھانکنے والے کی آنکھ پھوٹ جائے یا اسے کوئی زخم پہنچ جائے تو صاحب مکان بری الذمہ ہے اور جھانکنے والے کو قصاص نہیں دیا جائے گا۔(۱)

کسی کے گھر میں اجازت لے کر داخل ہونے کے اس عام حکم کے بعد فرمایا کہ تم کسی کے گھر سے کوئی چیز طلب کرنا چاہو تو تمہارا فرض ہے کہ پردے کے پیچھے سے سوال کرو تا کہ ایک دوسرے کا سامنا نہ کرنا پڑے جو دونوں کے لئے اخلاقی لحاظ سے اچھا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَإِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ۔(۲)

''اور جب تم عورتوں سے کوئی چیز طلب کرو تو ان سے پردے کے باہر سے مانگ لو۔ یہ تمہارے دلوں کے لئے اور ان کے دلوں کے لئے زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔''

عورتوں کے حق رازداری وعصمت وعفت کی حفاظت کے لئے پردہ کے احکام آئے۔ قرآن حکیم میں خواتین کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے اور اپنی آرائش وزیبائش کو افشا نہ کرنے کی تعلیم دے کر اس پاکیزگیٔ معاشرت کی بنیاد رکھی گئی جو خواتین کے حق رازداری و عصمت وعفت کی حفاظت کو یقینی بنا سکتی ہے:

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا

(۱) بخاری، الصحیح، ۵: ۲۳۰۴، رقم: ۵۸۸۸

(۲) القرآن، الاحزاب، ۳۳: ۵۳

يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ اٰبَآئِهِنَّ أَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآءِهِنَّ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِربَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَى اللهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝(۱)

’’اور آپ مومن عورتوں سے فرما دیں کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش و زیبائش کو ظاہر نہ کیا کریں سوائے (اسی حصہ) کے جو اس میں سے خود ظاہر ہوتا ہے اور وہ اپنے سروں پر اوڑھے ہوئے دوپٹے (اور چادریں) اپنے گریبانوں اور سینوں پر (بھی) ڈالے رہا کریں اور وہ اپنے بناؤ سنگھار کو (کسی پر) ظاہر نہ کیا کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ دادا یا اپنے شوہروں کے باپ دادا کے یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی (ہم مذہب، مسلمان) عورتوں یا اپنی مملوکہ باندیوں کے یا مردوں میں سے وہ خدمتگار جو خواہش و شہوت سے خالی ہوں یا وہ بچے جو (کمسنی کے باعث ابھی) عورتوں کے پردہ والی چیزوں سے آگاہ نہیں ہوئے (یہ بھی مستثنیٰ ہیں) اور نہ (چلتے ہوئے) اپنے پاؤں (زمین پر اس طرح) مارا کریں کہ (پیروں کی جھنکار سے) انکا وہ سنگھار معلوم ہوجائے جسے وہ (حکم شریعت سے) پوشیدہ کیے ہوئے ہیں اور تم سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو اے مومنو! تاکہ تم (ان احکام پر عمل پیرا ہوکر) فلاح پا جاؤ۝‘‘

(۱) القرآن، النور، ۲۴: ۳۱

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَا بِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ (۱)

''اے نبی! آپ اپنی ازواج (مطہرات) سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجئے کہ اپنی چادروں کو اپنے (چہرے) پر لٹکا لیا کریں اس سے وہ جلد پہچان لی جائیگی (کہ یہ شریف، آزاد عورتیں ہیں) پھر ان کو کوئی نہ ستائے گا۔''

iii۔ تعلیم و تربیت کا حق

اسلام کی تعلیمات کا آغاز اِقْرَاْ سے کیا گیا اور تعلیم کو شرفِ انسانیت اور شناختِ پروردگار کی اساس قرار دیا گیا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ○اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ○ (۲)

''(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھئے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا○ اس نے انسان کو (رحم مادر میں جونک کی طرح) معلق وجود سے پیدا کیا○ پڑھئیے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے○ جس نے قلم کے ذریعے (لکھنے پڑھنے کا) علم سکھایا○ جس نے انسان کو (اس کے علاوہ بھی) وہ (کچھ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا○''

حضور نبی اکرم ﷺ نے خواتین کی تعلیم و تربیت کو اتنا ہی اہم اور ضروری قرار دیا ہے جتنا کہ مردوں کی۔ اسلامی معاشرے میں یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ کوئی شخص لڑکی کو لڑکے سے کم درجہ دے کر اس کی تعلیم و تربیت نظرانداز کر دے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۱) القرآن، الاحزاب، ۳۳:۵۹

(۲) القرآن، العلق، ۹۶:۱۔۵

الرجل تكون له الامة فيعلمها فيحسن تعليمها و يودبها فيحسن ادبها ثم يعتقها فيتزو جها فله اجران۔(۱)

’’ اگر کسی شخص کے پاس ایک لونڈی ہو پھر وہ اسے تعلیم دے اور یہ اچھی تعلیم ہو۔ اور اس کو آدابِ مجلس سکھائے اور یہ اچھے آداب ہوں۔ پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کرے تو اس شخص کے لئے دوہرا اجر ہے۔‘‘

یعنی ایک اجر تو اس بات کا کہ اس نے اسے اچھی تعلیم دی اور اچھے آداب سکھائے اور دوسرا اجر اس امر کا کہ اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا اور اس طرح اس کا درجہ بلند کیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسلام اگر باندیوں تک کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کو کارِ ثواب قرار دیتا ہے تو وہ آزاد لڑکوں اور لڑکیوں کے تعلیم سے محروم رکھے جانے کو کیونکر گوارا کر سکتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے علم کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ اس کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

طلب العلم فريضة على كل مسلم۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۰۹٦، رقم: ۲۸۴۹
۲۔ ابوعوانہ، المسند، ۱: ۱۰۳، رقم: ٦۸
۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۳: ۱۱۸، رقم: ۱۲٦۳۵
۴۔ رویانی، المسند، ۱: ۳۰۷، رقم: ۴۵۸

(۲) ۱۔ ابن ماجہ، السنن، ۱: ۸۱، رقم: ۲۲۴
۲۔ ابویعلیٰ، المسند، ۵: ۲۲۳، رقم: ۲۸۳۷
۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰: ۱۹۵، رقم: ۱۰۴۳۹
۴۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۱: ۸، رقم: ۹
۵۔ طبرانی، المعجم الصغیر، ۱: ۳٦، رقم: ۲۲
٦۔ ابویعلیٰ، المعجم، ۱: ۲۵۷، رقم: ۳۲۰
۷۔ شعب الایمان، ۲: ۲۰۳، رقم: ۱٦٦۳

←

’’ایک دوسرے موقع پر حصولِ علم میں ہر طرح کے امتیاز اور تنگ نظری کو مٹانے کی خاطر نہایت لطیف پیرائے میں فرمایا:

الکلمة الحکمة ضالة المؤمن فحيث وجدها فهو احق بها.(۱)

’’علم اور عقل کی بات مؤمن کا گمشدہ مال ہے، پس جہاں بھی اسے پائے اسے حاصل کرنے کا وہ زیادہ حق دار ہے۔‘‘

iv۔ حسن سلوک کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ نے عورتوں سے حسن سلوک کی تعلیم دی اور زندگی کے عام معاملات میں عورتوں سے عفو و درگزر اور رافت و محبت پر مبنی سلوک کی تلقین فرمائی۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: المرأة کالضلع ان اقمتها کسرتها و ان استمتعت بها استمتعت بها و فيها

------ ۸۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱:۱۱۹

۹۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۱:۵۲، رقم: ۱۰۹

۱۰۔ کنانی، مصباح الزجاجۃ، ۱:۳۰، رقم: ۸۱

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، ۵:۵۱، رقم: ۲۶۸۷

۲۔ ابن ماجہ، السنن، ۲:۱۳۹۵، رقم: ۴۱۶۹

۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷:۲۴۰، رقم: ۳۵۶۸۱

۴۔ رویانی، المسند، ۱:۵۷، رقم: ۳۳

۵۔ بیہقی، سنن الکبریٰ، ۶:۱۹۰، رقم: ۱۱۸۵۱

۶۔ شیبانی، الاحاد والمثانی، ۳:۲۶۴، رقم: ۱۶۳۹

۷۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۲:۱۵۲، رقم: ۲۷۷۰

۸۔ ابونعیم اصبہانی، حلیۃ الاولیاء، ۳:۳۵۴

۹۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجہ، ۱:۳۰۷، رقم: ۴۱۶۹

۱۰۔ مناوی، فیض القدیر، ۲:۵۴۵، رقم:

عوج۔(۱)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عورت پسلی کی مانند ہے اگر اسے سیدھا کرو گے تو ٹوٹ جائے گی اگر اسی طرح اس کے ساتھ فائدہ اٹھانا چاہوتو فائدہ اٹھا سکتے ہو ورنہ اس کے اندر ٹیڑھا پن موجود ہے۔''

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من كان يؤمن بالله واليوم الاخر فلا يؤذی جاره واستوصوا بالنساء خيرا فانهن خلقن من ضلع و ان اعوج شئ فی الضلع اعلاه فان ذهبت تقيمه كسرته و ان تركته لم يزل اعوج فاستوصوا بالنساء خيرا۔(۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۱۹۸۷، رقم: ۴۸۸۹
۲۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۱۰۹۰، رقم: ۱۴۶۸
۳۔ ترمذی، السنن، ۳: ۴۹۳، رقم: ۱۱۸۸
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۲۸، رقم: ۹۵۲۱
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۴۸۷، رقم: ۴۱۸۰
۶۔ دارمی، السنن، ۲: ۱۹۹، رقم: ۲۲۲۲
۷۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۴: ۱۹۷
۸۔ ابوعوانۃ، المسند، ۳: ۱۴۲، رقم: ۴۴۹۵
۹۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵۶۵
۱۰۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۳، رقم: ۳۰۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۱۹۸۷، رقم: ۴۸۹۰
۲۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۱۰۹۱، رقم: ۱۴۶۸
۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۴: ۱۹۷
۴۔ ابن راہویہ، المسند، ۱: ۲۵۰، رقم: ۲۱۴
۵۔ ابویعلیٰ، المسند، ۱۱: ۸۵، رقم: ۶۲۱۸
۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۲۹۵، رقم: ۱۴۴۹۹

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ دے، اور عورتوں کے ساتھ نیکی کرنے کے بارے میں میری وصیت قبول کر لو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئیں ہیں۔ اور سب سے اوپر والی پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے لگو گے تو توڑ ڈالو گے اور اس کے حال پر چھوڑے رہو گے تب بھی ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی پس عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے بارے میں میری وصیت قبول کر لو۔‘‘

۷۔ ملکیت اور جائیداد کا حق

اسلام نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی حق ملکیت عطا کیا۔ وہ نہ صرف خود کما سکتی ہے بلکہ وراثت کے تحت حاصل ہونے والی املاک کی مالک بھی بن سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ (۱)

’’مردوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔‘‘

عورت کا حق ملکیت طلاق کی صورت میں بھی قائم رہتا ہے۔ طلاق رجعی کے بارے میں ابنِ قدامہ نے لکھا ہے کہ اگر شوہر نے ایسی بیماری جس میں ہلاکت کا خطرہ ہو، کے دوران میں اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر دورانِ عدت اسی بیماری سے مر گیا تو بیوی اس کی وارث ہوگی اور اگر بیوی مر گئی تو شوہر اُس کا وارث نہیں ہوگا۔ یہی رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۳۲

(۲) ابن قدامہ، المغنی، ۶: ۳۲۹

اذا طلقها مریضا ورثته ما کانت فی العدة و لا یرثها۔(۱)

''اگر شوہر نے اپنی بیماری کی حالت میں بیوی کو طلاق دے دی تو بیوی دوران عدت اس کی وارث ہوگی لیکن شوہر اس کا وارث نہیں ہو گا۔''

طلاق مغلظہ کے بارے میں قاضی شریح بیان کرتے ہیں کہ عروۃ البارقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوکر میرے پاس آئے اور اس شخص کے بارے میں بیان کیا جو اپنی بیوی کو حالت مرض میں تین طلاقیں دے دے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیوی دوران عدت اس کی وارث ہوگی لیکن شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا۔(۲)

vi۔ حرمتِ نکاح کا حق

اسلام سے قبل مشرکینِ عرب بلا امتیاز ہر عورت سے نکاح جائز سمجھتے تھے۔ باپ مر جاتا تو بیٹا ماں سے شادی کر لیتا۔ جصاص نے 'احکام القرآن (۲: ۱۴۸)' میں سوتیلی ماں سے نکاح کے متعلق لکھا ہے:

و قد کان نکاح إمراة الأب مستفیضا شائعا فی الجاهلیة۔

''اور باپ کی بیوہ سے شادی کر لینا جاہلیت میں عام معمول تھا۔''

اسلام نے عورتوں کے حقوق نمایاں کرتے ہوئے بعض رشتوں سے نکاح حرام قرار دیا اور اس کی پوری فہرست گنوا دی۔ ارشادِ ربانی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ

---

(۱) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۷: ۶۴، رقم: ۱۲۲۰۱

۲۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۴: ۱۷۱، باب: ۲۰۱

۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۳۶۳، رقم: ۱۴۹۰۸

۴۔ مالک بن انس، المدونۃ الکبریٰ، ۶: ۳۸

۵۔ ابن حزم، المحلی، ۱۰: ۲۱۹

(۲) ۱۔ ابن حزم، المحلی، ۱۰: ۲۱۹، ۲۲۸

۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۹۷

بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ وَ اَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّھٰتُ نِسَآئِکُمْ وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ مِّنْ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (۱)

’’تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (وہ) مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں سب حرام کردی گئی ہیں۔ اور (اسی طرح) تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو (بھی حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر ان کی (لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی تم پر حرام ہیں) جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ (بھی حرام ہے کہ) تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو سوائے اس کے جو دور جہالت میں گزر چکا۔‘‘

۲۔ عورت کے عائلی حقوق

i۔ ماں کی حیثیت سے حق

حضور اکرم ﷺ نے اہل ایمان کی جنت ماں کے قدموں تلے قرار دے کر ماں کو معاشرے کا سب سے زیادہ مکرم و محترم مقام عطا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ حسن سلوک کی مستحق ماں ہے:

عن ابی ھریرة رضی الله عنه قال: جاء رجل الی رسول الله ﷺ فقال: یا

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۲۳

رسول الله من احق الناس بحسن صحابتي؟ قال: ''امك''، قال ثم من؟ قال ''ثم امك''، قال ثم من؟ قال: ''ثم امك''، قال ثم من؟ قال: ''ثم ابوك'' ۔(۱)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری والدہ، عرض کی کہ پھر کون ہے فرمایا کہ تمہاری والدہ، عرض کی کہ پھر کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری والدہ ہے، عرض کی کہ پھر کون ہے؟ فرمایا کہ تمہارا والد ہے۔''

ii۔ بیٹی کی حیثیت سے حق

وہ معاشرہ جہاں بیٹی کی پیدائش کو ذلت و رسوائی کا سبب قرار دیا جاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹی کو احترام و عزت کا مقام عطا کیا۔ اسلام نے نہ صرف معاشرتی و سماجی سطح پر بیٹی کا مقام بلند کیا بلکہ اسے وراثت کا حق دار بھی ٹھہرایا، ارشادِ ربانی ہے:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔(۲)

''اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۲۷، رقم: ۵۶۲۶
۲۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۹۷۴، رقم: ۲۵۴۸
۳۔ ابن راہویہ، المسند، ۱: ۲۱۶، رقم: ۱۷۲
۴۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۲۲۰، رقم: ۳۷۶۶
۵۔ الحسینی، البیان والتعریف، ۱: ۱۷۱، رقم: ۴۴۷
۶۔ کنانی، مصباح الزجاجۃ، ۴: ۹۸، رقم: ۱۲۷۸

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۱۱

لیے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے پھر اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زائد تو ان کے لیے اس ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے اور اگر وہ اکیلی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے۔‘‘

قرآن حکیم نے بیٹی کی پیدائش پر غم و غصے کو جاہلیت کی رسم اور انسانیت کی تذلیل قرار دیتے ہوئے اُس کی مذمت کی:

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌO يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَO (۱)

’’اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی (کی پیدائش) کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے اور وہ غصہ سے بھر جاتا ہےo وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (بزعم خویش) اس بری خبر کی وجہ سے جو اسے سنائی گئی ہے (اب یہ سوچنے لگتا ہے کہ) آیا اسے ذلت و رسوائی کے ساتھ (زندہ) رکھے یا اسے مٹی میں دبا دے (یعنی زندہ درگور کردے) خبردار کتنا برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیںo‘‘

اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت کر کے دورِ جاہلیت کی اس رسم بد کا قلع قمع کیا جو اسلام کی آمد سے قبل اس معاشرے میں جاری تھی:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًاO(۲)

’’اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو ہم ہی انہیں (بھی) رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہےo‘‘

(۱) القرآن، النحل، ۱۶: ۵۸، ۵۹

(۲) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۱

iii۔ بہن کی حیثیت سے حق

قرآن حکیم میں جہاں عورت کے دیگر معاشرتی وسماجی درجات کے حقوق کا تعین کیا گیا ہے، وہاں بطور بہن بھی اس کے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔ بطور بہن عورت کا وراثت کا حق بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ۔(۱)

”اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی وراثت تقسیم کی جا رہی ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ کوئی اولاد اور اس کا ماں کی طرف سے ایک بھائی یا ایک بہن ہو (یعنی اخیافی بھائی یا بہن) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے پھر اگر وہ بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے (یہ تقسیم بھی) اس وصیت کے بعد (ہوگی) جو (وارثوں کو) نقصان پہنچائے بغیر کی گئی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد۔“

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَ اِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔(۲)

”لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں۔ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں (بغیر اولاد اور بغیر والدین کے فوت ہونے والے) کلالہ (کی وراثت) کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے جو بے اولاد ہو مگر اس کی بہن ہو تو اس کے لیے اس (مال) کا آدھا (حصہ) ہے جو اس نے چھوڑا ہے اور اگر

(۱) القرآن، النسآء، ۴: ۱۲

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۱۷۷

(اس کے برعکس بہن کلالہ ہوتو اس کے مرنے کی صورت میں اسکا) بھائی اس (بہن) کا وارث (کامل) ہوگا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو۔ پھر اگر (کلالہ بھائی کی موت پر) دو (بہنیں وارث) ہوں تو ان کے لیے اس (مال) کا دو تہائی (حصہ) ہے جو اس نے چھوڑا ہے اور اگر (بصورت کلالہ مرحوم کے) چند بھائی بہن مرد (بھی) اور عورتیں (بھی وارث) ہوں تو پھر (ہر) ایک مرد کا (حصہ) دو عورتوں کے برابر ہوگا۔“

iv۔ بیوی کی حیثیت سے حق

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کے تسلسل و بقاء کے لئے ازدواجی زندگی اور خاندانی رشتوں کو اپنی نعمت قرار دیا:

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ (۱)

”اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لیے جوڑے پیدا فرمائے اور تمہارے جوڑوں (بیویوں) سے تمہارے لیے بیٹے، پوتے اور نواسے پیدا فرمائے اور تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا تو کیا پھر بھی وہ (حق کو چھوڑ کر) باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت سے وہ ناشکری کرتے ہیں۝“

دوسرے مقام پر بیوی کے رشتے کی اہمیت اور اس سے حسن سلوک کو یوں بیان کیا گیا:

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَاكَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا

(۱) القرآن، النحل، ۱۶: ۷۲

وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ط تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ (۱)

’’تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنے حق میں خیانت کرتے تھے سو اس نے تمہارے حال پر رحم کیا اور تمہیں معاف فرما دیا، پس (اب روزوں کی راتوں میں بیشک) ان سے مباشرت کیا کرو اور جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے چاہا کرو، اور کھاتے پیتے رہا کرو یہاں تک کہ تم پر صبح کا سفید ڈورا (رات کے) سیاہ ڈورے سے (الگ ہو کر) نمایاں ہو جائے، پھر روزہ رات (کی آمد) تک پورا کرو، اور عورتوں سے اس دوران میں شب باشی نہ کیا کرو جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو، یہ اللہ کی (قائم کردہ) حدیں ہیں پس ان کے توڑنے کے نزدیک نہ جاؤ، اِسی طرح اللہ لوگوں کے لئے اپنی آیتیں (کھول کر) بیان کرتا ہے تاکہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں ○‘‘

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (۲)

’’اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں، اور ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اسے چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرما دیا ہو اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں، اس مدت کے اندر ان

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۱۸۷

(۲) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۲۸

کے شوہروں کو انہیں (پھر) اپنی زوجیت میں لوٹانے کا حق زیادہ ہے اگر وہ اصلاح کا ارادہ کرلیں، اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر، البتہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے، اور اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔''

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ(۱)

''اور تمہارے لیے اس (مال) کا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی اولاد ہو تو تمہارے لیے ان کے ترکہ سے چوتھائی ہے (یہ بھی) اس وصیت (کے پورا کرنے) کے بعد جو انہوں نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد، اور تمہاری بیویوں کا تمہارے چھوڑے ہوئے (مال) میں سے چوتھا حصہ ہے بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد نہ ہو پھر اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لیے تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے تمہاری اس (مال) کی نسبت کی ہوئی وصیت (پوری کرنے) یا تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد۔''

یہ قرآنِ حکیم ہی کی تعلیمات کا عملی ابلاغ تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے بیوی سے حسن سلوک کی تلقین فرمائی:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما **قال: جاء رجل الی النبی ﷺ فقال: یا رسول اللہ انی کتبت فی غزوۃ کذا و کذا و امراتی حاجۃ، قال:**

(۱) القرآن، النساء، ۴:۱۲

ارجع فحج مع امراتك ۔(۱)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ایک شخص حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھ لیا گیا ہے اور میری بیوی حج کرنے جا رہی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم واپس چلے جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔''

اور اسی تعلیم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمل پیرا رہے:

عن زید هو ابن اسلم عن ابیه قال: کنت مع عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہما **بطریق مکة فبلغه عن صفیة بنت ابی عبید شدة وجع، فاسرع السیر حتی اذا کان بعد غروب الشفق ثم نزل فصلی المغرب والعتمة یجمع بینهما و قال: إنی رایت النبی** ﷺ **اذا جد به السیر اخر المغرب و جمع بینهما(۲)**

''زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ کے سفر میں

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۱۱۴، رقم: ۲۸۹۶
۲۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۰۹۴، رقم: ۲۸۴۴
۳۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۰۰۵، رقم: ۲۸۴۴
۴۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۹۷۸، رقم: ۱۳۴۱
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۴۲، رقم: ۳۷۵۷
۶۔ ابن خزیمہ، الصحیح، ۴: ۱۳۷، رقم: ۲۵۲۹
۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱: ۴۲۴، ۴۲۵، رقم: ۱۲۲۰۱، ۱۲۲۰۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۶۳۹، رقم: ۱۷۱۱
۲۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۰۹۳، رقم: ۲۸۳۸
۳۔ عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۵۷۳، رقم: ۱۰۴۱
۴۔ مبارکپوری، تحفۃ الاحوذی، ۳: ۱۰۲

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا انہیں اپنی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ بنت ابوعبید کے بارے میں خبر پہنچی کہ وہ سخت بیمار ہیں۔ انہوں نے رفتار تیز کر دی اور مغرب کے بعد جب شفق غائب ہو گئی تو سواری سے اترے اور مغرب کی نماز ادا کر کے نماز عشاء بھی اس کے ساتھ ملا کر پڑھ لی اور فرمایا کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر طے کرنے میں جلدی ہوتی تو مغرب میں دیر کر کے مغرب وعشاء کو جمع فرما لیتے۔''

۳۔ عورت کے اَزدواجی حقوق

آپ ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات کی روشنی میں عورت کے درج ذیل نمایاں حقوق سامنے آتے ہیں:

i۔ شادی کا حق

اسلام سے قبل عورتوں کو مردوں کی ملکیت تصور کیا جاتا تھا اور انہیں نکاح کا حق حاصل نہ تھا۔ اسلام نے عورت کو نکاح کا حق دیا کہ جو یتیم ہو، باندی ہو یا مطلقہ، شریعت کے مقرر کردہ اُصول وضوابط کے اندر رہتے ہوئے اُنہیں نکاح کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ۔(۱)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو جب وہ شرعی دستور کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں تو انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو۔''

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۳۲

اَنۡفُسِهِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ○ (۱)

’’اور تم میں سے جو فوت ہوجائیں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں روکے رکھیں پھر جب وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو پھر جو کچھ وہ شرعی دستور کے مطابق اپنے حق میں کریں تم پر اس معاملے میں کوئی مواخذہ نہیں، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح خبردار ہے○‘‘

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓـئًا مَّرِيۡٓـئًا○ (۲)

’’اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کیا کرو، پھر اگر وہ اس (مہر) میں سے کچھ تمہارے لیے اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو تب اسے (اپنے لیے) سازگار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ○‘‘

وَ اَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَ الصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَ اِمَآئِكُمۡ اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ○ (۳)

’’اور تم اپنے مردوں اور عورتوں میں سے ان کا نکاح کردیا کرو جو بغیر ازدواجی زندگی کے (رہ رہے) ہوں اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا (نکاح کردیا کرو) اگر وہ محتاج ہوں گے (تو) اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کردیگا اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے○‘‘

اگرچہ کئی معاشرتی اور سماجی حکمتوں کے پیش نظر اسلام نے مردوں کو ایک سے زائد شادیوں کا حق دیا، مگر اسے بیویوں کے مابین عدل و انصاف سے مشروط ٹھہرایا اور اس صورت میں جب مرد ایک سے زائد بیویوں میں عدل قائم نہ رکھ سکیں، اُنہیں ایک ہی

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۳۴

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۴

(۳) القرآن، النور، ۲۴: ۳۲

نکاح کرنے کی تلقین کی:

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذٰلِکَ اَدْنٰی اَلَّا تَعُوْلُوْا ○(۱)

''اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار (مگر یہ اجازت بشرط عدل ہے) پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم (زائد بیویوں میں) عدل نہیں کرسکو گے تو صرف ایک ہی عورت سے (نکاح کرو) یا وہ کنیزیں جو (شرعاً) تمہاری ملکیت میں آئی ہوں یہ بات اس سے قریب تر ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو○''

وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا کَالْمُعَلَّقَةِ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللهَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا○(۲)

''اور تم ہرگز اس بات کی طاقت نہیں رکھتے کہ (ایک سے زائد) بیویوں کے درمیان (پورا پورا) عدل کرسکو اگرچہ تم کتنا ہی چاہو۔ پس (ایک کی طرف) پورے میلانِ طبع کے ساتھ (یوں) نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو (درمیان میں) لٹکتی ہوئی چیز کی طرح چھوڑ دو۔ اور اگر تم اصلاح کرلو اور (حق تلفی و زیادتی سے) بچتے رہو تو اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے○''

ان آیات مبارکہ سے واضح ہے کہ اسلام کا رجحان یک زوجگی کی طرف ہے اور ان حالات میں جہاں اسلام نے ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دی ہے اسے عدل و مساوات سے مشروط ٹھرایا ہے کہ مرد ان تمام معاملات میں جو اس کے بس میں ہیں مثلاً

---

(۱) القرآن، النساء، ۴:۳

(۲) القرآن، النساء، ۴:۱۲۹

غذا، لباس، مکان، شب باشی اور حسن معاشرت میں سب کے ساتھ عدل کا سلوک کرے۔

گویا ایک سے زائد شادیوں کا قرآنی فرمان حکم نہیں بلکہ اجازت ہے جو بعض حالات میں ناگزیر ہوجاتی ہیں جنگ، حادثات، طبی اور طبعی حالات بعض اوقات ایسی صورت پیدا کردیتے ہیں کہ معاشرے میں اگر ایک سے زائد شادیوں پر پابندی عائد ہو تو وہ سنگین سماجی مشکلات کا شکار ہوجائے جس کے اکثر نظائر ان معاشروں میں دیکھے جاسکتے ہیں جہاں ایک سے زیادہ شادیوں پر قانونی پابندی ہوتی ہے۔ تاہم یہ اسلام کا تصور عدل ہے۔ وہ معاشرہ جہاں ظہور اسلام سے قبل دس دس شادیاں کرنے کا رواج تھا اور ہر طرح کی جنسی بے اعتدالی عام تھی اسلام نے اسے حرام ٹھرایا اور شادیوں کو صرف چار تک محدود کر کے عورت کے تقدس اور سماجی حقوق کو تحفظ عطا کر دیا۔

ii۔ خیارِ بلوغ کا حق

نابالغ لڑکی یا لڑکے کا بلوغت سے قبل ولی کے کیے ہوئے نکاح کو بالغ ہونے پر رد کر دینے کا اختیار 'خیارِ بلوغ' کہلاتا ہے۔ اسلام نے خواتین کو ازدواجی حقوق عطا کرتے ہوئے خیارِبلوغ کا حق عطا کیا جو اسلام کے نزدیک انفرادی حقوق کے باب میں ذاتی اختیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ احناف کے نزدیک اگر کسی ولی نے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کیا ہو تو وہ لڑکا یا لڑکی بالغ ہونے پر خیارِ بلوغ کا حق استعمال کر کے نکاح ختم کر سکتے ہیں۔

جس طرح بالغ خاتون کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر ولی نے اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کیا ہو تو عدم رضا کی بناء پر اسے اس نکاح کو تسلیم نہ کرنے اور باطل قرار دینے کا اختیار حاصل ہے، اسی طرح ایک نابالغہ کو بھی جس کا نکاح نابالغی کے زمانہ میں کسی ولی نے کیا ہو، بلوغ کے بعد عدم رضا کی بناء پر خیار بلوغ حاصل ہے۔

خیارِ بلوغ کے حق کی بناء پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث مبارکہ ہے جس میں قدامہ بن مظعون نے اپنی بھتیجی اور حضرت عثمان بن مظعون کی صاحب زادی کا نکاح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کر دیا تھا اور وہ لڑکی بوقت

نکاح نابالغ تھی۔ بلوغت کے بعد اُس لڑکی نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا:

عن عبدالله بن عمر، قال: توفي عثمان بن مظعون، و ترك ابنة له من خويلة بنت حكيم بن أمية بن حارثة بن الأوقص، قال: و أوصى إلى أخيه قدامة بن مظعون، قال عبدالله: و هما خالاى، قال: فخطبت إلى قدامة بن مظعون ابنة عثمان بن مظعون، فزوجنيها، ودخل المغيرة بن شعبة ...... يعنى إلى أمها ...... فأرغبها في المال، فحطت إليه، و حطت الجارية إلى هوى أمها، فأبتا، حتى ارتفع أمرهما إلى رسول الله ﷺ، فقال قدامة بن مظعون: يا رسول الله! ابنة أخي، أوصى بها إلي، فزوجتها ابن عمتها عبدالله بن عمر، فلم أقصر بها في الصلاح ولا في الكفاة، و لكنها امرأة، و إنما حطت إلى هوى أمها قال: فقال رسول الله ﷺ: هي يتيمة، ولا تنكح إلا باذنها۔ قال: فانتزعت والله مني بعد أن ملكتها، فزوجوها المغيرة(۱)

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعون فوت ہوئے اور پسماندگان میں خویلہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن اوقص سے ایک بیٹی چھوڑی اور اپنے بھائی قدامہ بن مظعون کو وصیت کی۔ راوی عبداللہ کہتے ہیں: یہ دونوں میرے خالو تھے۔ میں نے قدامہ بن مظعون کو عثمان بن مظعون کی

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۳۰، رقم: ۶۱۳۶
۲۔ دار قطنی، السنن، ۳: ۲۳۰
۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۱۱۳، ۱۲۰، رقم: ۱۳۴۳۴، ۱۳۴۷۰
۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۲۸۰

بیٹی سے نکاح کا پیغام بھیجا تو اس نے میرا نکاح اس سے کرا دیا اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ اس لڑکی کی ماں کے پاس آیا اور اسے مال کا لالچ دیا۔ وہ عورت اس کی طرف مائل ہوگئی اور لڑکی بھی اپنی ماں کی خواہش کی طرف راغب ہوگئی پھر ان دونوں نے انکار کر دیا یہاں تک کہ ان کا معاملہ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ قدامہ بن مظعون نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے اور میرے بھائی نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی تھی پس میں اس کی شادی اس کے ماموں زاد عبداللہ بن عمر سے کر دی۔ میں نے اس کی بھلائی اور کفو میں کوئی کمی نہ کی لیکن یہ عورت اپنی ماں کی خواہش کی طرف مائل ہوگئی اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ یتیم ہے، لہٰذا اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ راوی کہتے ہیں: اس کے بعد میرا اس کے مالک بننے کا جھگڑا ہی ختم ہوگیا اور اس نے مغیرہ سے شادی کر لی۔''

ایک دوسری سند کے ساتھ مروی حدیث مبارکہ میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

فأمره النبی ﷺ أن یفارقها، و قال: لا تنکحوا الیتامٰی حتی تستأمروهن فإن سکتن فهو إذنهن۔(۱)

''پس حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی علیحدگی کا حکم دیا اور فرمایا: یتیم بچیوں کا نکاح ان کے اجازت کے بغیر نہ کیا جائے پس اگر وہ خاموش رہیں تو وہی ان کی اجازت ہے۔''

iii۔ مہر کا حق

اسلام نے عورت کو ملکیت کا حق عطا کیا۔ عورت کے حق ملکیت میں جہیز اور مہر کا حق بھی شامل ہے۔ قرآن حکیم نے مردوں کو نہ صرف عورت کی ضروریات کا کفیل بنایا بلکہ اُنہیں تلقین کی کہ اگر وہ مہر کی شکل میں ڈھیروں مال بھی دے چکے ہوں تو واپس نہ لیں، کیونکہ وہ عورت کی ملکیت بن چکا ہے:

(۱) بیہقی، السنن الکبری، ۷: ۱۲۱

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (۱)

''اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو، کیا تم بہتان تراشی کے ذریعے اور کھلا گناہ کر کے وہ مال واپس لو گے ۝''

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۲)

''تم پر اس بات میں (بھی) کوئی گناہ نہیں کہ اگر تم نے (اپنی منکوحہ) عورتوں کو ان کے چھونے یا ان کے مہر مقرر کرنے سے بھی پہلے طلاق دے دی ہے تو انہیں (ایسی صورت میں) مناسب خرچہ دیدو، وسعت والے پر اس کی حیثیت کے مطابق (لازم) ہے اور تنگدست پر اس کی حیثیت کے مطابق (بہرطور) یہ خرچ مناسب طریق پر دیا جائے، یہ بھلائی کرنے والوں پر واجب ہے ۝''

iv۔ حقوقِ زوجیت

مرد پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ حتی الوسع حقوق زوجیت ادا کرنے سے دریغ نہ کرے۔ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ اگر خاوند بیوی کو دق کرنا چاہتا تو قسم کھا لیتا کہ میں بیوی سے مقاربت نہیں کروں گا اسے اصطلاح میں ایلاء کہتے ہیں۔ اس طرح عورت معلقہ ہو کر رہ جاتی ہے، نہ مطلقہ نہ بیوہ (کہ اور شادی ہی کر سکے) اور نہ شوہر والی۔ کیونکہ شوہر نے اس سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ یہ رویہ دُرست نہیں کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے حلال ٹھہرائی ہے، انسان کا کوئی حق نہیں کہ اسے اپنے اُوپر حرام قرار دے لے۔ قرآن کہتا ہے:

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۲۰

(۲) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۳۶

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○(۱)

''جو لوگ اپنی بیویوں کے قریب نہ جانے کی قسم کھالیں تو ان کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے۔ پھر اگر وہ اس مدت کے اندر رجوع کر لیں اور آپس میں ملاپ کرلیں تو اللہ رحمت سے بخشنے والا ہے○''

یعنی اگر بیوی کی کسی غلطی کی وجہ سے تم نے یہ قسم کھائی ہے تو عفو و درگزر کرتے ہوئے اسے معاف کر دو، اور اگر کسی معقول سبب کے بغیر تم نے یوں ہی قسم کھالی تھی تو قسم کا کفارہ دے کر رجوع کر لو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو بخش دے گا۔ اگر خاوند چار ماہ تک رجوع نہ کرے، تو پھر بعض فقہاء کے نزدیک خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إنك لتصوم الدهر و تقوم اليل ۔ فقلت: نعم، قال: انك اذا فعلت ذلك هجمت له العين، و نفهت له النفس، لا صام من صام الدهر، صوم ثلاثة أيام صوم الدهر كله قلت: فانی أطيق أكثر من ذلك، قال فصم صوم داؤد علیہ السلام، كان يصوم يوما و يفطر يوما۔(۲)

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲:۲۲۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲:۶۹۸، رقم: ۱۸۷۸

۲۔ مسلم، الصحیح، ۲:۸۱۳، رقم: ۱۱۵۹

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۳:۱۴۰، رقم: ۷۷۰

۴۔ دارمی، السنن، ۲:۳۳، رقم: ۱۷۵۲

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۶:۳۲۵، رقم: ۲۵۹۰، ۱۴:۱۱۸، رقم: ۶۲۲۶

۶۔ ابن خزیمہ، الصحیح، ۲:۱۸۱، رقم: ۱۱۴۵

۷۔ بیہقی، السنن الصغری، ۱:۴۷۷، رقم: ۸۳۸

’’ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم ہمیشہ روزہ رکھتے اور ہمیشہ قیام کرتے ہو؟ میں عرض گزار ہوا: جی۔ فرمایا: اگر ایسا کرتے رہو گے تو تمہاری آنکھوں میں گڑھے پڑ جائیں گے اور تمہارا جسم بے جان ہو جائے گا، نیز ہر مہینے میں تین روزے رکھنا گویا ہمیشہ روزہ رکھنا ہے۔ میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا: داؤد علیہ السلام والے روزے رکھ لیا کرو جو ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نہیں رکھتے تھے اور جب دشمن سے مقابلہ ہوتا تو پیٹھ نہیں دکھاتے تھے۔‘‘

عبادت میں زیادہ شغف بھی بیوی سے بے توجہی کا باعث ہوسکتا ہے۔ اگر خاوند دن بھر روزہ رکھے اور راتوں کو نمازیں پڑھتا رہے تو ظاہر ہے کہ وہ بیوی کے حقوق ادا کرنے سے قاصر رہے گا۔ حضور اکرم ﷺ نے اسی لئے صوم وصال یعنی روزے پر روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے اور زیادہ سے زیادہ صوم داؤدی کی اجازت دی ہے کہ ایک دن روزہ رکھو، ایک دن نہ رکھو۔

اسی طرح عبادت میں بھی اعتدال کا حکم فرمایا:

عن عون بن ابی حجیفه، عن ابیه قال: اخی النبی ﷺ بین سلمان و ابی الدرداء فزار سلمان ابا الدرداء فرأی ام الدرداء متبذلة، فقال لها: ماشانك؟ قالت: اخوك ابوالدرداء لیس له حاجة فی الدنیا، فجاء ابوالدرداء فصنع له طعاما، فقال: کل۔ قال: فانی صائم، قال: ما انا باکل حتی تاکل، قال: فاکل، فلما کان اللیل ذهب ابوالدرداء یقوم۔ قال: نم، فنام ثم ذهب یقوم۔ فقال: نم، فلما کان من اخر اللیل قال سلمان، قم الان فصلیا فقال له

۸۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۱۹۳

۹۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۵۳۰

۱۰۔ سیوطی، تفسیر جلالین، ۱: ۵۹۹

سلمان: ان لربك عليك حقا ولنفسك عليك حقا ولاهلك عليك حقا فاعط كل ذی حق حقه ۔ فاتی النبی ﷺ فذکر ذلك له فقال النبی ﷺ صدق سلمان ۔(۱)

’’حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ کرا دیا تھا۔ حضرت سلمان ایک روز حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے۔ اُم درداء کوغمگین دیکھا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: کہو، یہ کیا حال کر رکھا ہے؟ اُم درداء کہنے لگیں: تمہارے بھائی ابودرداء کو دُنیا کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنے میں ابودرداء آ گئے، کھانا تیار کروایا گیا اور کہا کہ آپ کھائیں۔ سلمان بولے میرا روزہ ہے۔ ابودرداء نے کہا جب تک تم نہیں کھاؤ گے میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ جب رات ہوئی (اور دونوں نے کھانا کھا لیا) تو ابودرداء نماز کے لئے اُٹھنے لگے۔ سلمان بولے سو جاؤ۔ اس پر ابودرداء سو گئے۔ (رات گئے پھر کسی وقت) اُٹھے اور (نماز کے لئے) جانے لگے تو سلمان نے پھر کہا سو جاؤ۔ ابودرداء پھر سو گئے۔ اخیر رات میں سلمان نے کہا، اب اُٹھو۔ چنانچہ دونوں نے اُٹھ کر نماز ادا کی۔ پھر سلمان کہنے لگے، تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے، اور نفس کا بھی، اور گھر والوں کا بھی۔ لہٰذا ہر ایک حقدار کا حق ادا کرو۔ دن میں جب ابودرداء حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ سے اس کا تذکرہ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲:۶۹۴، رقم: ۱۸۶۷
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴:۶۰۸، رقم: ۲۴۱۳
۳۔ ابویعلیٰ، المسند، ۲:۱۹۳، رقم: ۸۹۸
۴۔ واسطی، تاریخ واسط، ۱:۲۳۳
۵۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب، ۲:۶۳۷
۶۔ زیلعی، نصب الرایۃ، ۲:۴۶۵

کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سلمان نے سچ کہا۔‘‘

اسی طرح کا واقعہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے متعلق بیان ہوا ہے۔ حضرت عثمان بہت عبادت گزار اور راہبانہ زندگی بسر کرنے والے تھے۔ ایک دن ان کی بیوی خولہ بنت حکیم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں، تو اُنہوں نے دیکھا کہ وہ ہر طرح کے زنانہ بناؤ سنگھار سے عاری ہیں۔ پوچھا کہ کیا سبب ہے؟ بولیں کہ میرے میاں دن بھر روزہ رکھتے ہیں، رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں۔ میں سنگھار کس کے لئے کروں؟ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے قصہ بیان کیا۔ اس پر حضور علیہ السلام عثمان کے پاس گئے اور اُن سے فرمایا:

یا عثمان! ان الرهبانية لم تکتب علینا، أفمالك فيّ أسوة۔(۱)

’’عثمان ہمیں رہبانیت کا حکم نہیں ہوا ہے۔ کیا تمہارے لئے میرا طرزِ زندگی پیروی کے لائق نہیں۔‘‘

آپ ﷺ نے اس بارے میں صحابہ سے خاص طور پر فرمایا:

واللّٰه انی لأخشاکم للّٰه و اتقاکم له لکنی أصوم و أفطر و أصلی و أرقد، و اتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔(۲)

---

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۲۶، رقم: ۲۵۹۳۵
۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۸۵، رقم: ۹
۳۔ عبدالرزاق، المصنف، ۶: ۱۶۸، رقم: ۱۰۳۷۵
۴۔ عبدالرزاق، المصنف، ۷: ۱۵۰، رقم: ۱۲۵۹۱
۵۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹: ۳۸، رقم: ۸۳۱۹
۶۔ ہیثمی، موارد الظمآن، ۱: ۳۱۳، رقم: ۱۲۸۸
۷۔ ابن جوزی، صفوۃ الصفوہ، ۱: ۴۵۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۱۹۴۹، رقم: ۴۷۷۶
۲۔ مسلم، صحیح، ۲: ۱۰۲۰، رقم: ۱۴۰۱
۳۔ نسائی، السنن، ۶: ۶۰، رقم: ۳۲۱۷

←

’’خدا کی قسم، میں تمہاری نسبت خدا سے بہت زیادہ ڈرتا ہوں اور بہت متقی ہوں۔ اس کے باوجود روزہ بھی رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس جو میری سنت سے روگردانی کرے گا، وہ میرے طریقے پر نہیں۔‘‘

اس کے مقابلے میں عورت کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔ ارشاد فرمایا:

لا تصوم المرأة و بعلها شاهد إلا بإذنه(۱)

۔۔۔۔۔۔۔۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۹۰، رقم: ۱۴

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۲۰، رقم: ۳۱۷

۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۷۷، رقم: ۱۳۲۲۶

۷۔ احمد بن حنبل، مسند، ۲: ۱۵۸، رقم: ۶۴۷۸

۸۔ عبد بن حمید، مسند، ۱: ۳۹۲، رقم: ۱۳۱۸

۹۔ بیہقی، شعب الایمان، ۴: ۳۸۱، رقم: ۵۳۷۷

۱۰۔ منذری، الترغیب و الترھیب، ۳: ۳۰، رقم: ۲۹۵۳

۱۱۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۴: ۳۵۸، رقم: ۷۰۳۰

۱۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۱۰۵

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۱۹۹۳، رقم: ۴۸۹۶

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۳: ۱۵۱، رقم: ۷۸۲

۳۔ ابوداؤد، السنن، ۲: ۲۳۰، رقم: ۲۴۵۸

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۲: ۲۴۷، رقم: ۳۲۸۹

۵۔ دارمی، السنن، ۲: ۲۱، رقم: ۱۷۲۰

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۳۳۹، رقم: ۳۵۷۲

۷۔ ابن خزیمہ، الصحیح، ۳: ۳۱۹، رقم: ۲۱۶۸

۸۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۹۱، رقم: ۷۳۲۹

←

''اپنے خاوند کی موجودگی میں عورت (نفلی) روزہ نہ رکھے مگر اس کی اجازت سے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ نے بیوی کے حق کی اہمیت کو اپنی سنت مبارکہ سے واضح فرمایا۔ آپ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ کسی سفر یا غزوہ پر تشریف لے جاتے تو بیویوں میں قرعہ ڈالتے اور جس کے نام قرعہ نکل آتا، اُسے ساتھ لے جاتے۔(۱)

ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ حسبِ معمول شہر میں گشت کر رہے تھے کہ اُنہوں نے ایک عورت کی زبان سے یہ شعر سنے:

تطاول هذا الليل تسرى كواكبه
وارّقني ان لاضجيع ألاعبه
فوالله لولا الله تخشى عواقبه
لَزُحزِحَ من هذا السرير جوانبه(۲)

(یہ رات کس قدر لمبی ہو گئی ہے۔ اور اس کے کنارے کس قدر چھوٹے ہو گئے ہیں اور میں رو رہی ہوں کہ میرا شوہر میرے پاس نہیں ہے کہ اس کے ساتھ ہنس کھیل کر اس رات کو گزار دوں۔ خدا کی قسم خدا کا ڈر نہ ہوتا تو اس تخت کے پائے ہلا دیئے جاتے۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سُن کر افسوس کیا اور فوراً اپنی صاحبزادی اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور پوچھا بیٹی! ایک عورت شوہر کے بغیر کتنے دن گزار سکتی ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا: ''چار ماہ۔'' اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری کر دیا کہ کوئی شخص چار ماہ سے زیادہ فوج کے ساتھ باہر نہ رہے۔ خود قرآن حکیم نے یہ معیاد مقرر کی ہے:

۹۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۱۹۲، رقم: ۷۶۳۹

۱۰۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۲۰۰

(۱) بخاری، الصحیح، ۵: ۱۹۹۹، رقم: ۴۹۱۳

(۲) سیوطی، تاریخ الخلفاء: ۱۳۹

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَإِنَّ فَآءُ وْ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO(۱)

''جو لوگ اپنی بیویوں کے قریب نہ جانے کی قسم کھالیں، ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ پھر اگر وہ (اس مدت کے اندر) رجوع کر لیں (اور آپس میں میل ملاپ کرلیں) تو اللہ رحمت سے بخشنے والا ہےo''

گویا یہاں قرآن حکیم نے اس امر کو واضح کر دیا کہ خاوند اور بیوی زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک علیحدہ رہ سکتے ہیں، اس سے تجاوز نہیں کرسکتے۔ اگر وہ اس دوران صلح کر لیں تو درست ہے۔ اس سے زیادہ بیوی اور شوہر کا الگ الگ رہنا دونوں کے لئے جسمانی، روحانی اور اخلاقی لحاظ سے مضر ہے۔ یہی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے جواب کا مقصود تھا اور اسی کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم نافذ کیا۔

۷۔ کفالت کا حق

مرد کو عورت کی جملہ ضروریات کا کفیل بنایا گیا ہے۔ اس میں اُس کی خوراک، سکونت، لباس، زیورات وغیرہ شامل ہیں:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔(۲)

''مرد عورتوں پر محافظ و منتظم ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور اس وجہ سے (بھی) کہ مرد (ان پر) اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔''

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ط وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۲۶

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۳۴

وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّا اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○(۱)

’’اور مائیں اپنے بچوں کو دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ کے ذمہ ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے (اور) نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے، اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہوگا، پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے (دو برس سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اور پھر اگر تم اپنی اولاد کو (دایہ سے) دودھ پلانے کا ارادہ رکھتے ہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ جو تم دستور کے مطابق دیتے ہو انہیں ادا کر دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے خوب دیکھنے والا ہے○‘‘

وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ○(۲)

’’اور طلاق یافتہ عورتوں کو بھی مناسب طریقے سے خرچ دیا جائے، یہ پرہیزگاروں پر واجب ہے○‘‘

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (۳)

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۳۳

(۲) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۴۱

(۳) القرآن، الطلاق، ۶۵: ۱

’’اے نبی (آپ مسلمانوں سے فرما دیں کہ) جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے زمانے سے پہلے ان کو طلاق دو (یعنی حالت طہر میں) اور عدت کا حساب رکھو، اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو، ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کریں (تو ان کو نکال دو)۔‘‘

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ط وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ج فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ط وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ج وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗ اُخْرٰى○لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ط وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اٰتٰهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَا اٰتٰهَا ط سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا○(۱)

’’(جن کو تم نے طلاق دی ہے) ان کو اپنی حیثیت کے مطابق رہنے کا گھر دو جہاں تم خود رہتے ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک ان پر خرچ کرتے رہو پھر اگر وہ (بچہ کو) تمہاری خاطر دودھ پلائیں تو ان کو ان کا (شرعی) حق دو، اور آپس میں دستور کے مطابق مشورہ کرلیا کرو اور اگر (ابھی تک) تمہاری باہمی کشمکش ہے تو کوئی اور (عورت بچہ کو) دودھ پلائے گی ○ صاحب وسعت کو اپنی وسعت (اور مقدور) کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس کے رزق میں تنگی ہو اس کو چاہیے کہ جتنا اللہ نے دیا ہے اسی میں سے (بچہ کی نگہداشت پر) خرچ کرے، اللہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر جتنا اس کو دیا ہے۔ اللہ عنقریب تنگی کے بعد فراخی عطا فرمائے گا ○‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں عورت کے اس حق کی پاسداری کی تلقین فرمائی:

(۱) القرآن، الطلاق، ۶۵: ۶، ۷

فاتقو الله فی النساء فإنکم اخذتموهن بامان الله واستحللتم فروجهن بکلمة الله، ولکم علیهن ان لا یوطئن فرشکم احدا تکرهونه، فان فعلن ذلك فاضربوهن ضربا غیر مبرح، ولهن علیکم رزقهن و کسوتهن بالمعروف۔(۱)

’’عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر اپنے ماتحت کیا ہے اور اللہ کے کلمہ (نکاح) سے انہیں اپنے لئے حلال کیا ہے۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ کسی آدمی کو تمہارا بستر نہ روندنے

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۸۸۹، کتاب الحج، رقم: ۱۲۱۸
۲۔ ابن ماجه، السنن، ۲: ۱۰۲۵، رقم: ۳۰۷۴
۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۴: ۳۱۱، ۹: ۲۵۷
۴۔ دارمی، السنن، ۲: ۶۹، رقم: ۱۸۵۰
۵۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۳: ۳۳۶، رقم: ۱۴۷۰۶
۶۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۳۴۳، رقم: ۱۱۳۵
۷۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۱۴۴، رقم: ۱۳۶۰۱
۸۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۲۹۵، رقم: ۱۴۵۰۲
۹۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۴۷۲
۱۰۔ ابن حزم، المحلی، ۹: ۵۱۰، ۱۰: ۷۲
۱۱۔ ابن قدامه، المغنی، ۳: ۲۰۳
۱۲۔ اندلسی، حجة الوداع، ۱: ۱۶۹، رقم: ۹۲
۱۳۔ محمد بن اسحاق، اخبار مکة، ۳: ۱۴۷، رقم: ۱۸۹۱
۱۴۔ ابونعیم، المسند، ۳: ۳۱۸، رقم: ۲۸۲۸
۱۵۔ ابوطیب، عون المعبود، ۵: ۲۶۳
۱۶۔ ابن حبان، الثقات، ۲: ۱۲۸
۱۷۔ اندلسی، تحفة المحتاج، ۲: ۱۶۱

دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم اُن کو ایسی سزا دو جس سے چوٹ نہ لگے اور ان کا تمہارے اوپر یہ حق ہے کہ تم انہیں دستور (شرعی) کے موافق خوراک اور لباس فراہم کرو۔‘‘

۲۔ حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

أن رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ما حق المرأة علی الزوج؟ قال: أن یطعمها إذا طعم، و أن یکسوها إذا اکتسی، ولا یضرب الوجه، ولا یقبح، ولا یهجر إلا فی البیت۔(۱)

’’ایک آدمی نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا: عورت کا خاوند پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب خود کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے، اس کے منہ پر نہ مارے، اُسے برا نہ کہے اور گھر کے علاوہ تنہا کہیں نہ چھوڑے۔‘‘

۳۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہندہ کے اپنے خاوند کی کنجوسی کی شکایت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خذی ما یکفیك و ولدك بالمعروف ۔(۲)

---

(۱) ۱۔ابن ماجہ، السنن، ۱: ۵۹۳، رقم: ۱۸۵۰
۲۔ ابوداؤد، السنن، ۲: ۲۴۴، رقم: ۲۱۴۲
۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۳: ۴۶۶، رقم: ۱۱۶۲
۴۔نسائی، السنن الکبری، ۵: ۳۷۳، رقم: ۹۱۷۱
۵۔ نسائی، السنن الکبری، ۶: ۳۲۳، رقم: ۱۱۱۰۴
۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۴۸۲، رقم: ۴۱۷۵
۷۔ بیہقی، السنن الکبری، ۷: ۲۹۵
۸۔ ہیثمی، موارد الظمآن: ۳۱۳، رقم: ۱۲۸۶
(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۰۵۲، رقم: ۵۰۴۹
۲۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۷۶۹، رقم: ۲۲۹۳
۳۔ دارمی، السنن، ۲: ۲۱۱، رقم: ۲۲۵۹

←

''تو (ابوسفیان کے مال سے) اتنا مال لے سکتی ہے جو تجھے اور تیرے بچوں کے لئے باعزت طور پر کافی ہو۔''

اگر نفقہ واجب نہ ہوتا تو آپ ﷺ اسے ابوسفیان کی اجازت کے بغیر مال لینے کی اجازت نہ فرماتے۔

مسلم فقہاء نے عورت کے اس حق کو نہ صرف قرآن و سنت بلکہ اجماع و عقلی طور پر بھی ثابت قرار دیا۔ الکاسانی کے مطابق:

''جہاں تک اجماع سے وجوبِ نفقہ کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں پوری امت کا اجماع ہے کہ خاوند پر بیوی کا نفقہ واجب ہے۔

''عقلی طور پر شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہونا اس طرح ہے کہ وہ خاوند کے حق کے طور پر اس کی قید نکاح میں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی قید نکاح کا نفع بھی خاوند ہی کو لوٹ رہا ہے لہٰذا اس کی کفالت بھی خاوند کے ذمہ ہی ہونی چاہئے۔ اگر اس کی کفالت کی ذمہ داری خاوند پر نہ ڈالی جائے اور نہ وہ خود خاوند کے حق کے باعث باہر نکل کر کما سکے تو اس طرح وہ ہلاک ہو جائے گی لہٰذا اس کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قاضی کا خرچہ مسلمانوں کے بیت المال سے مقرر کیا گیا ہے کیونکہ وہ انہی کے کام میں محبوس (روکا گیا) ہے اور کسی دوسرے ذریعے سے کمائی نہیں کرسکتا لہٰذا اس کے اخراجات ان کے مال یعنی بیت المال سے وضع کئے جائیں گے۔ اسی طرح یہاں (عورت کے نفقہ میں) ہے۔''(۱)

.........۴۔ ابن راہویہ، المسند، ۲: ۲۲۴، رقم: ۲۳۲۷

۵۔ ابویعلیٰ، المسند، ۸: ۹۸، رقم: ۴۶۳۶

۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۲۷۰، رقم: ۲۱۸۷

۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۸: ۲۳۷

۸۔ ابن قدامہ، المغنی، ۸: ۱۵۶، ۸: ۱۶۱، ۱۰: ۲۷۶

۹۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷: ۱۳۱

(۱) کاسانی، بدائع الصنائع، ۴: ۱۶

vi۔ اعتماد کا حق

عورت کا مرد پر یہ بھی حق ہے کہ وہ عورت پر اعتماد کرے، گھر کے معاملات میں اس سے مشورہ کرتا رہے۔ خود حضور نبی اکرم ﷺ کا عمل اس معاملے میں یہی تھا۔ قرآن حکیم میں ہے:

وَإِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ إِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ۔(۱)

''اور جب نبی ﷺ نے اپنی ایک بیوی سے راز کی بات کہی اور اس بیوی نے یہ راز فاش کر دیا اور اللہ نے نبی ﷺ کو اس معاملے سے آگاہ کر دیا، تو نبی ﷺ نے (اس بیوی کو سارا حال نہ بتایا بلکہ) اس کا کچھ حصہ بتایا۔''

گھریلو معاملات میں عورت، مرد کی راز دان ہے لیکن اگر عورت غلطی یا نادانی سے کوئی خلاف مصلحت کام کر بیٹھے تو مرد کو چاہیے کہ اس کی تشہیر نہ کرے، نہ اسے اعلانیہ ملامت کرے، جس سے معاشرے میں اس کی سبکی ہو۔ عورت کی عزت و وقار کی حفاظت مرد کا فرض اوّلین ہے کیونکہ یہ خود اس کی عزت اور وقار ہے۔ عورت کی سبکی اُس کی عزت اور وقار کے مجروح ہونے کا باعث بنتی ہے۔ مرد کو چاہیے کہ اسے اس کی غلطی سے آگاہ کر دے اور آئندہ کے لئے اسے محتاط رہنے کا مشورہ دے۔ قرآن حکیم نے عورت اور مرد کے تعلقات کو ایک نہایت لطیف مثال کے ذریعے بیان کیا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔(۲)

''عورتیں تمہارے لئے لباس (کا درجہ رکھتی) ہیں اور تم ان کے لئے لباس (کا درجہ رکھتے) ہو۔''

اور لباس سے متعلق ایک دوسری جگہ کہا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا۔(۳)

(۱) القرآن، التحریم، ۶۶:۳

(۲) القرآن، البقرہ، ۲:۱۸۷

(۳) القرآن، الاعراف، ۷:۲۶

’’اے لوگو! ہم نے تمہیں لباس دیا ہے، جو تمہارے عیب ڈھانکتا ہے اور تمہاری زینت (اور آرائش کا ذریعہ) ہے۔‘‘

یعنی مرد اور عورت ایک دوسرے کی خامیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کرنے والے ہیں۔ مرد کا فرض ہے کہ وہ عورت کی غلطیوں پر پردہ ڈالے اور عورت کو چاہیے کہ وہ مرد کے نقائص ظاہر نہ ہونے دے۔

vii- حسن سلوک کا حق

ازدواجی زندگی میں اگر مرد اور عورت کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں تو ذمہ داریاں بھی ہیں۔ پہلے مرد کو حکم دیا:

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔(۱)

’’عورتوں کے ساتھ معاشرت میں نیکی اور انصاف ملحوظ رکھو۔‘‘

اسلام سے پہلے عرب میں عورت کی خاندانی زندگی نہایت قابل رحم تھی۔ قدر و منزلت تو درکنار اسے جانوروں سے زیادہ وقعت نہیں دی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ان کنا فی الجاهلية ما نعد للنساء امرا حتی انزل الله تعالی فيهن ما انزل و قسم لهن ما قسم۔(۲)

’’خدا کی قسم زمانہ جاہلیت میں ہماری نظر میں عورتوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی، حتیٰ کہ خدا نے ان سے متعلق جو احکام نازل کرنا چاہے نازل کر دیئے اور جو حقوق

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۹
(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۱۱۰۸، رقم: ۱۴۷۹
۲۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۸۸۶، رقم: ۴۶۲۹
۳۔ ابوعوانہ، المسند، ۳: ۱۶۷
۴۔ عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۶۵۸، رقم: ۴۶۲۹
۵۔ عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۲۸۱

ان کے مقرر کرنا تھے، مقرر کر دیئے۔‘‘

اور تو اور عورت، جانوروں اور دوسرے ساز و سامان کی طرح رہن تک رکھی جاسکتی تھی۔(۱)

وہ رہن ہی نہیں رکھی جاتی تھی بلکہ فروخت بھی کی جاتی تھی غرضیکہ وہ محض مرد کی خواہشات نفسانی کی تسکین کا ذریعہ تھی اور مرد پر اس کی طرف سے کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تھی۔ اسلام نے بتایا کہ عورت کے بھی مرد پر ایسے ہی حقوق ہیں جیسے مرد کے عورت پر ہیں اور وہ ہر طرح کے انصاف اور نیک سلوک کی حقدار ہے۔

اسلام نے نکاح کو ایک معاہدہ قرار دے کر بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا○(۲)

’’اور تمہاری عورتیں تم سے مضبوط عہد لے چکی ہیں○‘‘

اس ’’مضبوط عہد‘‘ کی تفسیر خود حضور نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں یوں فرمائی:

اتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذتموھن بامانۃ اللہ۔(۳)

---

(۱) بخاری، الصحیح، ۲: ۸۸۷، رقم: ۲۳۷۵

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۲۱

(۳) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۲: ۱۸۵، رقم: ۱۹۰۵

۲۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۱۰۲۵، رقم: ۳۰۷۴

۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۲۱، رقم: ۴۰۰۱

۴۔ ابن خزیمہ، الصحیح، ۴: ۲۵۱، رقم: ۲۸۰۹

۵۔ دارمی، السنن، ۲: ۶۹، رقم: ۱۸۵۰

۶۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۳۴۳، رقم: ۱۱۳۵

۷۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۵: ۸

۸۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۱۴۴، ۲۹۵، ۳۰۴

۹۔ ابن قدامہ، المغنی، ۳: ۳۰۳

''عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور امانت لیا ہے۔''

گویا نکاح کو ایک امانت قرار دیا ہے اور جیسے ہر ایک معاہدے میں دونوں فریقوں کے کچھ حقوق ہوتے ہیں اور ان پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، اسی طرح امانت کا حال ہے۔ چونکہ نکاح ایک معاہدہ اور ایک امانت ہے، اس لئے جیسے مرد کے عورت پر بعض حقوق ہیں، ویسے ہی عورت کی طرف سے اس کے ذمے بعض فرائض بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے عورتوں سے گھریلو زندگی میں نیکی اور انصاف کا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس حسن سلوک کی تاکید کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خیر کم خیر کم لأھلہ۔(۱)

''تم میں سے اچھا وہی ہے جو اپنے اہل (یعنی بیوی بچوں) کے لئے اچھا ہے۔''

viii۔ تشدد سے تحفظ کا حق

خاوند پر بیوی کا یہ حق ہے کہ وہ بیوی پر ظلم اور زیادتی نہ کرے:

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وَلَا تَتَّخِذُوْا آيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۷۰۹، رقم: ۳۸۹۵
۲۔ ابن ماجہ، السنن، ۱:۶۳۶، رقم: ۱۹۷۷
۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۹:۴۸۴، رقم: ۴۱۷۷
۴۔ دارمی، السنن، ۲:۲۱۲، رقم: ۲۲۶۰
۵۔ بزار، المسند، ۳:۱۹۷، رقم: ۹۷۴
۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹:۳۶۳، رقم: ۸۵۳
۷۔ قضاعی، مسند الشہاب، ۲:۲۲۷، رقم: ۱۲۴۳
۸۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷:۴۶۸

(۲) القرآن، البقرہ، ۲:۲۳۱

''اور ان کو ضرر پہنچانے اور زیادتی کرنے کے لئے نہ روکے رکھو۔ جو ایسا کرے گا اس نے گویا اپنے آپ پر ظلم کیا اور اللہ کے احکام کو مذاق نہ بنا لو۔''

یہ آیت ان احکام سے متعلق ہے جہاں خاوند کو بار بار طلاق دینے اور رجوع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ بعض خاوند بیوی کو دق کرنا چاہتے ہیں اس لئے اسے معروف طریقے سے طلاق دے کر آزاد نہیں کر دیتے، بلکہ طلاق دیتے ہیں اور پھر رجوع کر لیتے ہیں، پھر طلاق دیتے ہیں اور پھر کچھ دن کے بعد رجوع کر لیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت ایک دائمی اذیت میں مبتلا رہتی ہے۔ یہ گویا اللہ کے احکام اور رعایتوں سے تمسخر ہے۔ اس سے منع فرمایا گیا کہ ان کو ظلم اور زیادتی کے لئے نہ روک رکھو۔ اس آیت مبارکہ میں یہاں ایک عام اصول بیان کر دیا ہے کہ عورت پر ظلم اور زیادتی نہ کرو۔ ظلم اور زیادتی کی تعیین نہیں کی، کیونکہ یہ جسمانی بھی ہوسکتی ہے، ذہنی اور روحانی بھی۔

ix۔ بچوں کی پرورش کا حق

اس امر میں اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ بچہ کی پرورش کی مستحق سب سے پہلے اُس کی ماں ہے۔ البتہ اس اَمر میں اختلاف ہے کہ بچہ یا بچی کی پرورش کا حق ماں کو کتنی عمر تک رہتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جب بچہ خود کھانے پینے، لباس پہننے اور استنجاء کرنے لگے تو اُس کی پرورش کا حق ماں سے باپ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لڑکے کی اس حالت کو پہنچنے کی عمر کا اندازہ علامہ خصاف نے سات آٹھ سال بیان کیا ہے، البتہ ماں کو لڑکی کی پرورش کا حق اس کے بالغ ہونے تک ہے۔ یہی قول امام ابو یوسف کا ہے۔ امام محمد کے نزدیک جب لڑکی میں نفسانی خواہش ظاہر ہو تو اس وقت تک ماں کو پرورش کا حق حاصل ہے۔ متاخرین احناف نے امام محمد کے قول کو پسند کیا ہے۔ (۱)

ماں کو بچہ کی پرورش کا حق حاصل ہونے کے بارے میں قرآن کریم میں کوئی آیت ظاہر نص کے طور پر تو موجود نہیں مگر اقتضاء نص کے طور پر فقہاء کرام نے آیتِ

(۱) ۱۔ داماد آفندی، مجمع الانہر، ۱: ۴۸۱، ۴۸۲

۲۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۴: ۴۲

۳۔ ابن ہمام، فتح القدیر، ۳: ۳۱۶

رضاعت ...... وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ...... سے ثابت کیا ہے کہ صغرسنی میں بچہ کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے۔

فقہاء کرام نے مذکورہ آیت مبارکہ کے ساتھ ساتھ درج ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے:

۱۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے بعد نکلے تو حمزہ کی بیٹی نے آپ ﷺ کا تعاقب کیا اور آواز دی: اے چچا! اے چچا! پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بچی کا ہاتھ پکڑ لیا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اپنے چچا کی بیٹی کو لو۔ چنانچہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اُسے اُٹھا لیا۔ اس بارے میں حضرت زید، علی اور جعفر رضی اللہ عنہم کا جھگڑا ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اسے لے لیا ہے کیونکہ وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور جعفر نے کہا: وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے جبکہ زید نے کہا کہ وہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ پس رسول اکرم ﷺ نے اس کی خالہ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا:

الخالة بمنزلة الأم۔(۱)

''خالہ ماں کے درجہ میں ہے۔''

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! ان ابنی هذا، کان بطنی له وعاء، و ثديي له سقاء، و حجری له حواء، و إن أباه طلقنی و أراد أن ينتزعه منی

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۶۰، رقم: ۲۵۵۲
۲۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۵۵۱، رقم: ۴۰۰۵
۳۔ ابوداؤد، السنن، ۲: ۲۸۴، رقم: ۲۲۸۰
۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۱۲۷، ۱۶۸، رقم: ۸۴۵۶، ۸۵۷۸
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۵، ۶
۶۔ مقدسی، الأحادیث المختارہ، ۲: ۳۹۲، ۳۹۳، رقم: ۷۷۹

’’اے اللہ کے رسول! یہ میرا بیٹا ہے جس کے لئے میرا پیٹ ظرف تھا اور میری چھاتی مشکیزہ اور میری گود اس کے لئے پناہ گاہ تھی۔ اس کے باپ نے مجھے طلاق دی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسے مجھ سے لے لے۔‘‘

اس پر رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

أنت أحق به ما لم تنكحي۔(۱)

’’تو اپنے بچہ کی زیادہ مستحق ہے جب تک کہ تو (دوسرا) نکاح نہ کرلے۔‘‘

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک انصاری عورت اُمِ عاصم کو طلاق دی۔ عاصم اپنی نانی کے زیرِ پرورش تھا۔ اُس کی نانی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تنازعہ پیش کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا:

أن يكون الولد مع جدته، و النفقة على عمر، و قال: هي أحق به۔(۲)

’’لڑکا اپنی نانی کے پاس رہے گا، عمر کو نفقہ دینا ہو گا۔ اور کہا: یہ نانی اس بچہ کی (پرورش کرنے کی) زیادہ حق دار ہے۔‘‘

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس لڑکے کی ماں کے حق میں

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۲: ۲۸۳، رقم: ۲۲۷۶

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۸۲

۳۔ عبدالرزاق، المصنف، ۷: ۱۵۳، رقم: ۱۲۵۹۶

۴۔ دارقطنی، السنن، ۳: ۳۰۴، ۳۰۵

۵۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۲۲۵

۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۴، ۵

۷۔ ہیثمی نے ’مجمع الزوائد (۴: ۳۲۳)‘ میں کہا ہے کہ اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۵

۲۔ عبدالرزاق، المصنف، ۷: ۱۵۵، رقم: ۱۲۶۰۲

فیصلہ کیا پھر فرمایا کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

لا توله والدة عن ولدها۔(۱)

''والدہ کو اس کے بچہ سے مت چھڑاؤ۔''

عبدالرحمٰن بن ابی زناد اہل مدینہ سے فقہاء کا قول روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کے بیٹے عاصم کے حق میں فیصلہ کیا کہ اس کی پرورش اس کی نانی کرے گی یہاں تک کہ عاصم بالغ ہوگیا، اور اُم عاصم اُس دن زندہ تھی اور (دوسرے شخص کے) نکاح میں تھی۔ (۲)

ابوحسین مرغینانی حنفیؒ لکھتے ہیں:

ولأن الأم أشفق و أقدر على الحضانة، فكان الدفع إليها أنظر، و إليه أشار الصديق رضي الله عنه بقوله: ريقها خير له من شهد و عسل عندك يا عمر ۔(۳)

''یعنی اس لئے کہ ماں بچہ کے حق میں انتہا سے زیادہ شفیق ہوتی ہے اور نگرانی و حفاظت پر مرد کی نسبت زیادہ قدرت رکھتی ہے۔ اسی شفقت کی طرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے: اے عمر! بچے کی ماں کا لعاب دہن بچے کے حق میں تمہارے شہد سے بھی زیادہ شیریں ہوگا۔''

مرغینانی مزید لکھتے ہیں:

''باپ کی نسبت ماں اس لئے زیادہ شفیق ہوتی ہے کہ حقیقت میں بچہ ماں کے جسم کا ایک حصہ ہوتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات بچہ کو قینچی کے ذریعے کاٹ کر ماں سے جدا کیا جاتا ہے اور عورت اسی پرورش میں مشغول ہونے کی وجہ سے حضانت پر زیادہ حق رکھتی ہے بخلاف مرد کے کہ وہ مال حاصل کرنے پر

---

(۱) بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۵

(۲) بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۵

(۳) مرغینانی، الہدایۃ، ۲: ۳۷

زیادہ قدرت رکھتا ہے۔‘‘

اسی طرح امام شافعی نے استدلال میں یہی احادیث پیش کی ہیں اور والدہ کے تقدم کی علت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

فلما كان لا يعقل كانت الأم أولى به على أن ذلك حق للولد لا لأبوين، لأن الأم أحنى عليه و أرق من الأب (۱)

’’پس جب کہ بچہ ناسمجھ ہو تو ماں اس کی پرورش کی زیادہ حق دار ہے کیونکہ یہ بچہ کا حق ہے نہ کہ والدین کی محبت و الفت و شفقت کے درجات کا۔‘‘

ابن قدامہ حنبلی اپنی کتاب ’المغنی (۷: ۶۱۳، ۶۱۴)‘ میں لکھتے ہیں:

الأم أحق بكفالة الطفل و المعتوة إذا طلقت ...... و لأنها أقرب إليه و أشفق عليه ولا يشاركها فى القرب إلا أبوه، و ليس له مثل شفقتها، و لايتولى الحضانة بنفسه و إنما يدفعه إلى امرأته و أمه أولى به من أم أبيه

’’بچے اور عدیم العقل کی پرورش کی ماں زیادہ حق دار ہے جبکہ اُسے طلاق دے دی گئی ہو ...... کیونکہ بچہ سے زیادہ قریب اور زیادہ شفقت رکھنے والی ماں ہوا کرتی ہے۔ اگرچہ اس قرب و شفقت میں باپ کے علاوہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا مگر اس کے باوجود حقیقت تو یہ ہے کہ باپ بھی ماں جیسی شفقت نہیں رکھتا، اور نانی دادی کی نسبت سے اولیٰ ہوگی۔‘‘

ابن قدامہ مزید لکھتے ہیں:

و الحضانة إنما تثبت لحظ الولد فلا تشرع على وجه يكون فيه هلاكه و هلاك دينه ۔

’’اور حضانت بچے کی بہبود و فلاح کے پیش نظر مقرر کی گئی ہے، لہٰذا کسی ایسے طریقے پر درست نہ ہوگی جس سے بچے کی ذات اور دین ضائع ہونے کا

(۱) شافعی، الأم، ۸: ۲۳۵

اندیشہ ہو۔‘‘

x۔ خلع کا حق

اگر عورت اپنی ازدواجی زندگی سے مطمئن نہ ہو اور اپنے شوہر کی بداخلاقی، مکاری یا اُس کی کمزوری سے نالاں ہو جائے اور اُسے ناپسند کرے اور اُسے خوف ہو کہ حدود اللہ کی پاسداری نہ کر سکے گی تو وہ شوہر سے خلع حاصل کر سکتی ہے اور یہ کسی عوض کے بدلے ہوگا جس سے وہ اپنی جان چھڑائے۔ اس کی دلیل یہ آیت قرآنی ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيمَا حُدُوْدَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ۔(۱)

’’ پس اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو (اندریں صورت) ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ بیوی (خود) کچھ بدلہ دے کر (اس تکلیف دہ بندھن سے) آزادی حاصل کر لے‘‘۔

شریعتِ مطہرہ نے طلاق کو صرف شوہر کا حق قرار دیا ہے، کیونکہ شوہر ہی خاص طور سے رشتہ زوجیت قائم رکھنے کا خواہاں ہوتا ہے اور وہ زوجیت کی بناء پر کافی مال خرچ کر چکا ہوتا ہے، اس لئے وہ طلاق نہ دینے کو ترجیح دیتا ہے کیوں کہ طلاق کی صورت میں اسے مؤخر شدہ مہر اور عورت کے دوسرے مالی حقوق ادا کرنا پڑتے ہیں۔

چونکہ بیوی پر شوہر کے کوئی مالی حقوق واجب نہیں ہوتے، اس لئے شریعت نے طلاق کا حق مرد کو دیا ہے اور عورت کے لئے خلع کا حق رکھا ہے تا کہ اس کے پاس بھی تفریق کا حق موجود ہو۔

عورت کے اس حق کو احادیث مبارکہ میں یوں بیان کیا گیا:

عن ابن عباس: أن امرأة ثابت بن قيس أتت النبی ﷺ فقالت: يا رسول الله. ثابت بن قيس، ما اعتب عليه فی خلق ولا دين، ولكنی اكره الكفر فی الاسلام۔ فقال رسول الله ﷺ: أتردين

(۱) القرآن، البقرہ، ۲:۲۲۹

علیه حدیقته؟ قالت : نعم۔ قال رسول اللہ ﷺ: اقبل الحدیقة و طلقها تطلیقة۔(۱)

’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی اہلیہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں: یارسول اللہ! میں کسی بات پر ثابت بن قیس سے ناخوش نہیں ہوں، نہ ان کے اخلاق سے اور نہ ان کے دین سے، لیکن میں اسلام میں احسان فراموش بننا ناپسند کرتی ہوں۔ تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم ان کا باغ واپس دینا چاہتی ہو؟ اُنہوں نے کہا: ہاں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان کا باغ دیدو اور ان سے طلاق لے لو۔‘‘

تاہم اگر شوہر صحیح ہو اور عورت کے تمام شرعی حقوق پورے کرتا ہو تو اس حالت میں خلع لینا دُرست نہیں ہے۔ حضرت ثوبان ص سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ایما امرأة سألت زوجها الطلاق ما بأس فحرام علیها رائحة الجنة۔(۲)

’’جو کوئی عورت اپنے شوہر سے بلاوجہ طلاق مانگے اُس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔‘‘

خلع عورت کا ایسا حق ہے کہ جب عورت خلع لے لیتی ہے تو اپنے نفس کی مالک ہو جاتی ہے اور اُس کا معاملہ خود اُس کے ہاتھ میں آجاتا ہے، کیونکہ اس شخص کی زوجیت سے آزادی کے لئے اس نے مال خرچ کیا ہے۔

خلع کو عورت کے لئے مرد سے چھٹکارے کا ذریعہ بنایا گیا ہے کہ جب وہ اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہو اور اُس کے ساتھ رہنا نہ چاہتی ہو گویا یہ طلاق کی طرح عورت کے

(۱) بخاری، الصحیح، ۵: ۲۰۲۱، رقم: ۴۹۷۱

(۲) احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۷۷، رقم: ۲۲۴۳۳

پاس ایک حق ہے اس میں عورت کو شوہر سے لیا ہوا مہر واپس کرنا ہوتا ہے۔

وہ چند صورتیں جن میں عورت کی طرف سے طلاق یا خلع واقع ہوتا ہے، درج ذیل ہیں:

۱۔ نکاح کے وقت عورت نے اپنے لئے طلاق کا حق رکھا ہو اور شوہر نے اُس پر موافقت کی ہو۔ اس شرط کو استعمال کرنا اُس کا حق ہے۔

۲۔ جب وہ شوہر کی مخالفت کے باعث اپنے نفس پر نافرمانی کے گناہ میں پڑنے کا خوف کرے۔

۳۔ اس سے شوہر کا سلوک برا ہو، یعنی وہ اس پر اُس کے دین یا جان کے بارے میں ظلم روا رکھے اور عورت اس سے مال دے کر طلاق حاصل کرنا چاہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ۔(۱)

''پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو (اندریں صورت) ان پر کوئی گناہ نہیں کہ بیوی (خود) کچھ بدلہ دے کر (اس تکلیف دہ بندھن سے) آزادی لے لے۔''

امام ابو حنیفہؒ بیوی سے ناروا سلوک کرنے والے شوہر کے لئے اس سے مہر لینا بھی مکروہ سمجھتے ہیں، کیونکہ اسلام دین مروت ہے وہ عورت سے برا سلوک قبول نہیں کرتا کہ جب اُسے طلاق دے تو اُس کا مال بھی لے لے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا(۲)

''اور جب تم ایک کی جگہ دوسری بیوی لانے کا ارادہ کرو اور تم اُن میں سے کسی

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۲۹

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۲۰

کو سونے کے ڈھیر بھی دے چکے ہو تو اُس میں سے کچھ نہ لو بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اُس سے واپس لو گے ○''

۴۔ شوہر اپنی بیوی سے جنسی تعلق پر قادر نہ ہو تو عورت اپنا معاملہ عدالت میں پیش کرے گی، قاضی اُسے ایک سال کی مہلت دیگا کہ (وہ علاج کرائے) اس کے بعد اگر وہ جنسی تعلق پر قادر نہ ہو سکے اور عورت علیحدگی کا مطالبہ کرے تو قاضی اُن کے درمیان علیحدگی کرا دے گا۔

۵۔ شوہر مجنون ہو جائے یا اُسے برص یا جزام (کوڑھ) کی بیماری لاحق ہو جائے تو بیوی کے لئے یہ حق ہے کہ وہ عدالت میں معاملہ اُٹھائے اور علیحدگی کی مطالبہ کرے، اس پر قاضی اُن میں علیحدگی کرا سکتا ہے۔(۱)

الغرض عورت کو ہر سطح پر اسلام نے وہ تحفظ اور عزت و احترام عطا کیا جس کی نظیر ہمیں کسی دوسرے نظام زندگی میں نہیں ملتی۔

۴۔ طلاق کے بعد عورت کے حقوق

اسلام کے نظام قانون میں طلاق کا اختیار مرد کے پاس ہے۔ مگر اس اختیار کو اس وقت ہی استعمال کرنے کا حکم ہے جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ آخری چارے کے طور پر جائز ہونے کے باوجود طلاق کو حلال کاموں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

ابغض الحلال عند الله الطلاق۔(۲)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔''

آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا:

---

(۱) مرغینانی، الہدایہ، ۳: ۲۶۸

(۲) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۲: ۲۵۵، رقم: ۲۱۷۸

۲۔ ابن ماجہ، السنن، ۱: ۶۵۹، رقم: ۲۰۱۸

ولا خلق اللہ شیاء علی وجه الارض ابغض الیه من الطلاق۔(۱)

''اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی چیز طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ پیدا نہیں فرمائی۔''

اگر طلاق کے اختیار کے استعمال کے علاوہ کوئی صورت نہ ہوتو اندریں حالات اس اختیار کے استعمال سے عورت کوکسی طرح سے بھی مبتلائے اذیت کرنے کی ممانعت کی گئی۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ ۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ○ (۲)

''طلاق (صرف) دو بار (تک) ہے، پھر یا تو (بیوی کو) اچھے طریقے سے (زوجیت میں) روک لینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ جو چیزیں تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو سوائے اس کے کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ (اب رشتۂ زوجیت برقرار رکھتے ہوئے) دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو (اندریں صورت) ان پر کوئی گناہ نہیں کہ بیوی (خود) کچھ بدلہ دے کر (اس تکلیف دہ بندھن سے) آزادی لے لے، یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں پس تم ان سے آگے مت بڑھو، اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں سو وہی لوگ ظالم ہیں○''

---

(۱) دارقطنی، السنن، ۴: ۳۵

(۲) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۲۹

وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ○(۱)

''اور طلاق یافتہ عورتوں کو بھی مناسب طریقے سے خرچ دیا جائے، یہ پرہیزگاروں پر واجب ہے○''

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا○(۲)

''اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان مخالفت کا اندیشہ ہو تو تم ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے مقرر کرلو، اگر وہ دونوں صلح کا ارادہ رکھیں تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرمادیگا، بیشک اللہ خوب جاننے والا خبردار ہے○''

اگرچہ طلاق کا حق مرد کو دیا گیا مگر اس ذیل میں بھی عورت کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے درج ذیل حقوق عطا کئے گئے:

i- مہر کا حق

شریعت میں سب سے اہم حق جو طلاق کے وقت عورت کو دیا گیا ہے وہ مہر ہے، البتہ مباشرت سے قبل طلاق ہونے کی صورت میں آدھا مہر ملتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ.(۳)

''اگر تم انہیں چھونے سے قبل طلاق دو اور اُن کے لئے مہر مقرر کیا ہو تو مقرر کئے ہوئے مہر کا آدھا اُنہیں دو''۔

(۱) القرآن، البقرہ، ۲:۲۴۱

(۲) القرآن، النساء، ۴:۳۵

(۳) القرآن، البقرہ، ۲:۲۳۷

اسی طرح عورت کو خرچ و سامان دینا ہے، شریعت اسلامیہ نے عورت کے لئے جب اسے طلاق دی جائے خرچ و سامان دینے کا حکم دیا ہے۔ امام احمد کا مسلک ہے کہ ہر قسم کی مطلقہ کے لئے یہ حق ہے اور یہ ہر ایک کے لئے واجب ہے یہی قول حضرت علی رضی اللہ عنہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابوقلابہ زھریؒ وغیرہ کا ہے، اُن کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ○ (۱)

''اور طلاق یافتہ عورتوں کو بھی مناسب طریقے سے خرچہ دیا جائے یہ پرہیزگاروں پر واجب ہے○''

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ○ (۲)

''اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دُنیا کی زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی خواستگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح رُخصت کروں○''

ii- میراث کا حق

اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ طلاق کے بعد وہ جب تک عدت میں ہے، اگر اس کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کے ترکہ سے میراث ملے گی، جس طرح غیر مطلقہ بیوی کو ملتی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جب تک اس نے شادی نہ کی ہو، عدت کے بعد بھی میراث میں حصہ ملے گا۔ یہی قول کئی صحابہ سے بھی مروی ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ چاہے اس کا طلاق دیتے وقت شوہر بیمار ہو یا نہ ہو، وہ اس لئے کہ شوہر کو ابھی اسے روکنے کا اور رجوع کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے اور وہ بھی اس کی مرضی سے، ولی اور گواہوں کی موجودگی کے بغیر اور بلا کسی نئے مہر کے۔

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۴۱

(۲) القرآن، الاحزاب، ۳۳: ۲۸

iii- حضانت کا حق

بچے کی تربیت اور اس کے معاملات کی دیکھ بھال کے لئے اس کی نگرانی حضانت کہلاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے بچے کی حضانت کا حق اس کی ماں کو عطا کیا۔ ماں کے بعد بچے کی حضانت کا حق اس کی ماں کی ماں کو اور پھر باپ پھر باپ کی ماں کو حاصل ہے۔ بچے کی حضانت کی سب سے زیادہ حقدار اُس کی ماں ہے، درج ذیل حدیث سے ثابت ہے:

عن عبدالله بن عمرو ان امراة قالت یا رسول الله ان ابنی هذا کان بطنی له وعاء وثدیی له سقاء و حجری له حواء و ان اباه طلقنی و اراد ان ینتزعه منی۔ فقال رسول الله ﷺ: انت احق به ما لم تنکحی۔(۱)

’’عبداللہ ابن عمرو سے روایت ہے کہ ایک عورت نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ یہ میرا بچہ ہے میرا پیٹ اس کا برتن تھا، میرے پستان اس کے مشکیزے اور میری گود اس کی آرام گاہ ، اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی ہے اور اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی زیادہ مستحق تو ہے، جب تک تو نکاح نہ کرلے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۲:۳: ۲۸۳، رقم: ۲۲۷۶
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۸۲
۳۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۲۲۵، رقم: ۲۸۳۰
۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۴
۵۔ ہیثمی نے ’مجمع الزوائد (۴: ۳۲۳)‘ میں کہا ہے کہ اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

۵۔ عورت کے معاشی حقوق

i- وراثت کا حق

اسلام نے عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق عطا کرتے ہوئے وراثت کا حق بھی عطا کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْكَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا○(۱)

''ماں باپ اور رشتے داروں کے ترکے میں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ لڑکوں کا حصہ ہے اور ماں باپ اور رشتے داروں کے ترکے میں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ لڑکیوں کا بھی حصہ ہے اور یہ حصے خدا کی طرف سے مقررہ ہیں○''

یعنی اُصولی طور پر لڑکا اور لڑکی دونوں وراثت میں اپنا اپنا مقررہ حصہ لینے کے حقدار ہیں اور کوئی شخص انہیں ان کے اس حق سے محروم نہیں کرسکتا۔

ii- والدین کے مالِ وراثت میں حق

قرآن حکیم نے اولاد کے حق وراثت کا تعین کرتے ہوئے بھی خواتین کا حق وراثت بالتفصیل بیان کیا ہے:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَاتَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ۔(۲)

(۱) القرآن، النساء، ۴:۷

(۲) القرآن، النساء، ۴:۱۱

''تمہاری اولاد سے متعلق اللہ کا یہ تاکیدی حکم ہے کہ ترکے میں لڑکے کے لئے دولڑکیوں کے برابر حصہ ہے۔ اگر اکیلی لڑکی ہو تو اسے آدھا ترکہ ملے گا اور (میت کے) ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ وہ اپنے پیچھے اولاد بھی چھوڑے، اگر اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور وارث ماں باپ ہی ہوں تو ماں کے لئے ایک تہائی (ماں باپ کے ساتھ) بھائی بہن بھی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہوگا۔''

اس آیہ مبارکہ میں یہ امر قابلِ غور ہے کہ تقسیم کی اکائی لڑکی کا حصہ قرار دیا گیاہے، یعنی سب کے حصے لڑکی کے حصے سے گنے جائیں گے۔ گویا تمام تقسیم اس محور کے گرد گھومے گی۔ جاہلیت میں لڑکیوں کو ترکے میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ اکثر دوسرے مذاہب میں اب بھی ہے لیکن اسلام کی نظر میں لڑکی کوترکے کا حصہ دینا کتنا ضروری ہے، وہ اس سے ظاہر ہے کہ پہلے تو تقسیم وراثت کی عمارت کی بنیاد ہی لڑکی کے حصے پر رکھی پھر یوصیکم اللہ کہہ کر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نہایت تاکیدی حکم ہے۔

اس آیت مبارکہ سے تقسیم کے یہ اصول معلوم ہوئے:

(۱) اگر اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو ایک لڑکے کو ایک لڑکی سے دگنا ملے گا اور اسی اصول پر سب ترکہ لڑکوں اور لڑکیوں میں تقسیم ہوگا، صرف لڑکوں کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ اس صورت میں ظاہر ہے کہ وہ سب برابر کے حصے دار ہوں گے۔

(۲) اگر اولاد میں لڑکا کوئی نہ ہو اور دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں۔تو ان کو بھی دو تہائی ہی ملے گا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے عمل مبارک سے ان معنوں کی تائید ہوتی ہے۔ ایک صحابی سعد بن ربیع غزوہ احد میں شہید ہوگئے۔ انہوں نے اولاد میں صرف دولڑکیاں چھوڑ دیں۔ سعد کے بھائی نے سارے ترکے پر قبضہ کر لیا اور لڑکیوں کو کچھ نہ دیا۔ اس پر سعد کی بیوہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور شکایت کی کہ سعد کی دولڑکیاں موجود ہیں، لیکن ان کے چچا نے انہیں ان کے باپ کے ترکے میں سے ایک جبہ بھی نہیں دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے سعد کے بھائی کو بلوایا اور اسے حکم دیا کہ مرحوم کی دونوں

بیٹیوں کو اس کے ترکے میں سے دو تہائی اور بیوہ کو آٹھواں حصہ دے دو اور بقیہ خود رکھ لو۔(۱)

(۳) اگر اولاد میں صرف ایک لڑکی ہو تو اسے ترکے کا نصف ملے گا اور باقی نصف دوسرے رشتہ داروں میں تقسیم ہوگا۔

(۴) اگر اولاد کے ساتھ میت کے ماں باپ بھی زندہ ہوں تو پہلے ان دونوں میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا اور باقی دو تہائی مندرجہ بالا شرح سے اولاد کو ملے گا۔

(۵) اگر متوفی کے اولاد کوئی نہ ہو، صرف ماں باپ ہوں، تو اس صورت میں ترکے کا تہائی ماں کو اور باقی باپ کو ملے گا۔

(۶) آخری صورت یہ بیان کی کہ اگر متوفی کے ورثا میں ماں باپ کے ساتھ بھائی بہن بھی ہوں، تو ماں کا حصہ چھٹا ہوگا۔

ممکن تھا کہ کوئی شخص ماں باپ کو اولاد کا وارث قرار دینے پر اعتراض کرتا، کیونکہ اس سے پہلے دنیا کے تمام مذاہب میں صرف اولاد ہی وارث قرار دی گئی تھی۔ اس لئے فرمایا:

اٰبَاؤُكُمْ وَ اَبْنَاؤُكُمْ لَاتَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ اِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًاO (۲)

''تمہارے باپ دادا (بھی ہیں) اور اولاد بھی، لیکن تم نہیں جانتے کہ ان میں سے نفع رسانی کے لحاظ سے کون تمہارے زیادہ قریب ہے۔ (یہ حصے) اللہ نے مقرر کئے ہیں۔ بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہےO''

یعنی یہ اعتراض کہ باپ دادا کیوں وارث بنائے گئے نادانی کی بات ہے۔ اس

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، ۴: ۴۱۴، رقم: ۲۰۹۲

۲۔ ابوداؤد، السنن، ۳: ۱۲۰، رقم: ۲۸۹۱

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۱۱

حکم کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ انسان کے لئے اوپر کے رشتے دار زیادہ اچھے ہیں یا نیچے کے۔ ہماری فلاح اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے میں ہی مضمر ہے۔

iii- شوہر کے مالِ وراثت میں حق

قرآن حکیم نے شوہر یا بیوی میں سے کسی کے بھی انتقال کی صورت میں اس کے مال وراثت میں سے دوسرے فریق کا حصہ بالتفصیل بیان کیا ہے۔ بیوی کے انتقال کی صورت میں خاوند کا حصہ بیان کرتے ہوئے کہا:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ۔(۱)

''تمہاری بیویوں کے ترکے میں سے تمہارے لئے نصف ہے، اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کے اولاد ہو تو تمہارے لئے اُنہوں نے جو ترکہ چھوڑا ہے اس کا ایک چوتھائی ہے(یہ تقسیم) ان کی وصیت (کی تعمیل) اور ان کے قرض (کی ادائیگی) کے بعد ہو گی۔''

اور شوہر کی وفات کی صورت میں بتایا:

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ۔(۲)

'' اور تمہارے ترکے میں سے تمہاری بیویوں کا ایک چوتھائی حصہ ہے ۔ اگر تمہارے کوئی اولاد نہیں۔ اگر تمہاری اولاد بھی ہو، تو تمہارے ترکے میں سے ان کا حصہ آٹھواں ہے۔(یہ تقسیم) تمہاری وصیت کی تعمیل اور تمہارے قرض (کی ادئیگی) کے بعد ہو گی۔''

iv- کلالہ کے مالِ وراثت میں حق

کلالہ اس میت کو کہتے ہیں جس کے والدین ہوں نہ اولاد۔ ایسی عورت یا مرد

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۱۲

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۱۲

فوت ہو جائے اور اس کے پیچھے نہ اس کا باپ ہو، نہ بیٹا، تو اس کی جائیداد کی تقسیم کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) اس کے اعیانی یعنی سگے بھائی بہن ہوں۔

(۲) علاتی بھائی بہن ہوں، یعنی باپ ایک اور مائیں الگ الگ ہوں۔

(۳) اخیافی بھائی بہن ہوں، ماں ایک اور باپ علیحدہ علیحدہ ہوں۔

ان تینوں کے احکام الگ الگ ہیں:

(۱) اگر پہلی صورت یعنی سگے بھائی بہن موجود ہیں تو حکم دیا:

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ـ(۱)

''لوگ آپ سے فتویٰ (یعنی شرعی حکم) دریافت کرتے ہیں۔ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں (بغیر اولاد اور بغیر والدین کے فوت ہونے والے) کلالہ (کی وراثت) کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے جو بے اولاد ہو مگر اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لئے اس (مال) کا آدھا (حصہ) ہے جو اس نے چھوڑا ہے اور (اگر اس کے برعکس بہن کلالہ ہو تو اس کے مرنے کی صورت میں اس کا) بھائی اس (بہن) کا وارث (کامل) ہوگا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو۔''

ظاہر ہے کہ اگر بہنیں دو سے زیادہ ہوں تو وہ سب اس دوتہائی میں برابر کی شریک ہوں گی۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ علاتی بھائی بہن ہوں، یعنی باپ ایک ہو اور مائیں الگ الگ ہوں تو اس صورت میں حکم دیا:

وَ اِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ(۲)

(۱) القرآن، النساء، ۴:۱۷۶

(۲) القرآن، النساء، ۴:۱۷۶

’’اور اگر بہت سے بھائی بہن ہوں تو پھر (تقسیم یوں ہو گی کہ) ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔‘‘

یعنی جیسے اولاد کے درمیان ترکے کی تقسیم کا اُصول ہے...... ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر...... وہی یہاں بھی استعمال ہوگا۔

(۳) تیسری اور آخری صورت یہ ہے کہ اخیافی بھائی بہن ہوں یعنی عورت نے ایک خاوند کی وفات کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور دونوں سے اولاد ہو۔ اگر ان میں سے کوئی مرجائے اور کلالہ ہو:

وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۔(۱)

’’اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی وراثت تقسیم کی جا رہی ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ کوئی اولاد اور اس کا ماں کی طرف سے ایک بھائی یا ایک بہن ہو (یعنی اخیافی بھائی یا بہن) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے پھر اگر وہ بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے (یہ تقسیم بھی) اس وصیت کے بعد (ہو گی) جو (وارثوں کو) نقصان پہنچائے بغیر کی گئی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد۔‘‘

یعنی کلالہ کی وراثت کی تقسیم کے احکام میں بھی عورت کو حق وراثت کا مستحق قرار دیا گیا اور اس کے واضح احکام بیان کئے گئے جن کا خلاصہ ہم درج ذیل پانچ اُصولوں میں بیان کر سکتے ہیں:

(۱) جہاں صرف اولاد ہو، اورکوئی دوسرا وارث نہ ہو، اور اولاد میں بھی تمام لڑکے ہوں، تو ترکہ ان لڑکوں میں بحصہ مساوی تقسیم ہوگا۔ لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا، اور اسی اُصول پر تمام ترکہ تقسیم ہو گا اگر لڑکا کوئی

(۱) القرآن، النساء، ۱۲:۴

نہ ہو، صرف ایک لڑکی ہو، تو اسے ترکے کا نصف ملے گا، اور اگر دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں، تو اُنہیں دو تہائی ملے گا۔

(۲) جہاں اولاد ہو یا نہ ہو، لیکن ماں باپ موجود ہوں۔ اگر اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ اور باقی اولاد میں نمبر (۱) کے اُصول پر تقسیم ہو گا ۔ اگر اولاد نہ ہو تو ماں کو ایک تہائی اور باقی دو تہائی باپ کو۔

(۳) اولاد نہ ہو، لیکن بھائی بہن ہوں، تو ماں کو ایک تہائی کی جگہ چھٹا حصہ ملے گا۔ یہاں پھر اختلاف ہے کہ ان بھائی بہنوں کو کتنا ملے گا۔ بعض کے نزدیک ماں کو ایک چھٹا حصہ ملے گا، دوسرا چھٹا ان بھائی بہنوں میں تقسیم ہو گا، اور باپ کو حسب سابق بقیہ دو تہائی۔ بعض کے نزدیک یہاں بھی کلالہ کا اُصول جاری ہو گا، یعنی اگر ایک بھائی یا ایک بہن ہے، تو اسے چھٹا حصہ، ماں کو چھٹا حصہ، اور باپ کو دو تہائی۔ اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کو ایک تہائی، ماں کو چھٹا حصہ اور باقی نصف باپ کو۔

(۴) زوجین کی صورت میں، اگر بیوی اولاد چھوڑ کر مرے تو خاوند کو ترکے کا چوتھائی اور باقی تین چوتھائی اولاد میں نمبر (۱) کے اُصول پر تقسیم ہو گا۔ اگر اولاد نہ ہو، تو خاوند کو نصف اور بقیہ دوسرے رشتے داروں کو اُوپر کے قواعد کی رو سے۔ اگر خاوند اولاد چھوڑ کر مرے تو بیوی کا آٹھواں حصہ ہے۔ اگر اولاد نہ ہو، تو چوتھا اور بقیہ ترکہ دوسرے رشتہ داروں میں تقسیم ہو گا۔

(۵) کلالہ جہاں اعیانی یا علاتی یا اخیافی بھائی بہن ہوں جیسے کہ اُوپر بیان ہوا۔ تقسیم میں یہ ترتیب مدنظر رکھی جائے گی۔ سب سے پہلے خاوند یا بیوی کو حصہ ملے گا، پھر والدین کو اور پھر اولاد کو۔ اگر اولاد نہ ہو یا اولاد یا والدین دونوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو، تو سب سے آخر میں بھائی بہن حق دار ہوں گے۔

کیا عورت آدھی ہے؟

اسلام کے قانون وراثت کا سرسری اور سطحی مطالعہ کرنے والوں کو یہ مغالطہ لگتا ہے کہ عورت کا مرتبہ مرد سے کمتر ہے۔ یہ مغالطہ قرآن حکیم کی درج ذیل آیت مبارکہ کی حکمت صحیح طور پر نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے:

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔(۱)

''ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے۔''

تاہم اسلام کے قانون وراثت کا بنظر غائر جائزہ اس مغالطہ کی نفی کرتا ہے۔ اسلام کا قانون وراثت عورت کے حق کی تنصیف یا تخفیف نہیں بلکہ حسن معاشرت و معیشت کے قیام کے تصور پر مبنی ہے۔ اسلام کا قانون وراثت عورت کے تقدس وعظمت کی پاسبانی کرنے والی درج ذیل حکمتوں پر مشتمل ہے:

i- عورت کا حصہ تقسیم وراثت کی اکائی ہے

متذکرہ بالا آیت مبارکہ کے الفاظ پر غور تقسیمِ میراث کے بنیادی پیمانے کو واضح کرتا ہے۔ یہاں مرد وعورت کا حصہ وراثت بیان کرتے ہوئے عورت کے حصے کو اکائی قرار دیا گیا کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصوں کے برابر ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ ایک عورت کا حصہ مرد کے نصف حصہ کے برابر ہے۔ بلکہ تقسیم میراث کے نظام میں عورت کے حصہ کو اساس اور بنیاد بنایا گیا اور پھر تمام حصوں کے تعین کے لئے اسے اکائی بنایا گیا۔ گویا میراث کی تقسیم کا سارا نظام عورت ہی کے حصہ کی اکائی کے گرد گھومتا ہے جو درحقیقت عورت کی تکریم و وقار کے اعلان کا مظہر ہے۔

ii- میراث میں حصوں کے تعین کی بنیاد جنس نہیں

چونکہ اللہ تعالیٰ نے عورت کی تمام ضروریات کا کفیل مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس ذمہ داری سے مستثنٰی قرار دیا ہے۔ مزید برآں عورت کے لئے روزگار اور معاشی مواقع سے ہر ممکن فائدہ اٹھانے پر کوئی پابندی بھی نہیں لگائی گئی بلکہ عورت کمانے والی بھی ہو تو تب بھی کفالت کی ذمہ داری اس کے شوہر پر ہوگی اور وہ اپنی کمائی خصوصی حق کے طور پر محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اگر وہ گھریلو ضروریات کے لئے خرچ کرنا چاہے تو اس کا یہ عمل احسان ہو گا، کیونکہ یہ اس کے فرائض میں شامل نہیں جبکہ مرد کی آمدن چاہے عورت سے کم ہی کیوں نہ ہو پھر بھی کفالت کا ذمہ دار وہی ہوگا۔ اندریں حالات ذمہ داریوں کے تناسب

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۱۱، ۱۷۶

(quantum and proportion of responsiblities) کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک متوازن، مستحکم اور معاشی عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ مردوں کو وراثت میں زیادہ حصہ دیا جاتا تاکہ وہ اپنے اوپر عائد جملہ عائلی ذمہ داریوں سے بطور اَحسن عہدہ برآ ہوسکیں۔ گویا عورت کا حق وراثت مرد سے نصف نہیں کیا گیا بلکہ مرد کا حقِ وراثت اس کی اضافی ذمہ داریوں کی وجہ سے بڑھا دیا گیا ہے۔ اس طرح مرد اور عورت کی معاشرتی، سماجی اور عائلی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مالی توازن قائم کر دیا گیا ہے۔

iii- مرد و عورت کی حقِ وراثت میں برابری

اسلام کے قانون وراثت میں جن رشتہ داروں کو وارث قرار دیا گیا ہے وہ تین اقسام پر مشتمل ہیں:

۱۔ ذوی الفروض

۲۔ عصبات

۳۔ ذوی الارحام

ذوی الفروض وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور ان کے متعلق قرآن حکیم یا احادیث مبارکہ میں واضح احکام موجود ہیں۔ ترکہ کی تقسیم کا آغاز ذوی الفروض سے ہوتا ہے یعنی ترکہ میں سے پہلے ذوی الفروض کو حصہ ملے گا اس کے بعد عصبات اور پھر ذوی الارحام کو۔ ذوی الفروض درج ذیل مردوں اور عورتوں پر مشتمل ہیں:

ذوی الفروض مرد:

۱۔ شوہر

۲۔ باپ

۳۔ اخیافی (ماں کی طرف سے) بھائی

۴۔ جدّ صحیح

ذوی الفروض عورتیں:

۱۔ بیوی ۲۔ ماں

۳۔ بیٹی ۴۔ پوتی
۵۔ سگی بہن ۶۔ علاتی (ماں کی طرف سے) بھائی
۷۔ اخیافی بہن ۸۔ جدّہ صحیحہ

ذوی الفروض کا چار مردوں اور آٹھ عورتوں پر مشتمل ہونا مردوں اور عورتوں کی نفسِ وراثت میں مساوی شرکت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ذوی الفروض میں مردوں کی تعداد سے دو گنا عورتیں شامل کی گئیں اور ان خواتین میں کچھ ایسی بھی ہیں جو شاید براہ راست متوفی کی شرعی کفالت میں نہ آتی ہوں اسکے باوجود یہاں زیادہ عورتوں کو accomodate کیا گیا۔ اس طرح فی الحقیقت تقسیمِ وراثت میں عورت اور مرد برابر ہو گئے یعنی قانونِ الٰہی میں عورت کو کسی طور بھی مرد سے کم درجہ نہیں گردانا گیا بلکہ مرد اور عورت کے حصہ وراثت کا لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کے قانون کے تحت تعین دراصل ان پر عائد ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مناسب معاشی انتظام کا درجہ رکھتا ہے۔

iv- مرد و عورت کے مساوی حصہ کی نظیر

معاشرے میں بعض مرد و عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن پر عمر رسیدگی یا کسی اور سبب سے مالی ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں رہتا یا کم از کم مرد پر عام حالات کی طرح عورت کے مقابلے میں زیادہ بوجھ نہیں ہوتا یعنی وہ دونوں یکساں مالی ذمہ داریوں کے حامل ہو جاتے ہیں۔ یہ مقام اس وقت آتا ہے جب مرنے والے کے والدین زندہ ہوں اور اس متوفی کی اولاد بھی ہو، جب اس صاحب اولاد متوفی کی وراثت تقسیم ہوگی تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکہ کا 1/6 حصہ ملے گا۔

وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۔(۱)

''اور (میت کے) ماں باپ کے لئے ان دونوں میں سے ہر ایک کو (برابر) ترکہ کا چھٹا حصہ (ملے گا) بشرطیکہ مورث کی کوئی اولاد ہو۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے:

---

(۱) القرآن، النساء، ۴:۱۱

وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ۔(۱)

”اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی وراثت تقسیم کی جا رہی ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ کوئی اولاد اور اس کا ماں کی طرف سے ایک بھائی یا ایک بہن ہو (یعنی اَخیافی بھائی یا بہن) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے (برابر طور پر) چھٹا حصہ ہے۔“

اس طرح باوجود یہ کہ وراثت کی تقسیم مرد و عورت کے مابین ہو رہی ہے، یہ برابر ہوگی۔ اگر اسلام کے نظامِ وراثت میں محض مرد ہونے کی وجہ سے عورت کے حصہ سے دوگنا قرار پایا ہوتا یا عورت کا حصہ محض عورت ہونے کی وجہ سے نصف ہوتا تو پھر اس مقام پر جب وہ ماں باپ کی حیثیت سے وراثت لے رہے ہیں یہاں بھی ان کے حصہ کا فرق برقرار رہتا جبکہ یہاں ایسا معاملہ نہیں۔

۶۔ عورت کے قانونی حقوق

i۔ قانونی شخصیت (legal person) ہونے کا حق

حقوق و فرائض کے تعین میں قانونی شخص کا وجود بنیادی حیثیت رکھتا ہے، جدید قانون نے حقوق و فرائض کے تعین کے لئے قانونی شخص کو بنیادی قرار دیا ہے۔ Roger Cotterrell کے الفاظ میں:

> The concept of the legal person or legal subject defines who or what the law will recognize as a being capable of having rights and duties.(2)

”قانونی شخص کا تصور اس بات کی توضیح کرتا ہے کہ بطور ایک شخص کے فرد حقوق اور فرائض کی اہلیت سے بہرہ ور ہے۔“

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۱۲

(2) Roger Cotterrell, *The Sociology of Law*, 2nd ed. Butterworths, London, 1992, pp. 123, 124.

ایک دوسرا مفکر G. Paton لکھتا ہے:

Legal personality refers to the particular device by which the law creates or recognizes units to which it ascribes certain powers and capacities.(1)

''قانونی شخص کا تصور قانون کو وہ بنیاد فراہم کرتا ہے جس سے قانون مخصوص اختیارات اور قانونی اہلیتوں کے تعین کے لئے بنیاد اخذ کرتا ہے۔''

مغربی قانونی تاریخ میں پچھلی صدی کے آغاز تک عورت کو non-person کی حیثیت حاصل رہی تھی۔ عورت کو نہ صرف باقاعدہ legal person تسلیم کیا گیا بلکہ مغربی قانونی ساز اداروں (legislatures) کے مختلف قوانین (statutes) میں مذکور "person" یا "man" کے ذیل میں بھی عورت کو کبھی شامل نہیں سمجھا گیا(۲)، چونکہ مغرب میں خواتین کے قانونی شخص کو ہی تسلیم نہیں کیا گیا تھا لہٰذا مردوں کے برابر قانونی حقوق کے حصول کے لئے عورتوں کو سالہا سال تک قانونی تشخص کے حصول کی جنگ لڑنا پڑی۔(۳)

اسلام نے عورت کو قانونی شخص ہونے کا مقام احکام کے اجراء کے ساتھ ہی عطا کر دیا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○ (۴)

---

(1) G.Paton, *Textbook of Jurisprudence*, 4th ed. OUP, London, 1972, p-392.

(2) W. Blackstone, *Commentaries on the Laws of England*, Book I, Chapter 15, p. 442.

(3) Cecilia Morgan, "An Embarrassingly and Severely Masculine Atmosphere: Women, Gender and the Legal Profession at Osgoode Hall, 1920s-1960s" (1996) 11 Canadian Journal of Law and Society 19 at 21.

(۴) القرآن، الاحزاب، ۳۳: ۳۶

’’اور نہ کسی مسلمان مرد اور نہ کسی مسلمان عورت کو یہ حق ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ایک کام کا فیصلہ فرما دیں تو ان کے لئے اپنے (اس) کام میں کوئی اختیار ہو اور جو نافرمانی کرے اللہ اور اس کے رسول کی تو بیشک وہ کھلی گمراہی میں بہک گیا٭‘‘

اس آیہ مبارکہ میں قانون الٰہی کی اطاعت و معصیت کے باب میں عورت اور مرد کا برابر ذکر کر کے یہ حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ عورت اور مرد کے قانونی تشخص میں کوئی تفریق روا نہیں رکھی جا سکتی۔ قرآن حکیم کی کئی دیگر آیات بھی عورت کے قانونی شخص (legal person) ہونے کی بنیاد فراہم کرتی ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ط اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ط فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ م بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ط ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ط فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٭(۱)

’’اے ایمان والو! تم پر ان کے خون کا بدلہ (قصاص) فرض کیا گیا ہے جو ناحق قتل کئے جائیں، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، پھر اگر اس کو (یعنی قاتل کو) اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ (یعنی قصاص) معاف کر دیا جائے تو چاہیے کہ بھلے دستور کے موافق پیروی کی جائے اور (خون بہا کو) اچھے طریقے سے اس (مقتول کے وارث) تک پہنچا دیا جائے، یہ تمہارے رب کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے، پس جو کوئی اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے٭‘‘

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲:۱۷۸

وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ اٰبَآؤُكُمۡ وَ اَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعًا فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا○ (۱)

''اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے، پھر اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زائد تو ان کے لئے اس ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے اور اگر وہ اکیلی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے اور مورث کے ماں باپ کے لئے ان دونوں میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ (ملے گا) بشرطیکہ مورث کی کوئی اولاد ہو، پھر اگر اس میت (مورث) کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف اس کے ماں باپ ہوں تو اس کی ماں کے لئے تہائی ہے (اور باقی سب باپ کا حصہ ہے)، پھر اگر مورث کے بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے (یہ تقسیم) اس وصیت (کے پورا کرنے) کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد (ہوگی) تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تمہیں معلوم نہیں کہ فائدہ پہنچانے میں ان میں سے کون تمہارے قریب تر ہے، یہ (تقسیم) اللہ کی طرف سے فریضہ (یعنی مقرر) ہے بیشک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے○''

اسلام کی طرف سے عورت کے قانونی شخص ہونے کا اعتراف ہی اس کے قانونی، سیاسی اور معاشی حقوق کے استحقاق کی بنیاد بنا۔

ii۔ گواہی کا حق

گواہی کی تعریف یہ ہے کہ انسان جو دیکھے یا سنے اُسے سچ سچ بیان کر دے۔

گواہی دینا مرد پر لازم ہے اور عورتوں کو اس کا حق دیا گیا ہے۔

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۱۱

ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَإِنَّهُ اٰثِمٌ قَلْبُهُ(۱)

''اور گواہی کو مت چھپاؤ، جو اسے چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہے''۔

اس طرح ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

خير الشهود من أدى شهادته قبل أن يسألها(۲)

''سب سے اچھے گواہ وہ ہیں جو سوال کئے جانے سے بھی پہلے گواہی دے دیں۔''

اسی طرح ایک اور آیت ہے:

وَ اسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَ أَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ۔(۳)

'' اور بنا لو گواہ دو آدمیوں کو تم میں سے اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ بنانا پسند کرو''۔

اسی طرح یہ آیت ہے:

وَ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔(۴)

'' دو عادل آدمیوں کو گواہ بنالو''۔

اسی طرح یہ آیت ہے:

وَاَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ۔(۵)

''اور جب خرید وفروخت کرو تو گواہ بنا لو۔''

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۸۳

(۲) ابن ماجہ، السنن، ۲: ۷۹۲، کتاب الاحکام، رقم: ۲۳۶۴

(۳) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۸۲

(۴) القرآن، الطلاق، ۶۵: ۲

(۵) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۸۲

وہ مسائل جن میں صرف عورت ہی کی گواہی معتبر ہے

وہ مسائل جن سے مرد آگاہ نہیں ہو سکتے ان میں صرف عورت ہی کی گواہی معتبر ہوگی چاہے گواہی دینے والی ایک ہی عورت ہو:

تجوز شهادة المراة الواحد فيما لا يطلع عليه الرجال۔(۱)

''جن امور سے مرد مطلع نہیں ہوسکتے ان میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہوگی۔''

تجوز شهادة المرأة الواحدة في الرضاع۔ (۲)

''بچے کی رضاعت میں ایک عورت کی گواہی بھی معتبر ہے۔''

و يقبل في الولادة والبكارة والعيوب بالنساء في موضعٍ لا يطلع عليه الرجال شهادة امراة واحد ۔(۳)

''ولادت اورعورتوں کے وہ معاملات جن سے مرد آگاہ نہیں ہوسکتے وہاں ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی۔''

ہم یہاں ان معاملات اور مسائل کو بیان کریں گے جن میں مردوں کی گواہی معتبر نہیں، بلکہ صرف عورت کی گواہی معتبر ہے ان مسائل میں علماء کا اتفاق ہے اورکوئی اختلافی رائے نہیں پائی جاتی:

(۱) ولادت اور بچے کے رونے پر گواہی

اگر بچہ کی ولادت اور بچے کے رونے کے مسئلے میں کوئی نزاع واقع ہو جائے تو یہاں صرف عورت کی گواہی معتبر ہو گی مرد کی نہیں۔ اس لئے کہ یہ ان اُمور میں سے ہے جن پر اکثر اوقات مرد مطلع نہیں ہو سکتے۔ اس معاملے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے دائی کی تنہا گواہی جائز قرار دی ہے۔

(۲) رضاعت

اسی طرح اگر رضاعت کے معاملے پر اختلاف ہو جائے اور معاملہ قاضی تک پہنچ

(۱) عبدالرزاق، المصنف، ۷: ۴۸۴، رقم: ۱۳۹۷۸

(۲) عبدالرزاق، المصنف، ۸: ۳۳۵، رقم: ۱۵۴۰۶

(۳) مرغینانی، ہدایۃ، ۲: ۱۵۴

جائے تو عورت کو یہ حق ہے کہ وہ گواہی دے کیونکہ یہ وہ مسئلہ ہے جو عورت کے ساتھ خاص ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام احمدؒ کا موقف ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کی تنہا گواہی قبول کی جائے گی۔ اس لئے کہ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عقبہ بن حارث نے اُمِ یحییٰ بنت ابی اہاب سے نکاح کیا۔ تو سوداء لونڈی نے آ کر کہا کہ تم دونوں کو میں نے دودھ پلایا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُنہوں نے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كيف و قد قيل ففارقها و نكحت زوجا غيره۔(۱)

’’نکاح کیسے (قائم رہ سکتا ہے) اور گواہی دیدی گئی ہے۔ تو عقبہ نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور بنت ابی اہاب نے کسی اور سے نکاح کر لیا۔‘‘

(۳) ماہواری پر گواہی

ماہواری (حیض) کے کسی بھی اختلاف پر بھی گواہی عورت ہی دے سکتی ہے۔

اسلام میں عورتوں کے حقوق اور عزت و احترام کے اس تذکرے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ انسانی تہذیب کے اس مرحلے پر جب عورت کو جانوروں سے بھی بدتر تصور کیا جاتا تھا اور کسی عزت و تکریم کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو وہ حقوق عطا فرمائے جس سے اسے تقدس اور احترام پر مبنی سماجی و معاشرتی مقام نصیب ہوا۔ اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی یہ صرف اسلام کا عطا کردہ ضابطہ حیات ہے جہاں عورت کو تکریم اور بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت میسر آ سکتی ہے۔

۷۔ عورت کے سیاسی حقوق

i۔ عورت کا ریاستی کردار

اسلام میں عورت کا کردار صرف خاندان یا معاشرے تک ہی محدود نہیں بلکہ اہلیت کی بنیاد پر عورت کو ریاستی سطح پر بھی کردار دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں مسلم معاشرے

---

(۱) بخاری، الصحیح، ۲: ۹۳۴، رقم: ۲۴۹۷

میں ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہوئے مرد و خواتین دونوں کو برابر اہمیت دی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (۱)

''اور اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں، وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجا لاتے ہیں، ان لوگوں پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا، بیشک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے○''

اس آیت مبارکہ میں خواتین اور مردوں کو ایک دوسرے کا اس طرح مددگار ٹھہرایا گیا ہے کہ:

(الف) سماجی و معاشرتی دائرہ میں معروف کے قیام اور منکر کے خاتمے

(ب) مذہبی دائرہ میں اِقامتِ صلوٰۃ

(ج) اقتصادی دائرہ میں نظام زکوۃ کے قیام

(د) سیاسی دائرہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی اطاعت کے ذریعے ایک مثالی اسلامی معاشرہ تشکیل دیں۔

ii۔ رائے دہی کا حق

اسلام نے عورت کو ایک مکمل قانونی فرد تسلیم کرتے ہوئے سربراہ کے چناؤ، قانون سازی اور دیگر ریاستی معاملات میں مردوں کے برابر رائے دہی کا حق دیا ہے۔ عورتوں کو حق رائے دہی دینے کی انسانی، معاشرتی اور تہذیبی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہی ہوسکتا ہے جب ہم عورت کے اس حق کے عالمی سطح پر اعتراف کی تاریخ کا جائزہ لیں۔

(۱) القرآن، التوبہ، ۹: ۷۱

آج کا جدید معاشرہ صدیوں کی جدوجہد اور نسلی و جنسی امتیاز کی کشمکش سے گزرنے کے بعد انسانی رائے کے تقدس کے شعور کی منزل تک پہنچا ہے۔ قبل اس کے کہ صدیوں پہلے عورت کو اسلام کے عطا کردہ حقِ رائے دہی کی تفصیل بیان کی جائے۔ انسانی تکریم و تقدیس کے پیش نظر ہم جدید دنیا میں عورت کے حق رائے دہی کے اعتراف کی تاریخ کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں:

i۔ برطانیہ میں عورت کا حقِ رائے دہی

برطانیہ میں عورت کے حق رائے دہی کے لیے جدو جہد کا آغاز 1897ء میں Millicent Fawcett نے National Union of Women's Sufferage کے قیام سے کیا۔ یہ تحریک اس وقت زیادہ زور پکڑ گئی جب 1903 میں Emmeline Pankhurst نے Women's Social and Political Union بنائی اور یہ یونین بعد میں Suffragettes کے نام سے مشہور ہوئی۔

برطانیہ کے House of Commons نے 1918ء میں 55 کے مقابلہ میں 385 ووٹوں کی اکثریت سے Representation of People Act پاس کیا جس کے مطابق 30 سال سے زائد عمر کی خواتین کو ووٹ ڈالنے کا حق دیا گیا۔ اگرچہ یہ خواتین کے حق رائے دہی کے اعتراف کا نقطۂ آغاز تھا مگر ابھی عورتوں کو مردوں کے برابر مقام نہیں دیا گیا تھا کیونکہ عام مردوں کے لیے حق رائے دہی کی اہلیت 21 سال اور مسلح افواج کے لئے 19 سال تھی۔

ii۔ امریکہ میں عورت کا حقِ رائے دہی

امریکہ میں 4 جولائی 1776ء کا اعلان آزادی (The Declaration of Indepedence) جدید جمہوری معاشرے کے قیام کی خشتِ اول سمجھا جاتا ہے مگر اس میں بھی عورت کو بنیادی انسانی حقوق کے قابل نہیں سمجھا گیا۔

Richard N. Current کے مطابق نو آبادیاتی معاشرے کی عورت ہر طرح کے حق سے محروم تھی:۔

In colonial society...a married woman had had

virtually no rights at all... The Revolution did little to change [this]. (1)

’’نوآبادیاتی معاشرے میں ایک شادی شدہ عورت کے کوئی حقوق نہ تھے اور نہ ہی انقلاب آزادی سے اس میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔‘‘

اسی طرح جب جیفرسن (Jefferson) نے اعلان آزادی میں The people کا لفظ استعمال کیا تو اس سے مراد صرف سفید فام آزاد مرد تھے۔(۲)

اور آج دوصدیوں بعد بھی امریکہ میں عورت مساوی آزادی و مساوات کے لئے مصروف جدوجہد ہے(۳)، کیونکہ:

The Declaration...refers to "men" or "him," not to women. (4)

جان بلم کے الفاظ میں:

[Early American men] would not accept them as equals. (5)

یہی وجہ ہے کہ 1848ء میں Seneca Falls میں ہونے والے تاریخی New York Women's Right Convention کے لیے Declaration of Sentiments لکھتے ہوئے Elizabeth Cady Stanton نے اس بات پر زور دیا کہ اعلان آزادی میں عورت کے نجی اور عمومی مطالبے بھی شامل کیے جائیں۔(۶)

---

(1) Richard N. Current et al., American History: A Survey, 7th ed. (New York: Knopf, 1987), 142.
(2) Lorna C. Mason et al., History of the United States, vol. 1: Beginnings to 1877 (Boston: Houghton Mifflin, 1992), 188.
(3) Milton C. Cummings and David Wise, Democracy Under Pressure: An Introduction to the American Political System, 7th ed. (Fort Worth: Harcourt Brace, 1993), 45.
(4) James MacGregor Burns et al., Government by the People, 15th ed. (Englewood Cliffs: Prentice Hall, 1993), 117.
(5) John M. Blum et al., The National Experience: A History of the United States, 8th ed. (Ft. Worth: Harcourt, 1993), 266.
(6) Kerber, Women of the Republic: Intellect and Ideology in Revolutionary America (Chapel Hill: University of North Carolina Press, 1980), xii.

انیسویں صدی کی امریکہ کی عورتوں کے حقوق کی علم بردار Susan B. Anthony کو 1872ء میں صدارتی الیکشن میں ووٹ ڈالنے پر گرفتار کر لیا گیا اور ایک سو ڈالر کا جرمانہ کیا گیا کیونکہ اسے قانونی طور پر حق رائے دہی حاصل نہیں تھا۔

Susan B. Anthony نے امریکی آئین کے دیباچہ کے درج ذیل مندرجات کی روشنی میں یہ موقف اختیار کیا کہ آئین کی رو سے عورت بھی ایک فرد ہے جسے تمام آئینی حقوق حاصل ہونے چاہئیں:

"We, the people of the United States, in order to form a more perfect union, establish justice, insure domestic tranquillity, provide for the common defense, promote the general welfare, and secure the blessings of liberty to ourselves and our posterity, do ordain and establish this Constitution for the United States of America."

''ہم متحدہ ریاستوں کے عوام ریاستہائے متحدہ امریکہ کے آئین کی تشکیل اور نفاذ کرتے ہیں تاکہ زیادہ مکمل یونین تشکیل دی جا سکے، انصاف قائم ہو، داخلی امن و استحکام یقینی بنایا جائے، مشترکہ دفاع مہیا ہو، فلاح عامہ کا فروغ ہو اور اپنے لیے اور آنے والی نسلوں کے لیے آزادی کی نعمت کا تحفظ کیا جائے۔''

4 جون 1919ء کو امریکی کانگرس اور سینٹ نے امریکی آئین کا 19واں ترمیمی بل منظور کیا جس میں یہ قرار پایا:

Article IXX: "The right of citizens of the United States to vote shall not be denied or abridged by the United States or by any State on account of sex."

''آرٹیکل 19: کوئی ریاست یا متحدہ ریاستیں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے شہریوں کا حق رائے دہی جنس کی بنیاد پر ختم نہیں کریں گی۔''

امریکہ میں خواتین کو 1920ء تک رائے دہی کا حق حاصل نہ تھا، جب انیسویں آئینی ترمیم منظور ہوئی جس کے تحت یہ حق دیا گیا۔

iii۔فرانس میں عورت کا حقِ رائے دہی

7فروری1848ء میں فرانس کی عبوری حکومت نے نئی جمہوریہ کے لیے درج ذیل تین حقوق کا لازمی اعتراف کیا:

۱۔عمومی حق رائے دہی(Universal Sufferage)

۲۔تعلیم(Education)

۳۔روزگار(Employment)

مگر اس کے باوجود مساوی آئینی مقام حاصل کرنے کے لیے عورتوں کو کم و بیش 100 سال جدوجہد کرنا پڑی تا آنکہ 1944 میں عورتوں کوحق رائے دہی دیا گیا۔

iv۔آسٹریلیا میں عورت کا حقِ رائے دہی

آسٹریلیا میں ملک گیر سطح پر خواتین کو رائے دہی کا حق 1926ء میں دیا گیا جبکہ آسٹریلوی پارلیمنٹ کے انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے والی پہلی خاتون Edith Cowan تھی جو مغربی آسٹریلیا کی قانون ساز اسمبلی کی 1921 ء میں رکن منتخب ہوئی۔آسٹریلیا میں خواتین کو بتدریج حق رائے دہی ملنے کی تاریخ درج ذیل ہے:

آسٹریلیا میں عورتوں کے سیاسی حقوق:

State	Right to Vote	Right To Sit	First Woman Elected
South Australia	1894	1894	1959
Western Australia	1899	1920	1921
Commonwealth	1902	1902	1943
New South Wales	1902	1918 LA 1926 LC	1925 LA 1931 LC
Tasmania	1903	1921	1948
Queensland	1905	1918	1929
Victoria	1908	1923	1933

عورتوں کو سب سے پہلے حق رائے دہی دینے والا ملک نیوزی لینڈ تھا جس نے 1893ء میں یہ حق تفویض کیا۔

دیگر ممالک میں خواتین کے سیاسی حقوق:

Country	Right to Vote	Right to Sit	First Woman Elected
New Zealand	1893	1919	1933
Australia	1902	1902	1943
Finland	1906	1906	1907
Norway	1907/1913	1907/1913	1936
Denmark	1915	1915	1918
UK	1918/1928	1918	1918
Germany	1918	1918	1919
Czechoslovakia	1918	1918	1920
Austria	1919	1919	1919
Canada	1919	1919	1921
Netherlands	1919	1917	1918

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ آج کی جدید دنیا میں عورت کو حق رائے دہی طویل جدوجہد کے بعد بیسویں صدی میں حاصل ہوسکا جس کی مزید تائید دنیا کے ۱۴۴ ممالک میں عورت کو ملنے والے حق رائے دہی کی درج ذیل تفصیل سے ہوتی ہے:

HDI Rank	Country	Year women received right to vote
1	Norway	1907, 1913
2	Iceland	1915
3	Sweden	1861,1921
4	Australia	1902, 1962
5	Netherlands	1919
6	Belgium	1919, 1948
7	United States	1920, 1960
8	Canada	1917, 1950
9	Japan	1945, 1947
10	Switzerland	1971
11	Denmark	1915
12	Ireland	1918, 1928

13	United Kingdom	1918, 1928
14	Finland	1906
15	Luxembourg	1919
16	Austria	1918
17	France	1944
18	Germany	1918
19	Spain	1931
20	New Zealand	1893
21	Italy	1945
22	Israel	1948
23	Portugal	1931, 1976
24	Greece	1927, 1952
25	Cyprus	1960
26	Barbados	1950
27	Singapore	1947
28	Slovenia	1945
29	Korea, Rep. of	1948
30	Czech Republic	1920
31	Malta	1947
32	Argentina	1947
33	Poland	1918
34	Seychelles	1948
35	Hungary	1918
36	Slovakia	1920
37	Uruguay	1932
38	Estonia	1918
39	Costa Rica	1949
40	Chile	1931, 1949
41	Lithuania	1921
42	Croatia	1945
43	Bahamas	1961, 1964
44	Latvia	1918
45	Saint Kitts and Nevis	1951

46	Cuba	1934
47	Belarus	1919
48	Trinidad and Tobago	1946
49	Mexico	1947
50	Antigua and Barbuda	1951
51	Bulgaria	1937
52	Panama	1941, 1946
53	Macedonia, TFYR	1946
54	Libyan Arab Jamahiriya	1964
55	Mauritius	1956
56	Russian Federation	1918
57	Colombia	1954
58	Brazil	1934
59	Belize	1954
60	Dominica	1951
61	Venezuela	1946
62	Samoa (Western)	1990
63	Saint Lucia	1924
64	Romania	1929, 1946
65	Thailand	1932
66	Ukraine	1919
67	Suriname	1948
68	Jamaica	1944
69	St. Vincent & Grenadines	1951
70	Fiji	1963
71	Peru	1955
72	Paraguay	1961
73	Philippines	1937
74	Maldives	1932
75	Turkmenistan	1927
76	Georgia	1918, 1921
77	Guyana	1953
78	Grenada	1951

79	Dominican Republic	1942
80	Albania	1920
81	Ecuador	1929, 1967
82	Sri Lanka	1931
83	Armenia	1921
84	Cape Verde	1975
85	China	1949
86	El Salvador	1939
87	Algeria	1962
88	Moldova, Rep. of	1978, 1993
89	Viet Nam	1946
90	South Africa	1930, 1994
91	Bolivia	1938, 1952
92	Honduras	1955
93	Equatorial Guinea	1963
94	Mongolia	1924
95	Gabon	1956
96	Guatemala	1946
97	Nicaragua	1955
98	Solomon Islands	1974
99	Namibia	1989
100	Botswana	1965
101	India	1950
102	Vanuatu	1975, 1980
103	Ghana	1954
104	Cambodia	1955
105	Myanmar	1935
106	Papua New Guinea	1964
107	Swaziland	1968
108	Comoros	1956
109	Lao People's Dem. Rep.	1958
110	Bhutan	1953
111	Lesotho	1965

112	Congo	1963
113	Togo	1945
114	Cameroon	1946
115	Nepal	1951
116	Zimbabwe	1957
117	Kenya	1919, 1963
118	Uganda	1962
119	Madagascar	1959
120	Haiti	1950
121	Gambia	1960
122	Nigeria	1958
123	Djibouti	1946
124	Eritrea	1955
125	Senegal	1945
126	Guinea	1958
127	Rwanda	1961
128	Benin	1956
129	Tanzania, U. Rep. of	1959
130	Côte d'Ivoire	1952
131	Malawi	1961
132	Zambia	1962
133	Angola	1975
134	Chad	1958
135	Guinea-Bissau	1977
136	Congo, Dem. Rep. of the	1967
137	Central African Republic	1986
138	Ethiopia	1955
139	Mozambique	1975
140	Burundi	1961
141	Mali	1956
142	Burkina Faso	1958
143	Niger	1948
144	Sierra Leone	1961

Notes:

1. Data refer to the year in which right to vote or stand for election on a universal and equal basis was recognized. Where two years are shown, the first refers to the first partial recognition of the right to vote or stand for election.

Source:

IPU (Inter-Parliamentary Union). 1995. Women in Parliaments 1945-1995: A World Statistical Survey. Geneva and IPU (Inter-Parliamentary Union). 2003. Correspondence on year women received the right to vote and to stand for election and year first woman was elected or appointed to parliament. March. Geneva.

ریاستِ مدینہ میں حقِ رائے دہی

ریاستِ مدینہ کے مقام کے ساتھ ہی حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت مبارکہ سے عورت کے حق رائے دہی کو قانونی بنیاد فراہم فرمائی۔ آپ ﷺ کی اسی سنت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے خلفائے راشدین نے اپنے ادوار میں خواتین کی رائے کی ریاستی معاملات میں شمولیت یقینی بنائی۔ حضور نبی اکرم ﷺ اسلام میں داخل ہونے والے مردوں سے جس طرح بیعت لیتے تھے اسی طرح عورتوں سے بھی بیعت لیتے تھے۔ قرآن حکیم عورتوں کی بیعت سے متعلق فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○(۱)

---

(۱) القرآن، الممتحنہ، ۶۰: ۱۲

’’اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں آپ سے بیعت کریں اس پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی اپنے ہاتھ اور پاؤں کے درمیان اور دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو انہیں بیعت فرما لیا کریں اور ان کے لئے اللہ سے استغفار فرمائیں، بیشک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہےo‘‘

اسی طرح مختلف احادیث میں ہے کہ صحابیات حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتیں:

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

أن رسول اللہ ﷺ كان يمتحن من هاجر إليه من المؤمنات بهذه الآية بقول الله: ﴿يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ﴾ ...... إلى قوله ...... ﴿غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo﴾ قال عروة: قالت عائشة: فمن أقر بهذا الشرط من المؤمنات، قال لها رسول الله ﷺ: قد بايعتك ـ كلاما، ولا والله ما مست يده يد امرأة قط فى المبايعة، ما يبايعهن إلا بقوله: قد بايعتك على ذلك ـ(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۸۵۶، رقم: ۴۶۰۹
۲۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۰۲۵، ۲۰۲۶، رقم: ۴۹۸۳
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۷۰
۴۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴: ۲۷۲، رقم: ۴۱۷۳
۵۔ طبرانی، المعجم الصغیر، ۱: ۳۲۷، رقم: ۵۴۱
۶۔ ابن مندہ، الایمان، ۲: ۵۲۸، رقم: ۴۹۴
۷۔ ابن مندہ، الایمان، ۲: ۵۲۸، رقم: ۴۹۴

←

''جو مسلمان عورتیں آپ ﷺ کی طرف ہجرت کر کے آتیں تو آپ ﷺ آیت ﴿اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں آپ سے بیعت کریں﴾ ...... تا ...... ﴿بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے﴾ کے مطابق اُن کا امتحان لیا کرتے۔ عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ جو مسلمان عورتیں ان شرائط کا اقرار کرتیں تو رسول اللہ ﷺ ان عورتوں سے فرما دیا کرتے کہ میں نے تمہیں بیعت کر لیا۔ اور خدا کی قسم، بیعت کرتے وقت آپ ﷺ کے دست مبارک نے کسی عورت کا ہاتھ قطعاً نہیں چھوا۔ آپ ﷺ کا عورتوں کو بیعت کرنا صرف زبانی کلامی ہوتا کہ فرما دیتے کہ میں نے تمہیں فلاں بات پر بیعت کر لیا ہے۔''

۲۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

بايعنا النبی ﷺ، فقرأ علينا: ﴿أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا﴾ و نهانا عن النياحة، فقبضت امرأة منا يدها، فقالت: فلانة أسعدتنی، و أنا أريد أن أجزيها، فلم يقل شيئا، فذهبت ثم رجعت، فما وفت امرأة إلا أم سليم، و أم العلاء، و ابنة أبی سبرة امرأة معاذ، أو ابنة أبی سبرة، و امرأة معاذ۔(۱)

------ ۸۔ مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی، ۹: ۱۴۳، ۱۴۴

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۶۳۷، رقم: ۶۷۸۹
۲۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۴۴۰، رقم: ۱۲۴۴
۳۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۸۵۶، رقم: ۴۶۱۰
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۶۲
۶۔ عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۶۳۸
۷۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۳۵۴

''ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ سے بیعت کی تو آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ''اور تم اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا'' اور ہمیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ ہم میں سے ایک عورت نے اپنا ہاتھ روک لیا اور عرض گزار ہوئی کہ فلاں عورت نے نوحہ کرنے میں میری مدد کی تھی اور میں اس کا بدلہ اتارنا چاہتی ہوں۔ آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا، وہ چلی گئی اور پھر لوٹ کر آئی۔ یہ باتیں ام سلیم، ام العلاء، ابوسبرہ کی صاحبزادی اور معاذ کی بیوی کے سوا دیگر عورتوں سے پوری طرح نبھائی نہ جاسکیں۔''

آپ ﷺ کی اس سنت مبارکہ پر عمل خلافت راشدہ کے دور میں بھی جاری رہا اور رائے دہی کے معاملات میں خواتین کو بھرپور شمولیت دی گئی۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد جانشین کے انتخاب کے لئے چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو چیف الیکشن کمشنر نامزد کر دیا گیا۔ انہوں نے استصواب عام کے ذریعے مسلسل تین دن گھر گھر جا کر لوگوں کی آراء معلوم کیں جن کے مطابق بھاری اکثریت نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائے جانے کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس الیکشن میں خواتین بھی شامل ہوئیں اور تاریخ میں پہلی بار ایسی مثال قائم کی گئی(۱)، جبکہ آج کے دور دور میں ہم سیاسی معاملات میں عورت کی شمولیت کا سہرا مغرب کے سر رکھتے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے آج سے چودہ سو سال قبل عورت کو رائے حق دہی کا حق عطا کیا۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۶۳۴، ۲۶۳۵، رقم: ۶۷۸۱

۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۴۷

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۳: ۳۵۔ ۳۷

۴۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۲۶، ۲۲۷

iii۔ مقنّنہ (parliament) میں نمائندگی کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ زریں جمہوری اصولوں پر خلفائے راشدین بھی کاربند رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مختلف ریاستی معاملات میں خواتین سے مشاورت کی۔ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں لوگوں کے مسائل سے آگہی کے لئے گھوم رہے تھے کہ ایک گھر سے آپ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے اشعار سنے جس میں وہ اپنے شوہر کی جدائی کا ذکر کر رہی تھی۔ جس کا شوہر جہاد پر جانے کی وجہ سے کافی عرصہ سے گھر سے دور تھا۔ اس معاملہ نے آپ کو پریشان کردیا اور آپ نے واپس آتے ہی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے اس پر مشاورت کی اور ان کے مشورہ سے مجاہدین کے گھر سے دور رہنے کی زیادہ سے زیادہ مدت چار ماہ مقرر فرمائی۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظام خلافت کی تفاصیل سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی مجلس شوریٰ میں خواتین کو بھی نمائندگی حاصل تھی۔ ایک موقع پر جب آپ نے مجلس شوریٰ سے عورتوں کے مہر کی مقدار متعین کرنے پر رائے لی تو مجلس شوریٰ میں موجود ایک عورت نے کہا آپ کو اس کا حق اور اختیار نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ اَرَدْ تُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ○(۲)

’’اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تب بھی اس میں سے کچھ واپس مت لو۔ کیا تم ظلم و دہشت کے ذریعے اور کھلا گناہ کرکے وہ مال (واپس) لوگے ○‘‘

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تجویز واپس لے لی اور فرمایا:

---

(۱) سیوطی، تاریخ الخلفاء: ۱۳۹

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۲۰

امرأة خاصمت عمر فخصمته(۱)

’’ایک عورت نے عمر سے بحث کی اور وہ اُس پر غالب آ گئی۔‘‘

دوسری روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

امراة أصابت و رجل أخطاء۔(۲)

’’عورت نے صحیح بات کی اور مرد نے غلطی۔‘‘

اس واقعہ کی رو سے یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی عوامی جگہ یعنی مارکیٹ، بازار وغیرہ میں ریاستی معاملہ discuss نہیں کر رہے تھے بلکہ یہ مسئلہ پارلیمنٹ میں زیرِغور تھا جس کا مطلب ہے کہ عامۃ الناس کی بجائے منتخب افراد ہی اس عمل مشاورت میں شریک تھے۔ لہٰذا ایک خاتون کا کھڑے ہو کر بل پر اعتراض کرنے سے یہ مفہوم نمایاں طور پر اخذ ہوتا ہے کہ اس دور میں خواتین کو ریاستی معاملات میں شرکت کرنے، حکومت میں شامل ہونے اور اپنی رائے پیش کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ مزید برآں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بل واپس لے لینا اور اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلام میں جنسی امتیاز کے لئے کوئی جگہ نہیں اور مرد و زن کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔

ثانیاً اس واقعہ سے اسلامی ریاست کے آئینی و قانونی معاملات چلانے کے بارے میں بھی ہدایات ملتی ہیں، اسلامی ریاست میں بل پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور پھر ہر رکن پارلیمنٹ اس کے بارے میں اپنی رائے دیتا ہے۔ اگر مخالفت میں دلائل ٹھوس اور مضبوط ہوں تو بل واپس بھی لیا جاتا ہے ورنہ باہمی اتفاق رائے سے وہ بل قانون بنا دیا جاتا ہے، اور دورِ جدید میں یہی طریقہ کار جمہوریت کہلاتا ہے۔

iv۔ عورت بطور سیاسی مشیر

اسلام سے قبل خواتین کو کسی بھی سماجی یا سیاسی کردار کا اہل نہیں سمجھا جاتا تھا۔

---

(۱) عبدالرزاق، المصنف، ۶: ۱۸۰، رقم: ۱۰۴۲۰

(۲) شوکانی، نیل الاوطار، ۶: ۱۷۰

اسلام نے عورت کو سماجی و معاشرتی زندگی میں پر وقار عطا کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت مبارکہ سے خواتین سے مشاورت کی تعلیم دی۔ آغازِ نبوت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا کردار اس کی واضح نظیر ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار مکہ سے معاہدہ کے بعد ظاہری صورت حال کے پیش نظر مغموم تھے، آپ ﷺ نے جب انہیں ارشاد فرمایا:

قوموا فانحروا ثم احلقوا۔(۱)

''کھڑے ہوجاؤ اور قربانی کرو اور بال کٹواؤ۔''

تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔ اس پر آپ ﷺ اپنی قیام گاہ پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان سے مشورہ کیا تو حضرت ام سلمہ نے آپ ﷺ کو مشورہ دیتے ہوئے فرمایا:

یا نبی اللہ: اتحب ذلک ...... اخرج الیھم ثم لا تکلم احدا منھم کلمۃ حتی تنحر بدنک، و تدعو حالقک، فیحلقک فخرج، فلم یکلم احدا منھم حتی فعل ذلک ...... نحر بدنہ و دعا حالقہ فحلقہ، فلما رأوا ذلک قاموا فنحروا، و جعل بعضھم یحلق

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۷۸، رقم: ۲۵۸۱
۲۔ ابوداؤد، السنن، ۳: ۸۵، رقم: ۲۷۶۵
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۳۰
۴۔ عبدالرزاق، المصنف، ۵: ۳۴۰، رقم: ۹۷۲۰
۵۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷: ۳۸۹، رقم: ۳۶۸۵۵
۶۔ ابن جارود، المنتقیٰ: ۱۳۳، رقم: ۵۰۵
۷۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۵: ۲۱۵
۸۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۲۰
۹۔ طبرانی، المعجم، الکبیر، ۲۰: ۱۴، رقم: ۱۳

بعض حتى كاد بعضهم يقتل بعض غما(۱)

''اے نبی اللہ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہ آپ کے حسب حکم قربانی کریں اور سر منڈوائیں ...... (تو پھر) آپ ﷺ ان کی طرف تشریف لے جائیں اور ان میں سے کسی سے بھی گفتگو نہ کریں بلکہ اپنی قربانی کا جانور ذبح فرمائیں۔ اور حجام کو بلائیں جو آپ ﷺ کے بال کاٹے گا۔ اس پر آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے کسی سے کلام نہ فرمایا بلکہ اسی طرح کیا یعنی قربانی کا جانور ذبح کیا اور حجام کو بلایا جس نے آپ ﷺ کے بال کاٹے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو کھڑے ہوگئے اور قربانی کرنے لگے اور ایک دوسرے کے بال بنانے لگے۔ حالانکہ ان کی شدت غم کا یہ عالم تھا کہ گویا ایک دوسرے کو (اس غم سے) قتل کر دیتے۔''

صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ کا ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کرنا صائبۃ الرائے خواتین سے مشاورت کا اصول بیان کرتا ہے۔(۲)

آپ ﷺ کی اس تعلیم پر خلفائے راشدین بھی عمل پیرا رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عسکری خدمات انجام دینے والے افراد کے گھر سے باہر رہنے کی مدت کا تعین ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ سے کیا۔

۷۔ انتظامی ذمہ داریوں پر تقرری کا حق

مسلم معاشرے میں خواتین کو صرف مجلس شوریٰ کی رکنیت کا حق ہی حاصل نہیں تھا بلکہ وہ مختلف انتظامی ذمہ داریوں پر بھی فائز رہیں مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شفا بنت

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۷۸، رقم: ۲۵۸۱
۲۔ عبدالرزاق، المصنف، ۵: ۳۴۰، رقم: ۹۷۲۰
۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۶۳۷
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۱: ۲۲۵، رقم: ۴۸۷۲
۵۔ ابن حزم، الاحکام، ۴: ۴۴۷

(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۲۷۵

عبداللہ عدویہ کو بازار کا نگران مقرر کیا تھا۔ وہ قضاء الحسبہ (Accountability Court) اور قضاء سوق (Market Administration) کی ذمہ دار تھیں۔

شفاء بڑی سمجھ دار اور با صلاحیت خاتون تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی رائے کو مقدم رکھتے تھے اور پسند فرمایا کرتے تھے اور دوسروں پر فضیلت دیتے تھے۔(۱)

حضرت سمراء بنت نہیک اسدیہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کا زمانہ مبارک پایا تھا اور کافی عمر رسیدہ تھیں۔ وہ جب بازار میں سے گزرتیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی تھیں۔ ان کے پاس ایک کوڑا تھا جس سے ان لوگوں کو مارتی تھیں جو کسی برے کام میں مشغول ہوتے۔(۲)

vi۔ سفارتی مناصب پر فائز ہونے کا حق

ریاستی معاملات میں عورت کے کردار پر اسلام کے اعتماد کا نتیجہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ۲۸ھ میں حضرت اُم کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما کو ملکہ روم کے دربار میں سفارتی مشن پر بھیجا۔

بعثت أم كلثوم بنت عليّ بن أبي طالب إلى ملكة الروم بطيب و مشارب واحفاش من احفاش النساء ...... وجاءت امرأة هرقل و جمعت نساءها و قالت: هذه هدية امرأة ملك العرب و بنت نبيهم۔(۳)

’’حضرت اُم کلثوم بنت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہما کو روم کی ملکہ کی طرف خوشبو، مشروبات اور عورتوں کے سامان رکھنے کے صندوقچے دے کر بھیجا گیا۔ ...... آپ کے اِستقبال کے لیے ہرقل کی زوجہ آئی اور اس نے (روم کی)

(۱) ۱۔ ابن حزم، المحلی، ۹: ۴۲۹

۲۔ ابن عبد البر، الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ۴: ۳۴۱

(۲) ابن عبد البر، الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ۴: ۳۳۵

(۳) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۶۰۱

خواتین کو جمع کیا اور کہا: یہ تحفے عرب کے بادشاہ کی بیوی اور ان کے نبی کی بیٹی لے کر آئی ہیں۔‘‘

اس طرح آپ نے سفارتی مناصب پر عورتوں کی تقرری کی نظیر قائم فرمائی۔

vii۔ ریاست کی دفاعی ذمہ داریوں میں نمائندگی کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارک میں عورتیں جہاد میں برابر حصہ لیتی تھیں۔ آپ ﷺ نے عورتوں کو جہاد میں حصہ لینے کی حوصلہ افزائی فرمائی، عورتوں کی یہ حیثیت اسلامی معاشرے میں ان کے فعال کردار اور نمایاں مقام کا مظہر ہے:

عن انس قال: دخل رسول الله ﷺ على ابنة ملحان فاتكأ عندها، ثم ضحك، فقالت: لم تضحك يا رسول الله؟ فقال: ناس من امتى يركبون البحر الأخضر فى سبيل الله، مثلهم مثل الملوك على الاسرة۔ فقالت: يا رسول الله، ادع الله ان يجعلنى منهم۔ قال: اللهم اجعلها منهم، ثم عاد فضحك فقالت له مثل أو ممّ ذلك؟ فقال لها مثل ذلك، فقالت: ادع الله ان يجعلنى منهم ۔ قال: انت من الاولين ولست من الاخرين ۔ قال انس: فتروجت عبادة بن الصامت فركبت البحر مع بنت قرظة، فلما قفلت، ركبت دآبتها فوقصت بها فسقطت عنها فماتت۔(۱)

’’حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے گھر جلوہ افروز ہوئے تو ٹیک لگائی اور سو گئے پھر ہنسے تو انہوں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا ہے؟ فرمایا، میری امت کے کچھ افراد راہ خدا میں اس سبز سمندر پر سواری کر رہے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھتے ہیں۔عرض گزار ہوئیں: یا رسول اللہ! دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ

(۱) بخاری، الصحیح،۳: ۱۰۵۵، رقم: ۲۷۲۲

مجھے ان میں شمار فرما لے۔ آپ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! اسے ان میں شامل فرما لے۔ آپ ﷺ پھر سو گئے اور پھر ہنسے اور پھر اسی طرح پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے پہلے کی طرح جواب دیا۔ انہوں نے التجا کی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے، مجھے اس گروہ میں شامل فرما لے۔ فرمایا تمہارا شمار پہلے گروہ میں ہے نہ کہ دوسرے میں، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد انہوں نے حضرت عبادہ بن صامت سے نکاح کر لیا پھر یہ (حضرت معاویہ کی بیوی) بنت قرظہ کے ہمراہ بحری سفر پر نکلیں جب واپس لوٹیں تو اپنے جانور پر سوار ہونے لگیں لیکن اس سے گر پڑیں اور جاں بحق ہو گئیں۔''

عن انس قال: لما كان يوم احد انهزم الناس عن النبی ﷺ قال: ولقد رأيت عائشة بنت ابی بكر و ام سليم و انهما لمشمرتان، اری خدم سوقهما، تنقزان القرب و قال غيره: تنقلان القرب علی متونهما، ثم تفرغانه فی أفواه القوم ثم ترجعان فتملآنها ثم تجيئان فتفرغانها فی افواه القوم۔(۱)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب جنگ احد میں لوگ حضور نبی اکرم ﷺ سے دور ہو گئے تو میں نے حضرت عائشہ بنت ابوبکر اور حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ دونوں نے اپنے دامن سمیٹے ہوئے ہیں اور میں ان کے پیروں کی پازیب دیکھ رہا تھا دونوں اپنی پیٹھ پر پانی کی مشکیں لاتیں اور پیاسے مسلمانوں کو پلاتی تھیں پھر لوٹ جاتیں اور مشکیزے بھر کر لاتیں اور پیاسے مسلمانوں کو پلاتیں۔''

قال ثعلبة بن ابی مالك: ان عمر ابن الخطاب قسم مروطا بين نساء من نساء المدينة فبقی مرط جيد، فقال له بعض من عنده: يا أمير المومنين اعط هذا ابنة رسول اللہ ﷺ التی عندك يريدون

(۱) بخاری، الصحیح، ۳:۱۰۵۵، رقم: ۲۷۲۴

ام کلثوم بنت علی، فقال عمر: اُم سلیط احق و ام سلیط من نساء الانصار ممن بایع رسول اللهﷺ قال عمر: فانها کانت تزفر لنا القرب یوم احد۔(۱)

’’ثعلبہ بن ابو مالک روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی مستورات میں کچھ چادریں تقسیم کی تھیں۔ ایک عمدہ چادر باقی بچی رہی۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا اے امیرالمومنین! یہ رسول اللہ ﷺ کی اس صاحبزادی کو دے دیجئے جو آپ کے حرم میں ہے۔ ان کی مراد ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما سے تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ام سلیط زیادہ حقدار ہیں اور ام سلیط انصار کی ان عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اور یہ اس لئے بھی زیادہ حقدار ہیں کہ جنگ احد میں ہمارے لئے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں۔‘‘

عن انس قال کان رسول اللہ ﷺ یغزوبأم سلیم و نسوۃ معھا من الانصار یسقین المآء ویدا وین الجرحی۔(۲)

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اُم سلیم اور کچھ انصاری خواتین کے ہمراہ جہاد فرماتے تھے یہ خواتین پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔‘‘

عن ام عطیۃ قالت غزوت مع رسول اللہ ﷺ سبع غزوات اخلفھم فی رحالھم فاصنع لھم الطعام و اداوی الجرحی و اقوم علی المرضی۔(۳)

---

(۱) بخاری، الصحیح، ۳:۱۰۵۶، رقم: ۲۷۲۵

(۲) ۱۔ترمذی، السنن، ۴:۱۳۹، رقم: ۱۵۷۵

۲۔ ابوداؤد، السنن، ۳:۱۸، رقم: ۲۵۳۱

۳۔ابن حبان، الصحیح، ۱۱:۲۶، رقم: ۴۷۲۳

(۳) مسلم، الصحیح، ۳:۱۴۴۷، رقم: ۱۸۱۲

''حضرت اُم عطیہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات جہاد کیے میں غازیوں کی منزلوں میں ان کے پیچھے رہتی تھی ان کے لئے کھانا پکاتی تھی زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھی اور بیماروں کے علاج کا انتظام کرتی تھی۔''

حضور اکرم ﷺ کے دور مبارک میں ایسی خواتین کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے بے مثال عسکری خدمات انجام دیں حضرت عائشہؓ اور حضرت نسیبہ بنت کعب نے غزوہ احد میں شرکت کی، صفیہ بنت عبدالمطلب نے غزوہ خیبر میں یہودی کو قتل کیا۔ ازرہ بنت الحارث نے اہل بیسان کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا۔ ام عطیہ الانصاریہ نے آپ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی۔ ام حکیم بنت الحارث روم کے خلاف معرکے میں شریک تھیں۔ یہی نہیں، کتب تاریخ بے شمار دیگر خواتین کے عسکری کردار کا تذکرہ بھی پیش کرتی ہیں۔(۱)

viii۔ عورت کا حقِ اَمان دہی

عورت کے ریاستی کردار کا نمایاں اظہار اسے آپ ﷺ کی طرف سے عطا کردہ حق امان دہی سے بھی ہوتا ہے۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوالعاص بن الربیع کو امان دی جسے آپ ﷺ نے برقرار رکھا۔(۲)

۲۔ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب نے اپنے دیوروں میں سے دو اشخاص کو امان دی اور رسول اکرم ﷺ نے ان کی امان کو بھی برقرار رکھتے ہوئے فرمایا:

قد أمّنا من أمّنت۔(۳)

---

(۱) ۱۔ واقدی، المغازی، ۲: ۵۷۴

۲۔ بیہقی، دلائل النبوۃ، ۲: ۱۲۷

۳۔ بلازری، انساب الاشراف، ۱: ۳۲۶

(۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱: ۶۵۷

(۳) ۱۔ ترمذی، السنن، ۴: ۱۴۱، رقم: ۱۵۷۹

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۳۴۱، رقم: ۲۶۹۳۶

’’(اے اُم ہانی!) جس کو تم نے امان دی اس کو ہم نے بھی امان دی۔‘‘

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إن المرأة تأخذ للقوم، يعني تجير على المسلمين(۱)

’’عورت پوری قوم کے لئے امان دے سکتی ہے یعنی مسلمانوں کی طرف سے امان دے سکتی ہے۔‘‘

۴۔ عورت کی امان کا صحیح ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں ایک عام بات تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

إن كانت المرأة لتجير على المؤمنين فيجوز(۲)

’’اگر کوئی عورت (مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف بھی) کسی کو امان دے دے تو جائز ہے۔‘‘

ix۔ مسلم معاشرے میں عورت کا کردار

یہ عورت کو اسلام کی عطا کردہ عزت اور تکریم ہی تھی جس سے وہ معاشرے کا ایک موثر اور باوقار حصہ بن گئی اور اس نے زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ سیاسی و انتظامی اور سفارتی کردار کے علاوہ تعلیم و فن کے میدان میں بھی عورتیں نمایاں مقام کی حامل تھیں۔ روایتِ حدیث، قرات و کتابت، شعر و ادب اور دیگر علوم وفنون میں بھی بے شمار خواتین مہارت اور سند کا درجہ رکھتی تھیں[۳]، جن سے کچھ کا ذکر ذیل میں دیا گیا ہے:

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، ۴:۱۴۱، رقم: ۱۵۷۹

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۶۵

(۲) ابوداؤد، السنن، ۳: ۸۴، رقم: ۲۷۶۴

(۳) ۱۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۴: ۲۶۰

۲۔ ابن عبد البر، الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ، ۴: ۳۳۵

نمبر شمار	نام	کردار شہرت
۱۔	اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	روایتِ حدیث، فقہ و قانون، تاریخ، علم الانساب، شعر، طب، علم نجوم
۲۔	اسماء بنت ابی بکر	روایتِ حدیث
۳۔	اُم عبد اللہ بن زبیر	روایتِ حدیث
۴۔	شفاء العدویہ	قرات و کتابت کی ماہر، ام المومنین حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کی (قبل از شادی) معلّمہ
۵۔	عائشہ بنت طلحہ	شعر و ادب، نجوم، علم الافلاک کی ماہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شاگرد و بھانجی
۶۔	سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہما	شعر و ادب کی ماہرہ
۷۔	ولادہ بنت سنکی الیادی	شعر و ادب کی ماہرہ
۸۔	علیہ بنت مہدی	شعر و ادب کی ماہرہ
۹۔	حمرہ بنت زیادت	شعر و ادب کی ماہرہ
۱۰۔	خنساء	شعر و ادب کی ماہرہ
۱۱۔	عائشہ الباعونیہ	شعر و ادب کی ماہرہ
۱۲۔	میمونہ بنت سعد	روایتِ حدیث (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت کی ہے)
۱۳۔	کریمہ مروزیہ	روایتِ حدیث، امام بخاری نے ان سے اخذِ حدیث کیا
۱۴۔	ام فضل کریمہ بنت عبد الوہاب	محدثہ، مؤرّخ محمد بن ابی شامہ کی (علم حدیث میں) معلّمہ
۱۵۔	فاطمۃ بنت عباس	عالمہ، فقیہہ، واعظہ، مصر و دمشق میں بڑا اثر تھا
۱۶۔	فاطمۃ حمرانیہ	محدثہ

۱۷۔	اخت مزنی	امام شافعی سے کسبِ علم کیا، مرافعی نے ان سے مسائل زکوٰۃ بیان کئے
۱۸۔	نفیسہ بنت حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب	عالمہ
۱۹۔	ہجیمہ بنت حیّ	تابعین میں سے ہیں، محدثہ، ترمذی و ابن ماجہ نے ان سے روایت کی
۲۰۔	فخر النساء سیدہ شہیدہ (۵ ھ)	ادب اور تاریخ اسلامی کی ماہرہ اور معلّمہ
۲۱۔	سیدہ عائشہ بنت احمد بن قادم اندلسیہ	عالمہ، فاضلہ، ماہر کتابت
۲۲۔	لبنیٰ	لغت ونحو کی عالمہ
۲۳۔	فاطمۃ بنت علی بن حسین بن حمزہ	فقہ حنبلی کی ماہرہ، معاصر علماء نے ان سے قراۃ کی اور سند دارمی کی اجازت لی
۲۴۔	رابعہ قسیسہ عدویہ	واعظہ، حسن بصری نے بھی ان سے استفادہ کیا
۲۵۔	سارہ بنت عمر بن عبدالعزیز	محدثہ
۲۶۔	ام ایمن حبشیہ	عالمہ، فاضلہ
۲۷۔	شفاء بنت عبداللہ عدویۃ	روایت حدیث کی ماہرہ
۲۸۔	درہ بنت ابی لہب	محدثہ، شاعرہ
۲۹۔	فاطمۃ بنت قیس	عالمہ، فقیہہ
۳۰۔	اسماء بنت ابی بکر	علم طب کی ماہرہ
۳۱۔	فریعہ بنت مالک	محدثہ، مجاہدہ
۳۲۔	سلمیٰ بنت قیس انصاریہ	علم طب کی ماہرہ
۳۳۔	زینب بنت ابی سلمہ	محدثہ، فقیہہ، عالمہ
۳۴۔	ام کلثوم بنت عقبہ امویہ	کاتبہ، قاریہ، راویہ و محدثہ
۳۵۔	صفیۃ بنت عبدالمطلب	شاعرہ

۳٦۔	ام سنان اسلمیہ	محدثہ
۳۷۔	ام فضل بنت حارث	محدثہ، راویہ، فقیہہ
۳۸۔	سیدہ شریفہ فاطمہ	یمن، صنعاء و نجران کی والیہ
۳۹۔	شفاء بنت عبداللہ مخزومیہ	حضرت عمر نے انہیں عدالتی ذمہ داری، قضاء الحسبہ (accountability court) اور قضاء السوق (market administration) پر فائز کیا۔
۴۰۔	ام خلیفہ مقتدر	سربراہ محکمہ استیناف (appellant court)، بغداد
۴۱۔	سیدہ اروی بنت احمد بن محمد	5ھ کے اواخر میں یمن کی حاکمہ تھیں، 'الملک الاکرم' کی زوجہ
۴۲۔	سیدہ حنیفہ خانون	سلطان صلاح الدین کی بھتیجی 634ھ میں حلب کی والیہ رہیں
۴۳	80 سے زائد خواتین	محدثات، ابن عساکر نے ان سے روایت کی(۱)

دفاعی اور جنگی مہمات میں حصہ لینے والی نمایاں خواتین درج ذیل ہیں:

نمبر شمار	نام	وجہ شہرت
۱۔	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	غزوہ احد میں شرکت

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۷: ۱۴۴، ۱۴۵
۲۔ مسلم، الصحیح، ۸: ۲۸
۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، رقم: ۲۰۳۸
۴۔ ابن ماجہ، السنن: ۱٦۳۵
۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۸: ۴۵۔ ۴۸
٦۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۲: ۳۳۰
۷۔ بیہقی، دلائل النبوہ، ۵: ۴۱٦، ۴۱۷

←

۲۔	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا	غزوہ احد میں شرکت
۳۔	صفیہ بنت عبد المطلب (حضور ﷺ کی پھوپھی)	غزوہ خیبر میں یہودی کو قتل کیا
۴۔	ام الخیر بنت حریش بارقیہ	جنگی اور دفاعی مہمات میں شرکت
۵۔	زرقاء بنت عدی بن قیس ہمزانیہ	جنگی اور دفاعی مہمات میں شرکت
۶۔	عکرمہ بنت اطرش	جنگی اور دفاعی مہمات میں شرکت
۷۔	اُم سنان بنت حشیمہ بن خرشہ مذحجیہ	جنگی اور دفاعی مہمات میں شرکت
۸۔	ازرہ بنت حارث بن کلدہ	ایک لشکر کی قیادت اور اہل بیسان سے لڑائی
۹۔	ام عطیہ انصاریہ	رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت
۱۰۔	امیہ بنت قیس قفاریہ	غزوہ خیبر میں شرکت
۱۱۔	ام حکیم بنت حارث	روم کے خلاف معرکے میں شرکت
۱۲۔	ام ایمن حبشیہ	غزوہ احد، غزوہ خیبر و حنین، سریہ موتہ میں شرکت

------ ۸۔ بیہقی، دلائل النبوہ، ۶: ۱۸۱، ۱۸۲

۹۔ بیہقی، دلائل النبوہ، ۷: ۱۸۹

۱۰۔ ابن عبد البر، الاستیعاب، ۴: ۲۹۱، ۳۳۳، ۴۴۴

۱۱۔ نووی، تہذیب الاسماء واللغات، ۱: ۱۴۲، ۱۴۳

۱۲۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ، ۵: ۴، ۴۵۰، ۵۴۰

۱۳۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۵: ۷۸

۱۴۔ عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۴: ۲۹۱، ۳۱۱، ۳۳۳

۱۵۔ عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۱۲: ۴۲۱، ۴۲۸، ۴۷۷

۱۶۔ ملا علی قاری، عمدۃ القاری، ۱: ۲۸

۱۷۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ۴: ۲۷۹۔۲۸۱

۱۳۔	ام سلیم بنت ملحان	غزہ خیبر و حنین میں شرکت
۱۴۔	ام حرام بنت ملحان	پہلی بحری مجاہدہ
۱۵۔	حمنہ بنت جحش	غزوہ احد میں شرکت
۱۶۔	اسماء بنت عمرو انصاریہ	حدیبیہ و غزوہ خیبر میں شرکت
۱۷۔	ربیع بنت معوذ انصاریہ	غزوہ بدر میں شرکت
۱۸۔	نسیبہ بنت کعب انصاریہ	غزوہ احد، غزوہ بنی قریظہ، حدیبیہ، غزوہ خیبر، غزوہ حنین و یمامہ میں شرکت
۱۹۔	ام سفیان اسلمیہ	غزوہ تبوک میں شرکت (۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۸: ۴۰۸
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، رقم: ۱۶۴۵
۳۔ واقدی، المغازی، ۱: ۲۴۹، ۲۵۰
۴۔ واقدی، المغازی، ۲: ۵۷۴
۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۸: ۴۱۵
۶۔ بیہقی، دلائل النبوہ، ۲: ۱۲۷
۷۔ ابونعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۲: ۶۴
۸۔ نووی، تہذیب الاسماء واللغات، ۱: ۲۱۲
۹۔ بلاذری، انساب الاشراف، ۱: ۳۲۶
۱۰۔ عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۳۰
۱۱۔ شوکانی، درالسحابہ: ۵۵۶
۱۲۔ قلقشندی، صبح الاعشی، ۱: ۲۴۸۔۲۵۸

باب چہارُم

مختلف طبقاتِ معاشرہ کے حقوق

عمر رسیدہ اَفراد کے حقوق

(Rights of Senior Citizens)

اِسلامی معاشرے میں عمر رسیدہ افراد خصوصی مقام کے حامل ہیں۔ اس کی بنیاد اسلام کی عطا کردہ وہ آفاقی تعلیمات ہیں جن میں عمر رسیدہ اَفراد کو باعثِ برکت و رحمت اور قابلِ عزت و تکریم قرار دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بزرگوں کی عزت و تکریم کی تلقین فرمائی اور بزرگوں کا یہ حق قرار دیا کہ کم عمر اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کا احترام کریں اور ان کے مرتبے کا خیال رکھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا و یؤقر کبیرنا۔(۱)

’’وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔‘‘

i۔ سماجی معاملات میں تکریم کا حق

عام سماجی و معاشرتی معاملات میں بھی آپ ﷺ نے بڑوں کی تکریم کرنے کی تعلیم دی۔ حضرت عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہما خیبر پہنچے تو وہ دونوں باغات میں ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ (دریں اثنا) عبداللہ بن سہل قتل کر دیئے گئے تو عبدالرحمن بن سہل اور مسعود کے بیٹے حویصہ اور محیصہ رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اپنے ساتھی کے معاملہ میں انہوں نے گفتگو کی تو عبدالرحمن نے ابتدا کی جب کہ وہ

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، ۴: ۳۲۱، ۳۲۲، رقم: ۱۹۱۹، ۱۹۲۱

۲۔ ابویعلی، المسند، ۷: ۲۳۸، رقم: ۴۲۴۲

۳۔ ربیع، المسند، ۱: ۲۳۱، رقم: ۵۸۲

سب سے چھوٹے تھے۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کَبِّرِ الْکُبْرَ۔(۱)

''بڑے کے مرتبے اور عزت کا خیال رکھو۔''

ii۔ معمر اَفراد کی تکریم اِجلال اِلٰہی کا حصہ ہے

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن من إجلال الله إكرام ذي الشيبة المسلم، و حامل القرآن غير الغالي فيه، و الجافي عنه، و إكرام ذي السلطان المقسط۔(۲)

''بوڑھے مسلمان کی تعظیم کرنا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا حصہ ہے، اور اسی طرح قرآن مجید کے عالم کی جو اس میں تجاوز نہ کرتا ہو اور اس بادشاہ کی تعظیم جو انصاف کرتا ہو۔''

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۷۵، رقم: ۵۷۹۱
۲۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۲۹۱، رقم: ۱۶۶۹
۳۔ نسائی، السنن، ۸: ۷، رقم: ۴۷۱۲
۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۴: ۲۰۸، رقم: ۶۹۱۵
۵۔ احمد، المسند، ۴: ۱۴۲
۶۔ ابن جارود، المنتقیٰ، ۱: ۲۰۳، رقم: ۸۰۰

(۲) ۱۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۶۱، رقم: ۴۸۴۳
۲۔ بزار، المسند، ۸: ۷۴، رقم: ۳۰۷۰
۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶: ۴۲۱، رقم: ۳۲۵۶۱
۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۶۳
۵۔ طبرانی نے 'المعجم الاوسط (۷: ۲۱، ۲۲، رقم: ۶۷۳۶)' میں اسے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

iii۔ معمر اَفراد کی تکریم عظمتِ رِسالت کا نفاذ ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إن من إجلالی توقیر المشائخ من أمتی۔(۱)

''بے شک میری اُمت کے معمر افراد کی عزت و تکریم میری بزرگی و عظمت سے ہے۔''

iv۔ عمر رسیدہ اَفراد کی تکریم علامتِ اِیمان ہے

معمر افراد کی بزرگی کے باعث انہیں خاص مقام و مرتبہ عطا کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا و یعرف شرف کبیرنا۔(۲)

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ پہچانے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے:

من لم یرحم صغیرنا و یعرف حق کبیرنا فلیس منا۔(۳)

---

(۱) ۱۔ عسقلانی، لسان المیزان، ۶: ۳۰۳
۲۔ ہندی، کنز العمال، ۳: ۱۷۲، رقم: ۶۰۱۳

(۲) ۱۔ ترمذی، السنن، ۴: ۳۲۲، رقم: ۱۹۲۰
۲۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۱: ۶۴، ۶۵، رقم: ۱۷۱

(۳) ۱۔ ابو داؤد، السنن، ۴: ۲۹۶، رقم: ۴۹۴۳
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۲۲
۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۲۱۴، رقم: ۲۵۳۵۹
۴۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۳۱، رقم: ۲۰۹
۵۔ حاکم نے یہ حدیث 'المستدرک (۴: ۱۹۷، رقم: ۷۳۵۳)' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا حقِ (بزرگی) نہیں پہچانتا۔''

v۔ معمر اَفراد کی تکریم ہی صحت مند رِوایت کی اَساس ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما أكرم شاب شيخا لسنه إلا قيض الله له من يكرمه عند سنه(۱)

''جو جوان کسی بوڑھے کی عمر رسیدگی کے باعث اس کی عزت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس جوان کے لیے کسی کو مقرر فرما دیتا ہے جو اس کے بڑھاپے میں اس کی عزت کرے۔''

vi۔ معمر اَفراد کا وجود باعثِ برکت ہے

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

البركة في أكابرنا، فمن لم يرحم صغيرنا و يجل كبيرنا فليس منا۔(۲)

---

(۱) ا۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۳۲۲، رقم: ۲۰۲۲
۲۔ قضاعی، مسند الشہاب، ۲: ۲۰، رقم: ۸۰۲
۳۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۴۶۱، رقم: ۱۰۹۹۳
۴۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۶: ۹۴، رقم: ۵۹۰۳
۵۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۴: ۶۱، رقم: ۶۱۹۱
۶۔ ہندی، کنز العمال، ۳: ۱۷۲، رقم: ۶۰۱۴

(۲) ا۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۲۲۸، رقم: ۷۸۹۵
۲۔ ہندی نے 'کنز العمال (۳: ۱۶۵، رقم: ۵۹۸۲) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
۳۔ عجلونی، کشف الخفاء و مزیل الالباس، ۱: ۳۳۷، رقم: ۹۰۳

''ہمارے بڑوں کی وجہ سے ہی ہم میں خیر و برکت ہے۔ پس وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مهلا عن الله مهلا، فإنه لولا شيوخ ركع، و شباب خشع، و أطفال رُضع، و بهائم رتع، لصب عليكم العذاب صبا.(۱)

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت پر مہلت دی جاتی ہے۔ پس اگر جھکنے والے بوڑھے، عاجز و منکسر نوجوان، شیر خوار بچے، خورد و نوش کی فراوانی کے ساتھ رہنے والے جانور نہ ہوں تو تم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں۔''

vii۔ سہولیاتِ زندگی کی فراہمی میں ترجیح کا حق

وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ج قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ط قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ○ (۲)

''اور جب مدین کے پانی (کے کنویں) پر پہنچے تو انہوں نے اس پر لوگوں کا ایک ہجوم پایا جو (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے تھے اور ان سے الگ ایک

(۱) ۱۔ ابو یعلی، المسند، ۱۱: ۲۸۷، ۵۱۱، رقم: ۶۴۰۲، ۶۶۳۳
۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۳۴۵
۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۷: ۱۳۴، رقم: ۷۰۸۵
۴۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۶: ۶۴
۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۲۷
۶۔ ہندی، کنز العمال، ۳: ۱۶۷، رقم: ۵۹۸۸

(۲) القرآن، القصص، ۲۸: ۲۳

جانب دو عورتیں دیکھیں جو (اپنی بکریوں) کو روکے ہوئے تھیں۔ (موسیٰ نے) فرمایا: تم دونوں اس حال میں کیوں (کھڑی) ہو؟ دونوں بولیں کہ ہم (اپنی بکریوں کو) پانی نہیں پلا سکتیں یہاں تک کہ چرواہے (اپنے مویشیوں کو) واپس لے جائیں اور ہمارے والد عمر رسیدہ بزرگ ہیں٥‘‘

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○(۱)

’’وہ بولے: اے عزیزِ مصر! اس کے والد بڑے معمر بزرگ ہیں آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو پکڑ لیں، بے شک ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں پاتے ہیں٥‘‘

viii۔ برکت اَکابر سے ہے

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ میں ہے:

البركة مع أكابركم۔(۲)

’’تمہارے بڑوں کے ساتھ ہی تم میں خیر و برکت ہے۔‘‘

(۱) القرآن، یوسف، ۱۲: ۷۸

(۲) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۳۱۹، رقم: ۵۵۹

۲۔ قضاعی، مسند الشہاب، ۱: ۵۷، رقم: ۳۶

۳۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۳۱، رقم: ۲۱۰

۴۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۹: ۱۶، رقم: ۸۹۹۱

۵۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۴۶۳، رقم: ۱۱۰۰۴

۶۔ ہیثمی، موارد الظمآن: ۴۷۳، رقم: ۱۹۱۲

۷۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۱۵

۸۔ ہندی، کنز العمال، ۳: ۱۷۲، رقم: ۶۰۱۵

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أبغوني ضعفائكم، فإنما ترزقون و تنصرون بضعفائكم(۱)

''مجھے اپنے ضعیف لوگوں میں تلاش کرو کیونکہ ضعیف لوگوں کے سبب تمہیں رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

استوصوا بالكهول خيرا، و ارحموا الشباب.(۲)

''ادھیڑ عمر کے لوگوں سے بھلائی حاصل کرو اور نوجوانوں پر رحم کرو۔''

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

يا رسول الله! الرجل يكون حامية القوم، أيكون سهمه و سهم غيره سواء؟

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۲۰۶، رقم: ۱۷۰۲
۲۔ ابوداؤد، السنن، ۳: ۳۲، رقم: ۲۵۹۴
۳۔ نسائی، السنن، ۶: ۴۵، رقم ۳۱۷۹
۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۳: ۳۰، رقم: ۴۳۸۸
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۹۸
۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۱: ۸۵، رقم: ۴۷۶۷
۷۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۱۱۶، ۱۵۷، رقم: ۲۵۰۹، ۲۶۴۱
۸۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۳۴۵، رقم: ۶۱۸۱
۹۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۶: ۳۳۱، رقم: ۱۲۶۸۴
۱۰۔ ہیثمی، موارد الظمآن: ۳۹۰، رقم: ۱۶۲۰
۱۱۔ ہندی، کنز العمال، ۳: ۱۷۳، ۱۷۹، رقم: ۶۰۱۹، ۶۰۴۸
(۲) ہندی، کنز العمال، ۳: ۱۷۹، رقم: ۶۰۵۰

’’یا رسول اللہ! جو شخص کسی قوم کا محافظ بن جائے تو کیا اسے اور دوسرے لوگوں کو مالِ غنیمت میں برابر حصہ ملے گا؟‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا:

ثكلتك أمك ابن أم سعد، و هل ترزقون و تنصرون إلا بضعفائكم۔(۱)

’’ام سعد کے بیٹے! تیری ماں تجھے گم کرے، تمہیں تمہارے بوڑھوں کے سبب ہی رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔‘‘

ix۔ اِستطاعت سے زیادہ بوجھ سے اِستثناء کا حق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إذا صلى أحدكم للناس فليخفف، فإن منهم الضعيف و السقيم و الكبير، و إذا صلى أحدكم لنفسه فليطول ما شاء(۲)

---

(۱) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۷۳

۲۔ عبدالرزاق نے ’المصنف (۵: ۳۰۳، رقم: ۹۶۹۱)‘ میں اسے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۲: ۳۶۷، رقم: ۲۲۴۹

۴۔ طبرانی، المعجم الصغیر، ۱: ۹۲، رقم: ۱۲۳

۵۔ ہندی، کنز العمال، ۳: ۱۷۹، رقم: ۶۰۵۱

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۲۴۸، ۲۴۹، رقم: ۶۷۱

۲۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۳۴۱، رقم: ۴۶۷

۳۔ ابو داؤد، السنن، ۱: ۲۱۱، رقم: ۷۹۴

۴۔ مالک، الموطا، ۱: ۱۳۴، رقم: ۳۰۱

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۸۶

’’جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے کیونکہ ان میں کمزور، بیمار، اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں، اور جب تم میں سے کوئی تنہا نماز پڑھے تو جتنا چاہے طول دے۔‘‘

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إن الله عزوجل ليستحيي من ذی الشيبة المسلم، إذا کان مسددا لزوما للسنة أن يسأل الله فلا يعطيه.(۱)

’’بے شک اللہ تعالیٰ ایسے بوڑھے مسلمان کو عطا نہ کرنے سے حیا کرتا ہے جو اِستقامت کے ساتھ سنت پر عمل پیرا ہو اور اللہ سے سوال کرے۔‘‘

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۵: ۲۷۰، رقم: ۵۲۸۶
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱۰: ۱۴۹

بچوں کے حقوق

(Rights of Children)

ا۔ قبل اَز پیدائش حقوق

قبل اَز پیدائش بچہ حالتِ جنین میں ہوتا ہے۔ اِسلام نے بچے کو حقوق عطا کرنے کا آغاز حالتِ جنین سے کیا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

i۔ زندگی کا حق

بچے کی زندگی کا آغاز مرحلہ جنین سے ہوتا ہے۔ اسلام نے اس مرحلے سے بچے کے لئے زندگی کے حق کو قانونی حیثیت عطا کی ہے۔ چونکہ اِستقرارِ حمل کے چار ماہ بعد رحم مادر میں موجود بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے، اِس وقت حمل ضائع کرنا رحمِ مادر میں بچہ کو قتل کرنا ہے جو کہ قتلِ انسانی کے مترادف ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر حاملہ چاہے تو ۱۲۰ دن گزرنے سے پہلے اِسقاطِ حمل کرسکتی ہے:

> ''اِسقاطِ حمل، جب تک اس کی تخلیق نہ ہو جائے جائز ہے، پھر متعدد مقامات پر تصریح ہے کہ تخلیق کا عمل ۱۲۰ دن یعنی چار ماہ کے بعد ہوتا ہے اور تخلیق سے مراد روح پھونکنا ہے۔''(۱)

'فتاویٰ عالمگیری (۱: ۳۳۵)' میں ہے:

المرءة يسعها أن تعالج لإسقاط الحمل ما لم يستبن شئ من خلقه، و ذلك ما لم يتم له مائة و عشرون يوما ۔

---

(۱) ا۔ حصکفی، الدرالمختار، ا: ۷۶

۲۔ ابن ہمام، فتح القدیر، ۳: ۲۷۴

’’عورت حمل گرا سکتی ہے جب تک اس کے اعضاء واضح نہ ہو جائیں اور یہ بات ۱۲۰ دن (چار ماہ) گزرنے سے پہلے ہوتی ہے۔‘‘

علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں:

’’ذخیرہ میں ہے کہ اگر عورت رحم میں نطفہ پہنچنے کے بعد اس کے اخراج کا ارادہ کرے تو فقہاء نے کہا ہے کہ اگر اتنی مدت گزر گئی ہے جس میں روح پھونک دی جاتی ہے تو جائز نہیں۔ اس مدت سے پہلے اخراج کرانے میں مشائخ کا اختلاف ہے اور حدیث کے مطابق یہ مدت چار ماہ ہے۔‘‘(۱)

علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

’’عورت کے لئے حمل ساقط کرانے کی کوشش کرنا مکروہ ہے، اور عذر کی وجہ سے جائز ہے، بشرطیکہ بچہ کی صورت نہ بنی ہو اور اگر اس نے کسی دوا کے ذریعہ سے ناتمام (کچے) بچے کا اِسقاط کرایا تو ماں کے عاقلہ (دودھیال) کی طرف سے بچہ کے وارثوں کو (ایک سال میں) پانچ سو درہم ادا کئے جائیں گے۔‘‘ (۲)

علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں:

’’اور اگر اسقاط کے نتیجہ میں زندہ بچہ نکلا اور پھر مر گیا تو عورت کے عاقلہ پر اس بچہ کی دیت ہے جو تین سال میں ادا کی جائے گی، اور اگر عورت کے عاقلہ نہ ہوں تو عورت کے مال سے ادا کی جائے گی، اور عورت پر (دو ماہ کے مسلسل) روزے فرض ہیں اور عورت اس بچہ کی وارث نہیں ہوگی۔‘‘ (۳)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

’’جب تک تخلیقی عمل (نطفہ میں اَعضاء کی ساخت کا عمل) شروع نہ ہو اِسقاطِ

(۱) ابن عابدین شامی، رد المحتار، ۵: ۳۲۹

(۲) حصکفی، الدر المختار، ۵: ۳۹۷

(۳) ابن عابدین شامی، رد المحتار، ۵: ۳۷۹

حمل جائز ہے۔ پھر فقہاء نے بیان کیا کہ یہ مدت چار ماہ ہے۔ اس تصریح کا یہ تقاضا ہے کہ تخلیقی عمل سے مراد روح کا پھونکا جانا ہو ورنہ یہ غلط ہے کیونکہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ تخلیقی عمل چار ماہ سے پہلے شروع ہو جاتا ہے۔‘‘ (۱)

اگر حمل کے چار ماہ گزر گئے ہوں لیکن حمل برقرار رہنے کی وجہ سے عورت کی ہلاکت یقینی ہو جس کی ماہر ڈاکٹروں نے تصدیق کر دی ہو تو چار ماہ کے بعد بھی اِسقاط حمل جائز ہے بلکہ عورت کی جان بچانے کے لئے ضروری ہے کیونکہ اِسقاط نہ کرانے کی صورت میں بچہ اور ماں دونوں کی ہلاکت کا خطرہ ہے اور پیٹ کا بچہ جس کا جاندار او زندہ ہونا ظنی ہے اس کی بنسبت ماں کی جان جو یقینی اور مشاہد ہے زیادہ اہم ہے۔ اس لئے اس صورت میں اسقاط کرانا واجب ہے۔

لہٰذا رحم مادر میں استقرارِ حمل جب تک ۱۲۰ دن یعنی چار ماہ کا نہ ہو جائے یعنی بچہ کے اندر روح پھونکے جانے سے قبل اِسقاطِ حمل کرانا اگرچہ جائز ہے مگر بلا ضرورت مکروہ ہے، جبکہ چار ماہ کا حمل بطن مادر میں ہو جائے تو اب اسے ضائع کرنا صرف ناجائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

ii۔ وراثت کا حق

فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ماں کے پیٹ میں موجود حمل درج ذیل دو شرائط پوری کرنے کی صورت میں وارث بن سکتا ہے:

۱۔ ترکہ چھوڑنے والے کی موت کے وقت بچہ ماں کے پیٹ میں موجود ہو کیونکہ وارث میت کا خلیفہ ہوتا ہے اور خلیفہ کے لئے موجود رہنا ضروری ہے۔ لہٰذا جب نطفہ صحیح حالت میں رحم میں پایا جائے تو اس پر زندگی کا حکم لاگو ہوگا اور وہ میت کی وراثت میں سے حصہ پائے گا۔

۲۔ وضعِ حمل کے وقت زندہ ہو کیونکہ وارث کا زندہ ہونا شرط ہے، مردہ انسان

(۱) ابن ہمام، فتح القدیر، ۳: ۲۷۴

وارث نہیں بن سکتا۔ قرآن فرماتا ہے:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ۔(۱)

’’اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے۔‘‘

پیدا ہونے والا بچہ بھی اولاد کے زمرے میں آنے کی وجہ سے میت کا وارث ٹھہرے گا اور ترکہ میں سے حصہ پائے گا۔

iii۔ وصیت کا حق

جنین کے لئے ثابت شدہ حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس کے لئے وصیت کی جائے۔ فقہاء کا اجماع ہے کہ جنین اگر زندہ پیدا ہو تو اُس کے لئے وصیت کئے جانے کا حق درست ثابت ہوگا اس شرط کے ساتھ کہ وصیت کئے جانے کے وقت وہ ماں کے پیٹ میں موجود ہو۔ بلکہ بعضوں نے تو یہ بھی کہا ہے کہ اگر جنین وصیت کئے جانے کے وقت ماں کے پیٹ میں نہ ہو تب بھی اس کا حقِ وصیت درست ثابت ہوگا۔(۲)

iv۔ وقف کا حق

جنین کے مالی حقوق میں سے ثابت شدہ تیسرا حق وقف کا ہے۔ حقِ وراثت اور وصیت کی طرح فقہاء نے موجود اور بعد میں پیدا ہونے والی اولاد کا حقِ وقف بھی جائز قرار دیا ہے۔ ابن عابدین شامی ’رد المحتار علی الدر المختار (۴: ۴۷۴)‘ میں لکھتے ہیں:

و قد نصوا على أن الوقف على الأولاد و الذرية، يتناول من وجد بعد مجئ الغلة لأقل من ستة أشهر لتحقق وجوده فی بطن أمه وقت مجئ الغلة فيشارك فی الغلة۔

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۱۱

(۲) ۱۔ کشکی، المیر اث المقارن: ۲۰۶

۲۔ ابو عینین، المیر اث المقارن: ۲۷۴

’’اور فقہاء نے یہ موقف اِختیار کیا ہے کہ اولاد و ذُرّیت کے لیے وقف کر دینا جائز ہے۔ اس (اولاد) میں وہ شامل ہوگا جو غلّہ آنے کے کم از کم چھ ماہ بعد پیدا ہوا ہو یعنی غلّہ آنے کے وقت اس کا وجود ماں پیٹ میں متحقق ہو چکا تھا، سو وہ غلّہ میں شریک ہوگا۔‘‘

لہٰذا اس بناء پر اگر وقف کرنے والا فوت ہو جائے تو وقف شدہ مال جنین کو وراثت میں ملے گا۔

۷۔ تاخیرِ اِقامتِ حد کا حق

جنین کے لئے مذکورہ بالا تین حقوق کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ حاملہ عورت پر وضعِ حمل تک حد قائم کی جائے گی نہ اس سے قصاص لیا جائے گا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أن امرأة من جهينة أتت نبی الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، و هی حبلی من الزنا، فقالت: یا نبی الله! أصبت حدا، فأقمه علیّ۔ فدعا نبی الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولیها، فقال: أحسن إلیها، فإذا وضعت فائتنی بها۔ ففعل، فأمر بها نبی الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فشکت علیها ثیابها، ثم أمر بها فرجمت، ثم صلی علیها، فقال له عمر: تصلی علیها؟ یا نبی الله! و قد زنت! فقال: لقد تابت توبة لو قسمت بین سبعین من أهل المدینة لوسعتهم۔ و هل وجدت توبة أفضل من أن جادت بنفسها لله تعالی؟(۱)

’’قبیلہ جہینہ کی ایک عورت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور وہ

(۱) مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۲۴، رقم: ۱۶۹۶

بدکاری سے حاملہ تھی۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں نے حد لاگو ہونے والا فعل کیا ہے پس مجھ پر حد لگائیے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کے سرپرست کو بلایا اور فرمایا: اِسے اَحسن طریقے سے رکھ (بدکاری کا گناہ کرنے کے باوجود اس کے ساتھ اچھا سلوک کر کیونکہ اس نے اپنے گناہ کا اِقرار کر لیا ہے اور اس پر شرمسار ہے)، جب وہ بچہ جن لے تو اسے میرے پاس لے آنا۔ اس نے ایسا ہی کیا، پھر آپ ﷺ نے اس عورت کے متعلق حکم دیا تو اس کے کپڑے مضبوطی سے باندھ دیے گئے (تاکہ ستر نہ کھلے)، پھر حکم دیا تو اسے سنگسار کیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس پر نمازِ (جنازہ) پڑھی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ اس پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اس نے زنا کیا تھا! آپ ﷺ نے فرمایا: اُس نے توبہ بھی تو ایسی کی ہے کہ اگر اسے مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کیا جائے تو سب کے لیے کافی ہو۔ اور کیا تم نے اس سے بہتر توبہ دیکھی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی جان دے دی۔''

حضرت عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

جاءت الغامدية فقالت: يا رسول الله! إني قد زنيتُ فطهرني۔ و إنه ردها، فلما كان الغد قالت: يا رسول الله! لم تردني؟ لعلك أن تردني كما رددت ماعزا، فو الله! إني لحبلى۔ قال: إما لا، فاذهبي حتى تلدي۔ فلما ولدت أتته بالصبي في خرقة، قالت: هذا قد ولدته۔ قال: اذهبي فأرضعيه حتى تفطميه۔ فلما فطمته أتته بالصبي في يده كسرة خبز، فقالت: هذا، يا نبي الله! قد فطمته، و قد أكل الطعام، فدفع الصبي إلى رجل من المسلمين، ثم أمر بها فحفر لها إلى صدرها، و أمر الناس فرجموها، فيقبل خالد بن الوليد بحجر، فرمى رأسها، فتنضح الدم على وجه

خالد، فسبها، فسمع نبی الله ﷺ سبه إياها، فقال: مهلا! يا خالد! فو الذی نفسی بيده! لقد تابت توبة، لو تابها صاحب مكس لغفر له۔ثم أمر بها فصلی عليها و دفنت۔(۱)

’’قبیلہ غامد کی ایک عورت (بارگاہِ رسالت مآب میں) حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے بدکاری کی ہے، مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے اسے واپس بھیج دیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مجھے کیوں لوٹاتے ہیں، شاید آپ ایسے ہی لوٹانا چاہتے ہیں جیسے ماعز (بن مالک) کو لوٹایا تھا۔ خدا کی قسم! میں تو حاملہ ہوں (پس اب میرے بدکار ہونے میں کیا شک ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا اگر تو نہیں لوٹنا چاہتی تو جا اور وضعِ حمل کے بعد آنا۔ پس جب اس نے بچہ جن لیا تو وہ اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر لے آئی اور عرض کرنے لگی: یہ وہ بچہ ہے جسے میں نے جنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جا اور اسے دودھ پلا یہاں تک کہ تو اسے دودھ چھڑا دے۔ جب اس نے بچہ کا دودھ چھڑا لیا تو بچہ کو لے کر آئی کہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اور یہ کھانا کھانے لگا ہے۔ آپ ﷺ نے وہ بچہ ایک مسلمان کو پرورش کے لیے دے دیا۔ پھر حکم دیا تو اس عورت کے لئے اس کے سینے تک ایک گڑھا کھودا گیا، پھر لوگوں کو اسے سنگ سار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک پتھر لے کر آئے اور اس کے سر پر مارا تو خون کے چھینٹے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے چہرے پر پڑے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسے برا کہا تو یہ برا کہنا حضور نبی اکرم ﷺ نے سن لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار اے خالد! (ایسا مت کہو) قسم خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اس نے تو ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ناجائز محصول لینے والا (جو لوگوں پر

(۱) مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، رقم: ۱۶۹۵

ظلم کرتا ہے اور حقوق العباد میں گرفتار ہوتا ہے اور مسکینوں کو ستاتا ہے) ایسی توبہ کرے تو اس کا گناہ بھی بخش دیا جائے۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا تو اس پر نماز پڑھی گئی اور وہ دفن کی گئی۔‘‘

vi۔ نفقہ کا حق

یہ بھی باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ہونے والے بچہ کا خرچ اٹھائے اگرچہ اس کی ماں کا خرچ اُس پر لازمی نہ ہو۔ اسی طرح حاملہ عورت کی عدت وضعِ حمل ہے تاکہ:

۱۔ بچہ کے نسب کا تحفظ ہو کیونکہ اگر عورت دوسری شادی کرلے تو پیدا ہونے والے بچہ کا نسب خلط ملط ہونے کا اندیشہ ہے۔

۲۔ طلاق یافتہ حاملہ عورت کا نان و نفقہ بھی شوہر پر صرف بچہ کی وجہ سے لازم ہوتا ہے کیونکہ اگر عورت حاملہ نہ ہو اور طلاق ہو جائے تو اُس کی عدت تین ماہواریاں ہیں۔

جنین کا حقِ نفقہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت شدہ ہے:

وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ(۱)

’’اور اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک اُن پر خرچ کرتے رہو۔‘‘

vii۔ فطرانہ کا حق

جنین (پیدا ہونے والے بچہ) کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا بالاتفاق مستحب ہے جبکہ امام احمد سے منسوب ایک قول کے مطابق یہ واجب ہے کہ نومولود و دیگر کی طرح جنین کی طرف سے بھی صدقہ فطر ادا کیا جائے۔(۲)

---

(۱) القرآن، الطلاق، ۶۵:۶

(۲) ۱۔ ابن قدامۃ، المقنع، ۱:۳۳۸

۲۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۴:۱۹۰

۲۔ بعد از پیدائش بچوں کے حقوق

i۔ زندگی کا حق

اِسلام سے پہلے لوگ اپنی اولاد کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔ اِسلام نے اِس قبیح رسم کا خاتمہ کرنے کی بنیاد ڈالی اور ایسا کرنے والوں کو عبرت ناک انجام کی وعید سنائی:

۱۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ط قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ○ (۱)

’’واقعی ایسے لوگ برباد ہو گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو بغیر علم (صحیح) کے (محض) بیوقوفی سے قتل کر ڈالا اور ان (چیزوں) کو جو اللہ نے انہیں (روزی کے طور پر) بخشی تھیں اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے حرام کر ڈالا، بے شک وہ گمراہ ہو گئے اور ہدایت یافتہ نہ ہو سکے ○‘‘

بھوک اور اَفلاس کے خدشہ سے اولاد کے قتل کی ممانعت کرتے ہوئے قرآن حکیم فرماتا ہے:

۲۔ وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ۔ (۲)

’’اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو، ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔‘‘

۳۔ وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا○ (۳)

’’اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل مت کرو، ہم ہی انہیں (بھی) روزی

---

(۱) سورۃ الانعام، ۶: ۱۴۰

(۲) القرآن، الانعام، ۶: ۱۵۱

(۳) القرآن، بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۱

دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے ○‘‘

اِسلام سے قبل بیٹیوں کی پیدائش نہایت برا اور قابل توہین سمجھا جاتا تھا اور انہیں زندہ درگور دفن کر دیا جاتا تھا۔ اِسلام نے اس خیالِ باطل کا ردّ کیا اور بیٹیوں کی پیدائش کو باعث رحمت قرار دیا۔ قرآن حکیم ایک مقام پر روزِ محشر کی سختیاں اور مصائب کے بیان کے باب میں فرماتا ہے:

۴۔ وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ○ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ○(۱)

’’اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا○ کہ وہ کس گناہ کے باعث قتل کی گئی تھی○‘‘

ii۔ آدابِ اِسلامی سے شناسائی کا حق

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، بعد میں اس کے والدین اس کا مذہب تبدیل کرا دیتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه۔(۲)

---

(۱) القرآن، التکویر، ۸۱: ۸، ۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۴۶۵، رقم: ۱۳۱۹

۲۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۴۵۶، رقم: ۱۲۹۲

۳۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۷۹۲، رقم: ۴۴۹۷

۴۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۴۳۴، رقم: ۶۲۲۶

۵۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۲۰۴۷، رقم: ۲۶۵۸

۶۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۴۴۷، رقم: ۲۱۳۸

۷۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۲۹، رقم: ۴۷۱۴

۸۔ مالک، الموطا، ۱: ۲۴۱، رقم: ۵۷۱

۹۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۳۳، ۲۷۵، ۳۴۶، ۳۹۳، ۴۱۰، ۴۸۱

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اُس کے ماں باپ اُسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

بچوں کو اِسلامی تعلیمات سے شناسا کرنے اور اُنہیں اِسلامی آدابِ زندگی سکھانا ماں باپ کا فرض ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من ولد له فأذن في أذنه اليمنى، و أقام في أذنه اليسرى، لم يضره أم الصبيان۔(۱)

''جس کے ہاں بچہ کی ولادت ہو تو وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اِقامت کہے، اس کی برکت سے بچہ کی ماں کو کوئی چیز نقصان نہ پہنچا سکے گی۔''

اس طرح ایک بچہ کو پیدائش کے وقت سے اُس آفاقی حکم سے روشناس کرا دیا جاتا ہے جو زندگیوں میں اِنقلاب پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا۔

iii۔ حُسنِ نام کا حق

بچہ کا یہ حق ہے اُس کا پیارا سا نام رکھا جائے۔ اسلام سے قبل عرب اپنے بچوں کے عجیب نام رکھتے تھے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے نام نا پسند فرمائے اور خوبصورت نام رکھنے کا حکم دیا۔ امام طوسی روایت کرتے ہیں:

جاء رجل إلى النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال: يا رسول الله! ما حق ابني هذا؟ قال: تحسن اسمه و أدبه و ضعه موضعا حسنا۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ابو یعلی، المسند، ۱۲: ۱۵۰، رقم: ۶۷۸۰
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۳۹۰، رقم: ۸۶۱۹
۳۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳: ۶۳۲
۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۵۹

(۲) محمد بن احمد صالح، الطفل فی الشریعۃ الاسلامیہ: ۴۷

’’ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! میرے اس بچے کا مجھ پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کا اچھا نام رکھ، اسے آداب سکھا اور اسے اچھی جگہ رکھ (یعنی اس کی اچھی تربیت کر)۔‘‘

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إنکم تدعون یوم القیامة بأسمائکم و أسماء آبائکم، فأحسنوا أسمائکم۔(۱)

’’روزِ قیامت تم اپنے ناموں اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے اس لئے اپنے نام اچھے رکھا کرو۔‘‘

حضرت ابو وہب جشمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تسمو بأسماء الأنبیاء، و أحب الأسماء إلی اللہ عبد اللہ و عبد الرحمن، و أصد قها حارث و همام، و أقبحها حرب و مرة۔(۲)

(۱) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۸۷، رقم: ۴۹۴۸
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۹۴
۳۔ دارمی، السنن، ۲: ۳۸۰ رقم: ۲۶۹۴
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۳: ۱۳۵، رقم: ۵۸۱۸
۵۔ عبد بن حمید، المسند: ۱۰۱، رقم: ۲۱۳
۶۔ ابن جعد، المسند: ۳۶۰، رقم: ۲۴۹۲
۷۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۳۰۶
۸۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۳۹۳، رقم: ۸۶۳۳
۹۔ ہیثمی، موارد الظمآن: ۴۷۹، رقم: ۱۹۴۴
(۲) ۱۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۸۷، رقم: ۴۹۵۰
۲۔ نسائی، السنن، ۶: ۲۱۸، رقم: ۳۵۶۵

←

’’انبیائے کرام کے ناموں پر اپنے نام رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کو تمام ناموں میں سے ’عبداللہ‘ اور ’عبدالرحمٰن‘ زیادہ پسند ہیں۔ سب ناموں سے سچے نام ’حارث‘ اور ’ہمام‘ ہیں جبکہ سب سے برے نام ’حرب‘ اور ’مرۃ‘ ہیں۔‘‘

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں:

لما ولدت فاطمة الحسن جاء النبی ﷺ فقال: أرونی ابني ما سميتموه؟ قال: قلت: سميته حربا۔ فقال: بل هو حسن ۔ فلما ولدت الحسين، جاء رسول الله ﷺ فقال: أرونی ابني ما سميتموه؟ قال: قلت: سميته حربا۔ قال: بل هو حسين ۔ ثم لما ولدت الثالث جاء رسول الله ﷺ قال: أرونی ابني ما سميتموه؟ قلت: سميته حربا۔ قال: بل هو محسن ۔ ثم قال: إنما سميتهم باسم ولد هارون شبر و شبير و مشبر۔(۱)

...... ۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۳: ۳۷، رقم: ۴۴۰۶

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۴۵

۵۔ بخاری، الادب المفرد: ۲۸۴، رقم: ۸۱۴

۶۔ ابویعلی، المسند، ۱۳: ۱۱۳، رقم: ۷۱۶۹

۷۔ منذری، الترغیب و الترہیب، ۳: ۴۸، رقم: ۳۰۳۰

۸۔ عسقلانی، فتح الباری، ۱۰: ۵۷۸

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۱۸۰، رقم: ۴۷۷۳

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۱۸، رقم: ۹۳۵

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۴۱۰، رقم: ۶۹۸۵

۴۔ بخاری، الادب المفرد: ۲۸۶، رقم: ۸۲۳

۵۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۳: ۹۶، رقم: ۲۷۷۳، ۲۷۷۴

۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۵۲

۶۔ عسقلانی نے ’الاصابہ فی تمییز الصحابہ (۶: ۲۴۳، رقم: ۸۲۹۶)‘ میں اس روایت کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔

''جب فاطمہ کے ہاں حسن کی ولادت ہوئی تو حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، اس کا نام کیا رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اس کا نام 'حرب' رکھا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ وہ 'حسن' ہے۔ پھر جب حسین کی ولادت ہوئی تو حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اس کا نام 'حرب' رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ وہ 'حسین' ہے۔ پھر جب تیسرا بیٹا پیدا ہوا تو حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اس کا نام 'حرب' رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں بلکہ اس کا نام 'محسن' ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: میں نے ان کے نام ہارون (علیہ السلام) کے بیٹوں شبر، شبیر اور مشبر کے نام پر رکھے ہیں۔''

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

أن رسول الله ﷺ غير اسم عاصية، و قال: أنتِ جميلة.(۱)

''رسول اکرم ﷺ نے 'عاصیہ' کا نام بدل دیا اور فرمایا: تم 'جمیلہ' ہو۔''

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۶۸۶، رقم: ۲۱۳۹
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۱۳۴، رقم: ۲۸۳۸
۳۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۲۸۸، رقم: ۴۹۵۲
۴۔ بخاری، الادب المفرد: ۲۸۵، رقم: ۸۲۰
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۸
۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۳: ۱۳۵، ۱۳۶، رقم: ۵۸۱۹، ۵۸۲۰
۷۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۳۰۷
۸۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۴: ۲۱۲، رقم: ۵۴۴
۹۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۴۹، رقم: ۳۰۳۴

حضرت اسامہ بن اخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ 'اَصرم' نام کا ایک شخص کچھ لوگوں کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا۔ جب آپ ﷺ کے اِستفسار پر اس شخص نے اپنا نام بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، تم 'زُرعہ' ہو۔(۱)

امام ابوداوَد 'السنن (۴: ۲۸۹)' میں لکھتے ہیں:

حضور نبی اکرم ﷺ نے 'عاص'، 'عزیز'، 'عَتَلَه'، 'شیطان'، 'حکم'، 'غُراب'، 'حُباب'، 'شِهاب' وغیرہ نام بدل دیئے۔ پس 'شهاب' کا نام 'هشام' رکھا، 'حرب' کا نام 'سلم' رکھا اور 'مضطجع' کا نام 'منبعث' رکھا۔ جس زمین کو 'عفره' کہا جاتا تھا اس کا نام 'خضره' رکھا اور 'شعب الضلاله' کا نام 'شعب الهدیٰ' رکھا۔ 'بنو زینت' کا نام 'بنو رَشده' رکھا اور 'بنی مغویه' کا نام 'بنی رِشده' رکھا۔

iv۔ نسب کا حق

بچے کے لئے نسب کا حق صرف اُسی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ ماں باپ کا بھی حق ہے۔ باپ کا حق اس نسبت سے ہے کہ وہ اپنی اولاد کے تحفظ اور تعلیم و تربیت کا اختیار رکھتا ہے، اُسے اپنی اولاد کی سرپرستی اور ولایت کا حق ہے۔ جب اولاد محتاج ہو اور باپ کمانے کی قدرت رکھتا ہو تو اسے اولاد کے لئے کمانے کا حق ہے اور اگر اولاد باپ کی زندگی میں فوت ہو جائے تو وہ اولاد ترکہ میں سے حصہ پائے گی۔ اسی طرح ثبوتِ نسب ماں کا بھی حق ہے کیونکہ اولاد ماں کا جزو ہے اور وہ فطری طور اس بات کی شدید خواہش رکھتی ہے کہ اپنی اولاد کی حفاظت اور بہتر پرورش کرے۔ اسی طرح ماں کے بڑھاپے اور

(۱) ۱۔ ابو داوَد، السنن، ۴: ۲۸۸، رقم: ۴۹۵۴
۲۔ رویانی، المسند، ۲: ۴۶۹، رقم: ۱۴۹۰
۳۔ شیبانی، الآحاد و المثانی، ۲: ۴۲۷، رقم: ۱۲۲۰
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱: ۱۹۶، ۲۹۸، رقم: ۵۲۳، ۸۷۴
۵۔ مقدسی، الاحادیث المختارہ، ۴: ۹۰، ۳۱۱ رقم: ۱۳۰۶، ۱۴۹۴
۶۔ ابن خیاط، الطبقات: ۴۳

طاقت نہ رکھنے کی صورت میں اُس پر خرچ کرنا اولاد کا فرض ہے۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نسب کی حفاظت کا حکم دیتے ہوئے پوری جماعت کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ج فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ ط وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ط وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاO (۱)

’’ان (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے باپ ہی کا بیٹا کہہ کر بلایا کرو یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی انصاف کی بات ہے، پھر اگر ان کے باپ تمہیں معلوم نہ ہوں تو دین میں وہ تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے دوست، اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں جو بلاقصد تم نے کہی، ہاں وہ (بری بات ضرور گناہ ہے) جس کا قصد کیا تمہارے دلوں نے، اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہےO‘‘

اپنا حقیقی نسب تبدیل کرنے والے کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من ادعی إلی غیر أبیه، و هو یعلم أنه غیر أبیه، فالجنة علیه حرام۔(۲)

---

(۱) القرآن، الاحزاب، ۳۳: ۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۴۸۵، رقم: ۶۳۸۵

۲۔ بخاری، الصحیح، ۴: ۱۵۷۲، رقم: ۴۰۷۱

۳۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۸۰، رقم: ۶۳

۴۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۳۳۰، رقم: ۵۱۱۳

۵۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۸۷۰، رقم: ۲۶۱۰

''جو اپنے باپ کو علاوہ کسی اور کے متعلق دعویٰ کرے اور وہ جانتا ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔''

یہی نہیں بلکہ ایک موقع پر تو آپ ﷺ نے اسے کفر سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا:

لا ترغبوا عن آبائکم، فمن رغب عن أبیه فهو کفر۔(۱)

''اپنے آباء و اَجداد سے منہ نہ پھیرو، جو اپنے باپ سے منہ پھیر کر دوسرے کو باپ بنائے تو یہ کفر ہے۔''

۷۔ رضاعت کا حق

لفظ 'رضاعت' اور اس کے دیگر مشتقات قرآن حکیم میں دس مقامات پر آئے ہیں۔ 'المعجم الوسیط' میں رضاعت کا معنی کچھ یوں بیان ہوا ہے:

أرضعت الأم: کأن لها ولد تُرضِعه۔

''ماں کا بچہ کو دودھ پلانا رضاعت کہلاتا ہے۔''

فقہی اصطلاح میں بچہ کا پیدائش کے بعد پہلے دو سال میں ماں کے سینہ سے دودھ چوسنا رضاعت کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۶: ۲۴۸۵، رقم: ۶۳۸۶
۲۔ مسلم، الصحیح، ۱: ۸۰، رقم: ۶۲
۳۔ ابو عوانہ، المسند، ۱: ۳۳، رقم: ۵۷

اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّا اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○(۱)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے، (اور) نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے، اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہو گا، پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے (دو برس سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اور پھر اگر تم اپنی اولاد کو (دایہ سے) دودھ پلوانے کا ارادہ رکھتے ہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ جو تم دستور کے مطابق دیتے ہو انہیں ادا کر دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے ○''

پیدائش کے بعد بچہ کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنی زندگی کی حفاظت اور افزائش کے لئے ماں کے دودھ کے علاوہ کوئی غذا استعمال کرے اس لئے وضعِ حمل کے بعد عورت کے پستانوں میں قدرتی طور پر دودھ جاری ہو جاتا ہے اور بچہ کے لئے اس کے دل میں پیدا ہونے والی محبت و شفقت اُسے بچہ کو دودھ پلانے پر اُکساتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت پر واجب کیا ہے کہ وہ بچہ کو پورے دو سال دودھ پلائے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ مدت ہر طرح سے بچہ کی صحت کے لئے ضروری ہے۔

جدید میڈیکل ریسرچ سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ بچہ کے جسمانی و نفسیاتی تقاضوں کے پیشِ نظر دو سال کی مدتِ رضاعت ضروری ہے۔ یہ اسلام کی آفاقی اور ابدی تعلیمات کا فیضان ہے کہ اہلِ اسلام کو زندگی کے وہ رہنما اصول ابتداء ہی میں عطا کر دیے گئے جن کی تائید و تصدیق صدیوں بعد کی سائنسی تحقیقات کر رہی ہیں۔

(۱) القرآن البقرہ، ۲: ۲۳۳

vi۔ پرورش کا حق

بچوں کی پرورش کرنا باپ کی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے قرآن حکیم فرماتا ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰـهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ○ (۱)

''صاحبِ وُسعت کو اپنی وُسعت (اور مقدور) کے مطابق خرچ کرنا چاہیے، اور جس کے رزق میں تنگی ہو (آمدنی کم ہو) اسے چاہیے کہ جتنا اللہ نے دیا ہے اسی میں سے (بچہ کی نگہداشت پر) خرچ کرے، اللہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر جتنا اس کو دیا ہے، (اور جو اللہ کے احکام کی پابندی کرے گا اس کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ) اللہ عنقریب تنگی کے بعد فراخی عطا فرمائے گا○''

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من رجل تدرك له ابنتان، فيحسن إليهما ما صحبتاه أو صحبهما إلا أدخلتاه الجنة (۲)

---

(۱) القرآن، الطلاق، ۶۵: ۷

(۲) ۱۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۱۲۱۰، رقم: ۳۶۷۰
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۶۳
۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۷: ۲۰۷، رقم: ۲۹۴۵
۴۔ ابو یعلی، المسند، ۴: ۴۴۵، رقم: ۲۵۷۱
۵۔ ابو یعلی، المسند، ۵: ۱۲۸، رقم: ۲۷۴۲
۶۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۹۶، رقم: ۳۵۱۷
۷۔ مقدسی، الاحادیث المختارہ، ۱۰: ۴۲۵، ۴۲۶، رقم: ۴۵۰، ۴۵۱
۸۔ کنانی، مصباح الزجاجہ، ۴: ۱۰۱
۹۔ ہیثمی، موارد الظمآن: ۵۰۰، رقم: ۲۰۴۳

’’جس کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ انہیں جوان ہونے تک کھلاتا پلاتا رہے تو وہ دونوں اسے جنت میں لے جائیں گی۔‘‘

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا يكون لأحدكم ثلاث بنات أو ثلاث أخوات فيحسن إليهن إلا دخل الجنة۔(۱)

’’جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان سے اچھا سلوک کرے تو اس کے لئے جنت ہے۔‘‘

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

جاءتنى امرأةٌ معها ابنتانِ تَسألُنى، فلم تجدْ عندى غير تمرةٍ واحدةٍ، فأعَطيْتُها فقسمَتْها بين إبنتيها، ثم قَامَتْ فخرجَتْ، فدخَلَ النبى ﷺ فحدَّثْتُه، فقال: من بُلِيَ من هذه البناتِ شيئاً، فأحسنَ إليهن، كُنَّ له سِتراً من النار۔(۲)

’’میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دو بچیاں تھیں، وہ مجھ سے

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، ۴: ۳۱۸، ۳۲۰، رقم: ۱۹۱۲، ۱۹۱۶
۲۔ بخاری، الادب المفرد: ۴۲، رقم: ۷۹
۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۲۲۱، رقم: ۲۵۴۳۸
۴۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۴۶، رقم: ۳۰۲۳
(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۴، رقم: ۵۶۴۹
۲۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۵۱۴، رقم: ۱۳۵۲
۳۔ ترمذی، السنن، ۴: ۳۱۹، رقم: ۱۹۱۵
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۳۳، ۸۷، ۲۳۴
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۷: ۲۰۱، رقم: ۲۹۳۹

کچھ مانگتی تھی۔ اس نے ایک کھجور کے سوا میرے پاس کچھ نہ پایا، میں نے اس کو وہی دے دی۔ اس نے کھجور دونوں بیٹیوں میں تقسیم کردی اور پھر اٹھ کر چلی گئی۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ سے سارا ماجرا کہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی بیٹیوں کے ذریعے آزمایا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو یہ اس کے لئے دوزخ سے حجاب بن جاتی ہیں۔‘‘

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

جاءتني مسكينة تحمل ابنتين لها، فأطعمتها ثلاث تمرات، فأعطت كل واحدة منهما تمرة، و رفعت إلى فيها تمرة لتأكلها، فاستطعمتها ابنتاها، فشقت التمرة التي كانت تريد أن تأكلها بينهما، فأعجبني شأنها، فذكرت الذي صنعت لرسول الله ﷺ، فقال: إن الله قد أوجب لها بها الجنة، أو أعتقها بها من النار۔(۱)

’’میرے پاس ایک مسکین عورت آئی جس نے دو بیٹیاں اٹھائی ہوئی تھیں۔ میں نے اسے تین کھجوریں دیں۔ اس نے دونوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک کھجور دے دی، پھر جو کھجور وہ کھانا چاہتی تھی اس کے بھی دو ٹکڑے کر کے انہیں کھلا دی۔ مجھے اس واقعہ سے بہت تعجب ہوا۔ میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے اس عورت کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (بیٹیوں پر) اس (شفقت و رحمت) کی وجہ سے اس عورت کے لئے جنت واجب کر دی یا (فرمایا:) اسے دوزخ سے آزاد کر دیا۔‘‘

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۲۰۲۷، رقم: ۲۶۳۰
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۹۲
۳۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۴۶۸، رقم: ۱۱۰۲۰
۴۔ مزی، تہذیب الکمال، ۹: ۴۶۸، ۴۶۹

vii۔ تربیت کا حق

بچوں کی اچھی تربیت کرکے انہیں اچھا، ذمہ دار اور مثالی مسلمان بنانا والدین کی ذمہ داری ہے۔ ان کی تربیت کے مختلف مراحل کا ذکر کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مروا أولادکم بالصلاة و هم أبناء سبع سنين، و اضربوهم عليها و هم أبناء عشر سنين، و فرقوا بينهم فی المضاجع(۱)

’’اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کی ہو جائے، اور جب وہ دس سال کی ہو جائے تو (نماز نہ پڑھنے پر) اُسے مارو، اور (دس سال کی عمر میں) انہیں الگ الگ سلایا کرو۔‘‘

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أکرموا أولادکم و أحسنوا أدبهم(۲)

---

(۱) ۱۔ ابو داؤد، السنن، ۱: ۱۳۳، رقم: ۴۹۵

۲۔ مزی، تہذیب الکمال، ۸: ۳۹۸

۳۔ عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۳۴۸

(۲) ۱۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۱۲۱۱، رقم: ۳۶۷۱

۲۔ قضاعی، مسند الشہاب، ۱: ۳۸۹، رقم: ۶۶۵

۳۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۱: ۶۷، رقم: ۱۹۶

۴۔ منذری نے ’الترغیب والترہیب (۳: ۵۱، رقم: ۳۰۳۸)‘ میں کہا ہے کہ اسے ابن ماجہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

۵۔ کنانی، مصباح الزجاجہ، ۴: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۱۲۸۷

۶۔ مزی، تہذیب الکمال، ۱۱: ۱۴

’’اپنی اولاد کے ساتھ نیک سلوک کرو اور انہیں ادب سکھاؤ۔‘‘

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من كان عنده صبي فليتصاب له.(۱)

’’جس کے ہاں کوئی بچہ ہو تو وہ اس کی اچھی تربیت کرے۔‘‘

viii۔ شفقت و رحمت کا حق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قبل رسول الله ﷺ الحسن بن علي رضی اللہ عنہما، و عنده الأقرع بن حابس التميمى جالسا، فقال الأقرع: إن لي عشرة من الولد، ما قبلت منهم أحدا. فنظر إليه رسول الله ﷺ، ثم قال: من لا يرحم لا يرحم.(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو چوما تو اَقرع بن حابس تمیمی جو کہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، نے کہا: میرے دس بچے ہیں، میں نے تو کبھی کسی کو نہیں چوما۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس کی طرف

---

(۱) ۱۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۳: ۵۱۳، رقم: ۵۵۹۸
۲۔ حسینی، البیان والتعریف، ۲: ۲۲۸

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۲۳۵، رقم: ۵۶۵۱
۲۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۱۸۰۸، رقم: ۲۳۱۸
۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۳۱۸، رقم: ۱۹۱۱
۴۔ ابوداؤد، السنن، ۴: ۳۵۵، رقم: ۵۲۱۸
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۲۸، ۲۴۱، ۲۶۹، ۵۱۴،

دیکھا، پھر فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔‘‘

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

أحبوا الصبيان و ارحموهم، و إذا وعدتموهم ففوا لهم، فإنهم لا يرون إلا أنكم ترزقونهم۔

’’بچوں سے محبت کرو اور ان پر رحم کرو، جب ان سے وعدہ کرو تو پورا کرو کیونکہ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ تم ہی اُنہیں رزق دیتے ہو۔‘‘

ix۔ عدل کا حق

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

أن أباه أتى به رسول الله ﷺ، فقال: إني نحلت ابني هذا غلاما، فقال: أكل ولدك نحلت مثله؟ قال: لا، قال: فأرجعه ۔(۱)

’’اُن کے والد انہیں لے کر بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے، پھر عرض کیا: میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے۔ فرمایا: کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو ایسا ہی دیا ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: تو پھر اس سے واپس لے لو۔‘‘

ایک اور سند سے مروی روایت میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۹۱۳، ۹۱۴، رقم: ۲۴۴۶
۲۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۲۴۱، رقم: ۱۶۲۳
۳۔ نسائی، السنن، ۶: ۲۵۸، ۲۵۹، رقم: ۳۶۷۴، ۳۶۷۵
۴۔ نسائی، السنن الکبری، ۴: ۱۱۶، رقم: ۶۵۰۲
۵۔ مالک، الموطا، ۲: ۷۵۱، رقم: ۱۴۳۷
۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۱: ۴۹۹، رقم: ۵۱۰۰
۷۔ عبد الرزاق، المصنف، ۹: ۹۷
۸۔ بیہقی، السنن الکبری، ۶: ۱۷۶، ۱۷۸

کرتے ہیں:

تصدق علیّ أبی ببعض ماله، فقالت أمی عمرة بنت رواحة: لا أرضی حتی تشهد رسول الله ﷺ، فانطلق أبی إلی النبی ﷺ لیشهده علی صدقتی، فقال له رسول الله ﷺ: أفعلت هذا بولدك كلهم؟ قال: لا، قال: اتقوا الله و اعدلوا في أولادکم ۔ فرجع أبي، فرد تلك الصدقة ۔(۱)

''میرے والد نے اپنا کچھ مال مجھے ہبہ کر دیا تو میری والدہ نے کہا: میں اس پر تب راضی ہوں گی جب تو رسولِ خدا ﷺ کو اس پر گواہ لائے۔ میرے والد حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو ایسا ہی دیا ہے؟ میرے والد نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔ پھر میرے والد نے وہ ہبہ واپس لے لیا۔''

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

سووا بین أولادکم فی العطیة، فلو کنت مفضلا أحدا لفضلت النساء۔(۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، رقم: ۱۶۲۳
۲۔ ابوعوانہ، المسند، ۳: ۴۶۰، رقم: ۵۶۸۹
۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۳۰

(۲) ۱۔ بیہقی، السنن الکبری، ۶: ۱۷۷
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱: ۳۵۴، رقم: ۱۱۹۹۷
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۱۵۳
۴۔ عسقلانی، فتح الباری، ۵: ۲۱۴

’’اپنی اولاد کو تحفہ دیتے وقت برابری رکھو، پس میں اگر اُن میں سے کسی کو فضیلت دیتا تو بیٹیوں کو فضیلت دیتا۔‘‘

x۔ یتیم کا حق

یتیم بچہ کے حقوق پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم میں تئیس مختلف مواقع پر یتیم کا ذکر کیا گیا ہے جن میں یتیموں کے ساتھ حسن سلوک، اُن کے اموال کی حفاظت اور اُن کی نگہداشت کرنے کی تلقین کی گئی ہے، اور اُن کے ساتھ زیادتی کرنے والے، ان کے حقوق و مال غصب کرنے والے پر وعید کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۝ (۱)

’’بے شک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نری آگ بھرتے ہیں، اور وہ جلد ہی دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گے۝‘‘

کیونکہ یتیم ہونا انسان کا نقص نہیں بلکہ منشائے خداوندی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اُس نے اپنے محبوب ترین بندے سید المرسلین ﷺ کو حالتِ یتیمی میں پیدا فرمایا کہ آپ ﷺ کے والد ماجد آپ ﷺ کی ولادت با سعادت سے بھی پہلے وصال فرما چکے تھے۔ پھر چھ سال کی عمر میں ہی آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی انتقال فرما گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی اس کیفیت کا ذکر قرآن حکیم میں یوں کیا ہے:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ (۲)

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۱۰
(۲) القرآن، الضحیٰ، ۹۳: ۶

’’(اے حبیب!) کیا اُس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر اُس نے (آپ کو معزز و مکرم) ٹھکانا دیا○‘‘

پھر اس دُرِّ یتیم ﷺ نے یتامیٰ کی محبت، ان کے ساتھ شفقت وحسنِ سلوک اور اِحسان برتنے کی نہایت اعلی مثالیں قائم کیں۔ آپ ﷺ نے یتامیٰ کی اچھی کفالت کرنے والے کو جنت کی خوش خبری دی اور اُن کے حقوق پامال کرنے والے کو دردناک عذاب کی وعید سنائی۔ قرآن حکیم کہتا ہے:

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ○ (۱)

’’سو آپ بھی کسی یتیم پر سختی نہ فرمائیں○‘‘

ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا○ (۲)

’’اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور بری چیز کو عمدہ چیز سے نہ بدلا کرو اور نہ ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر کھایا کرو، یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے○‘‘

اسی طرح دیگر مقامات پر فرمایا:

وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ط قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ط وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (۳)

’’اور آپ سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، فرما دیں: اُن (کے معاملات) کا سنوارنا بہتر ہے، اور اگر اُنہیں (نفقہ و کاروبار میں) اپنے ساتھ

---

(۱) القرآن، الضحیٰ، ۹۳: ۹

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۲

(۳) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۲۰

ملا لو تو وہ بھی تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ خرابی کرنے والے کو بھلائی کرنے والے سے جدا پہچانتا ہے۔‘‘

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا○(۱)

’’اور یتیموں کی (تربیۃً) جانچ اور آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان میں ہوشیاری (اور حسنِ تدبیر) دیکھ لو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور ان کے مال فضول خرچی اور جلد بازی میں (اس اندیشے سے) نہ کھا ڈالو کہ وہ بڑے ہو (کر واپس لے) جائیں گے، اور جو کوئی خوشحال ہو وہ (مالِ یتیم سے) بالکل بچا رہے اور جو (خود) نادار ہو اسے (صرف) مناسب حد تک کھانا چاہیے اور جب تم ان کے مال ان کے سپرد کرنے لگو تو ان پر گواہ بنا لیا کرو اور حساب لینے والا اللہ ہی کافی ہے○‘‘

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا○ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا○(۲)

’’اور (یتیموں سے معاملہ کرنے والے) لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے ناتواں بچے چھوڑ جاتے تو (مرتے وقت) ان بچوں کے حال پر (کتنے) خوفزدہ (اور فکرمند) ہوتے، سو انہیں (یتیموں کے بارے میں) اللہ سے ڈرتے

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۶

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۹، ۱۰

رہنا چاہئے اور (ان سے) سیدھی بات کہنی چاہئےo بے شک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نری آگ بھرتے ہیں، اور وہ جلد ہی دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گےo‘‘

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ (۱)

’’اور یتیم کے مال کے قریب مت جانا مگر ایسے طریق سے جو بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔‘‘

اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِo فَذٰلِكَ الَّذِیْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ o وَ لَا يَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِيْنِo (۲)

’’کیا آپ نے اُس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہےo تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو ردّ کرتا اور اُنہیں حق سے محروم رکھتا ہے)o اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی اِستحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا)o‘‘

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَo وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِيْنِo وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّاo وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّاo (۳)

’’یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتےo اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہوo اور وراثت کا مال سمیٹ کر خود ہی کھا جاتے ہو (اس میں سے اَفلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)o اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہوo‘‘

(۱) القرآن، الانعام، ۶: ۱۵۲

(۲) القرآن، الماعون، ۱۰۷: ۱۔۳

(۳) الفجر، ۸۹: ۱۷۔۲۰

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خير بيت في المسلمين بيت فيه يتيم يحسن إليه، و شرّ بيت فی المسلمين بيت فيه يتيم يساء إليه(۱)

''مسلمانوں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ نیک سلوک ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک ہو۔''

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قا؛ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أنا و كافل اليتيم في الجنة هكذا ...... و أشار بالسبابة و الوسطى، و فرج بينهما شيئا۔(۲)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے ...... پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے

---

(۱) ۱۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۱۲۱۳، رقم: ۳۶۷۹
۲۔ بخاری، الادب المفرد: ۶۱، رقم: ۱۳۷
۳۔ ابن مبارک، الزہد: ۲۳۰، رقم: ۶۵۴
۴۔ عبد بن حمید، المسند: ۴۲۷، رقم: ۱۴۶۷
۵۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۵: ۹۹، رقم: ۴۷۸۵
۶۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۲۳۶، رقم: ۳۸۴۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۵: ۲۰۳۲، ۲۲۳۷، رقم: ۴۹۹۸، ۵۶۵۹
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۴: ۳۲۱، رقم: ۱۹۱۸
۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۲۰۷، رقم: ۴۶۰
۴۔ ابویعلی، المسند، ۱۳: ۵۴۶، رقم: ۷۵۵۳
۵۔ رویانی، المسند، ۲: ۲۱۶، ۲۷۸، رقم: ۱۰۶۷، ۱۱۹۷
۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۶: ۲۸۳، رقم: ۱۲۴۴۲

اشارہ فرمایا اور دونوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔‘‘

حضرت ابو ہریرہ ﷜ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

والذي بعثني بالحق! لا يعذب الله يوم القيامة من رحم اليتيم، و لان له في الكلام، و رحم يُتْمه و ضَعْفَه، ولم يتطاول على جاره بفضل ما آتاه الله، و قال: يا أمة محمد! والذي بعثني بالحق! لا يقبل الله يوم القيامة صدقة من رجل وله قرابة محتاجون إلى صدقته و يصرفها إلى غيرهم، والذي نفسي بيده! لا ينظر الله إليه يوم القيامة۔(۱)

’’قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُس شخص کو عذاب نہیں دے گا جس نے یتیم پر شفقت کی، اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کی، اور معاشرے کے محتاجوں و کمزوروں پر رحم کیا، اور جس نے اللہ تعالیٰ کے طرف سے ہونے والی عطا کے وجہ سے اپنے پڑوسی پر ظلم نہ کیا۔ پھر فرمایا: اے اُمتِ محمدی! قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُس شخص کی طرف سے صدقہ قبول نہیں کرے گا جس نے غیروں پر صدقہ کیا حالانکہ اُس کے اپنے رشتہ دار اُس کے صدقہ کے محتاج تھے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اللہ تبارک و تعالیٰ روزِ قیامت اُس شخص کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔‘‘

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۸: ۳۴۶، رقم: ۸۸۲۸
۲۔ دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۴: ۳۷۸، ۳۷۹، رقم: ۷۱۱۰
۳۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۲: ۱۸
۴۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۲۳۷
۵۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۱۱۷

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اس کے دادا سے روایت کرتے ہیں:

من ولي ليتيم مالا فليتجر به ولا يدعه حتى تأكله الصدقة(۱)

’’جس کو کسی یتیم کے مال کا ولی بنایا گیا تو اُسے چاہیے کہ وہ اُس مال سے تجارت کرے اور اُس کو یونہی پڑا نہ رہنے دے مبادا زکوٰۃ ادا کرتے کرتے وہ مال ختم ہو جائے۔‘‘

xi۔ حقوقِ لقیط

لقیط اس بچہ کو کہا جاتا ہے جو راستہ میں پڑا ہوا ملے اور جس کے والدین کا پتہ نہ ہو(۲)۔ فقہی اصطلاح میں لقیط اس بچہ کو کہا جاتا ہے جس کا نسب معلوم نہ ہو کیونکہ اس کے گھر والوں نے زنا کی تہمت سے بچنے کے لئے یا کسی اور وجہ سے اُسے پھینک دیا ہو۔ لہٰذا جب راستہ میں یا کسی public place پر گرا پڑا بچہ ملے تو اُسے زمین سے اٹھانا، اس کے ساتھ شفقت برتنا اور اس کی حفاظت کرنا اللہ تعالیٰ کے اس قول کی روشنی میں واجب ہو جاتا ہے:

وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا(۳)

’’اور جس نے اسے (ناحق مرنے سے بچا کر) زندہ رکھا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو زندہ رکھا۔‘‘

کیونکہ بچہ کو زمین، راستہ سے اٹھانا ہی اُسے زندگی دینا ہے اور یہ اسی طرح واجب ہے جس طرح حالتِ اِضطرار میں صرف زندگی بچانے کی حد تک حرام کھانے کی

---

(۱) بیہقی، السنن الکبریٰ، ۶: ۲

(۲) المعجم الوسیط، ۲: ۸۴۱، مادہ: لقط

(۳) القرآن، المائدہ، ۵: ۳۲

اجازت مل جاتی ہے۔

ثانیاً لقیط کا یہ بھی حق ہے کہ وہ آزاد ہوتا ہے۔ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنھما نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ اگر ملتقط (بچہ کو اُٹھانے والا) یا کوئی اور شخص یہ دعویٰ کرے کہ بچہ اس کا غلام ہے تو بغیر گواہوں کے اس کا دعویٰ نہ سنا جائے گا کیونکہ اس کی حریت و آزادی اس کے ظاہر حال سے ثابت ہے اس لیے بغیر دلیل کے اس کے ظاہر کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔(۱)

ثالثاً لقیط کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا خرچہ بیت المال سے کیا جائے۔ اگر اُس کے ساتھ کچھ مال بندھا ہو پایا گیا تو وہ اسی کا متصور ہوگا مثلا اس کے جسم پر موجود کپڑے یا اگر وہ جانور پر بندھا ہوا پایا گیا تو وہ جانور اس کا ہوگا۔ اس صورت میں خرچہ اس کے اپنے مال میں سے کیا جائے گا کیونکہ بیت المال میں سے خرچہ ضرورت کی بناء پر ہوتا ہے اور جب اس کے پاس مال ہو تو ضرورت ثابت نہیں ہوتی۔(۲)

---

(۱) کاسانی، بدائع الصنائع، ۶: ۱۹۷، ۱۹۸

(۲) کاسانی، بدائع الصنائع، ۶: ۱۹۸، ۱۹۹

معذور اَفراد کے حقوق

(Special persons' rights)

معذور اَفراد انسانی معاشرے کا وہ حصہ ہیں جو عام افراد کی نسبت زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔ کوئی بھی مہذب معاشرہ معذوروں کو نظر انداز کرنے یا انہیں معاشرے میں قابلِ احترام مقام سے محروم رکھنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اسلام تکریم انسانیت کا علمبردار دین ہے۔ چونکہ معذور افراد معاشرے میں اپنی شناخت اور وقار کے لئے خصوصی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں، اس لئے اسلام نے اس بارے میں خصوصی تعلیمات عطا کی ہیں۔ یہاں یہ امر واضح رہے کہ وہ تمام حقوق جو عام اَفرادِ معاشرہ کو میسر ہیں معذور افراد بھی معاشرے کا حصہ ہوتے ہوئے ان حقوق کے مستحق ہیں۔ تاہم عام افراد کو میسر حقوق کے علاوہ اِسلام نے معذوروں کو جو حقوق عطا فرمائے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

i۔ خصوصی توجہ کا حق

اسلام نے زندگی کے معاملات میں ہر فرد کو بلاتمیز رنگ ونسل یا سماجی مرتبہ کے مساوی حیثیت عطا کی ہے۔ یہ عام معاشرتی رویہ ہے کہ معذور افراد کو زندگی کے عام معاملات اور میل جول میں نظر انداز کرنے کی روش اختیار کی جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے اس روش کی سختی سے مذمت کرتے ہوئے نفسِ اِنسانیت کو مستحق عزت و وقار قرار دیا ہے۔ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ رؤسائے مشرکین کو تبلیغ فرما رہے تھے کہ اتنے میں نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دوسروں سے مصروفِ گفتگو ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ نہ ہو سکے تو اس پر درج ذیل آیات نازل ہوئیں:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ○ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی ○ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ○(۱)

(۱) القرآن، عبس، ۸۰: ۱-۴

’’ان کے چہرۂ (اقدس) پر ناگواری آئی اور رخِ (انور) موڑ لیاo اس وجہ سے کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا (جس نے آپ کی بات کو ٹوکا)o اور آپ کو کیا خبر شاید وہ (آپ کی توجہ سے مزید) پاک ہوجاتاo یا (آپ کی) نصیحت قبول کرتا تو نصیحت اس کو (اور) فائدہ دیتیo‘‘

اِن آیات مبارکہ میں آپ ﷺ کے توسط سے اُمت کو یہ تعلیم دی گئی کہ:

(۱) معذور افراد دیگر افرادِ معاشرہ کی نسبت زیادہ توجہ کے مستحق ہیں، دوسرے افراد کو ان پر ترجیح دیتے ہوئے انہیں نظر انداز نہ کیا جائے۔

(۲) عزت ووقار کے مرتبے کا تعین سماجی یا معاشرتی حیثیت کو دیکھ کر نہ کیا جائے بلکہ اس کے لئے ذاتی کردار، تقویٰ، اصلاح طلبی اور نیکی کے جذبے کو معیار بنایا جائے۔

ii۔ قانونِ معاشرت کے نفاذ میں اِستثناء کا حق

اسلام نے دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح معاشرتی زندگی کے لیے بھی قانون اور نظام عطا کیا ہے۔ روز مرہ کے رہن سہن اور رشتہ داروں و دوست احباب کے گھروں میں آنے جانے کے لئے واضح ضابطے عطا کیے گئے ہیں۔ تاہم یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن حکیم میں معذوروں کو ان ضوابط سے مستثنٰی قرار دیا گیا ہے:

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْمَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ○(۱)

’’اندھے پر کوئی رکاوٹ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے (کوئی مضائقہ ہے) کہ تم اپنے گھروں سے (کھانا) کھالو یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن گھروں کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (کھانا کھا لینے میں مضائقہ نہیں)، تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم سب کے سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ، پھر جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنی (گھر والوں) پر سلام کہا کرو، (یہ) اللہ کی طرف سے بابرکت پاکیزہ دعا ہے، اس طرح اللہ اپنی آیتوں کو تمہارے لئے واضح فرماتا ہے تاکہ تم (احکامِ شریعت اور آدابِ زندگی کو) سمجھ سکو○‘‘

iii۔ جہاد اور دِفاعی ذِمّہ داریوں سے اِستثناء کا حق

قرآن حکیم نے اِسلامی ریاست کے فروغ اور غلبہ دینِ حق کی جدوجہد کے لئے جہاد میں حصہ لینے کو ایمان و استقامت کی جانچ کے معیار کے طور پر بیان کیا اور اس بنیادی ذمہ داری سے راہِ فرار اختیار کرنے کو عذاب الیم کا سبب قرار دیا۔ تاہم معذور اَفراد کو اس کلیدی اور بنیادی ذمہ داری سے مستثنیٰ قرار دیا گیا:

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا○(۲)

---

(۱) القرآن، النور، ۲۴: ۶۱

(۲) القرآن، الفتح، ۴۸: ۱۷

’’نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے نہ لنگڑے پر کوئی گناہ اور نہ بیمار پر کوئی گناہ (کہ وہ جہاد میں شریک نہ ہو سکے)، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور جو کوئی رُوگردانی کرے گا (اللہ) اسے دردناک عذاب دے گا (جہاد پر جانا اور جہاد سے رکنا سب اللہ کے حکم کے تحت ہونا چاہیے)o‘‘

گویا قانونِ اسلام نے معذوروں کے ناقابل برداشت ذمہ داریوں سے مستثنیٰ قرار دیئے جانے کو ان کا بنیادی حق قرار دیا۔ اسلام کی تعلیمات سے یہ امر واضح ہے کہ:

(۱) اِسلام معذور اَفراد کو معاشرے کا قابلِ احترام اور باوقار حصہ بنانے کی تلقین کرتا ہے۔

(۲) اِسلام اس اَمر کی تعلیم دیتا ہے کہ معذور اَفراد کو خصوصی توجہ دی جائے اور انہیں یہ احساس قطعاً نہ ہونے دیا جائے کہ انہیں زندگی کے کسی بھی شعبے میں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

(۳) معاشرتی اور قومی زندگی میں ان پر کسی بھی ایسی ذمہ داری کا بوجھ نہ ڈالا جائے جو ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہو۔

(۴) اسلام کے عطا کردہ جملہ حقوق کی عطائیگی میں معذوروں کو ترجیحی مقام دیا جائے تاکہ معاشرے میں ان کے اِستحصال یا محرومی کی ہر راہ مسدود ہو جائے۔

باب پنجم

غیر مسلموں کے حقوق

اسلام شرفِ اِنسانیت کا علمبردار دین ہے۔ ہر فرد سے حسن سلوک کی تعلیم دینے والے دین میں کوئی ایسا اصول یا ضابطہ روا نہیں رکھا گیا جو شرف انسانیت کے منافی ہو۔ دیگر طبقات معاشرہ کی طرح اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو بھی ان تمام حقوق کا مستحق قرار دیا گیا ہے، جن کا ایک مثالی معاشرے میں تصور کیا جاسکتا ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کی اساس معاملات دین میں جبر و اکراہ کے عنصر کی نفی کر کے فراہم کی گئی:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَاانْفِصَامَ لَهَا ط وَاللهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌO(۱)

’’دین میں کوئی زبردستی نہیں، بیشک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہوچکی ہے، سو جو کوئی معبودانِ باطل کا انکار کردے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لیے ٹوٹنا (ممکن) نہیں، اور اللہ خوب جاننے والا ہےo‘‘

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَ لِيَ دِيْنِO(۲)

’’(سو) تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے ہےo‘‘

اسلامی معاشرے میں اقلیتوں کے حقوق کو کتنی زیادہ اہمیت دی گئی ہے اس کا

---

(۱) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۵۶

(۲) القرآن، الکفرون، ۱۰۹: ۶

اندازہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان مبارک سے ہوتا ہے:

ألا من ظلم معاهداً او انتقصه او کلفه فوق طاقته او اخذ منه شيئا بغير طيب نفس فانا حجيجه يوم القيامة (۱)

’’خبردار! جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اس کا حق غصب کیا یا اُس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو بروز قیامت میں اس کی طرف سے (مسلمان کے خلاف) جھگڑوں گا۔‘‘

یہ صرف ایک تنبیہ ہی نہیں بلکہ ایک قانون ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے دورِ مبارک میں اسلامی مملکت میں جاری تھا، جس پر بعد میں بھی عمل درآمد ہوتا رہا اور اب بھی یہ اسلامی دستورِ مملکت کا ایک حصہ ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

ان رجلا من المسلمين قتل رجلا من أهل الكتاب، فرفع الى النبی ﷺ، فقال رسول الله ﷺ: أنا أحق من وفی بذمته، ثم أمر به فقتل۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ ابوداود، السنن، ۳: ۱۷۰، رقم: ۳۰۵۲
۲۔ ابن ابی حاتم، الجرح والتعدیل، ۱: ۲۰۱
۳۔ منذری، الترغیب والترھیب، ۴: ۷، رقم: ۴۵۵۸
۴۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۸: ۱۱۵
۵۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۲: ۲۸۵، رقم: ۲۳۴۱

(۲) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۰
۲۔ شافعی، المسند، ۱: ۳۴۳
۳۔ ابونعیم، مسند ابی حنیفہ، ۱: ۱۰۴
۴۔ شافعی، الام، ۷: ۳۲۰
۵۔ شیبانی، المبسوط، ۴: ۴۸۸

←

’’ایک مسلمان نے ایک اہل کتاب کو قتل کر دیا اور وہ مقدمہ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس فیصلہ کے لئے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اہل ذمہ کا حق ادا کرنے کا سب سے زیادہ ذمہ دار ہوں چنانچہ آپ ﷺ نے قاتل کے بارے میں قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ اقلیتوں کے بارے مسلمانوں کو ہمیشہ متنبہ فرماتے تھے، چنانچہ ایک دن آپ ﷺ نے معاہدین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وان ريحها توجد من مسيرة اربعين عاما۔(۱)

’’جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے۔‘‘

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ جنت سے بہت دُور رکھا جائے گا دراصل یہ تنبیہات اس قانون پر عمل درآمد کروانے کے لئے ہیں جو اسلام نے اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے

...... ۶۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ۲: ۲۹۹
۷۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۱۲۶
۸۔ زیلعی، نصب الرایہ، ۴: ۳۳۶
۹۔ مبارکپوری، تحفۃ الاحوذی، ۴: ۵۵۷

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۱۵۴، رقم: ۲۹۹۵
۲۔ ابن ماجہ، السنن، ۲: ۸۹۶، رقم: ۲۶۸۶
۳۔ ربیع، المسند، ۱: ۳۶۷، رقم: ۹۵۶
۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۳۳
۵۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۲۰۴، رقم: ۳۶۹۳
۶۔ صنعانی، سبل السلام، ۴: ۶۹
۷۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷: ۱۵۵

لئے عطا کیا۔

غیر مسلموں کے جو بیرونی وفود حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آتے ان کی حضور نبی اکرم ﷺ خود میزبانی فرماتے چنانچہ جب مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حبشہ کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور ان کی مہمان نوازی خود اپنے ذمہ لی اور فرمایا:

انهم كانوا لأصحابنا مكرمين، و انى أحب أن أكافئهم(۱)

''یہ لوگ ہمارے ساتھیوں کے لئے ممتاز و منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے میں نے پسند کیا کہ میں بذات خود ان کی تعظیم و تکریم اور مہمان نوازی کروں۔''

ایک دفعہ نجران کے عیسائیوں کا چودہ رکنی وفد مدینہ منورہ آیا۔ آپ نے اس وفد کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور اس وفد میں شامل مسیحیوں کو اجازت دی کہ وہ اپنی نماز اپنے طریقہ پر مسجد نبوی میں ادا کریں چنانچہ یہ مسیحی حضرات مسجد نبوی کی ایک جانب مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے۔(۲)

حضور نبی اکرم ﷺ کی ان تعلیمات کی روشنی میں چودہ سو سال گزرنے کے باوجود آپ ﷺ کے زمانے سے لے کر ہر اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو حقوق کا تحفظ حاصل رہا۔

اقلیتوں سے حضور نبی اکرم ﷺ کے حسن سلوک کا نتیجہ تھا کہ ان کا برتاؤ بھی

---

(۱) ا۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۵۱۸، رقم: ۹۱۲۵
۲۔ صیداوی، معجم الشیوخ، ۱: ۹۷
۳۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۳۱

(۲) ا۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۳۵۷
۲۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۴: ۴
۳۔ ابن قیم، زاد المعاد، ۳: ۶۲۹

آپ ﷺ کے ساتھ احترام پر مبنی تھا۔ ایک جنگ میں آپ ﷺ کا حلیف ایک یہودی جب مرنے لگا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تیری بڑی جائیداد ہے اس کا وارث کون ہو گا؟ تو اس یہودی نے کہا محمد رسول اللہ ﷺ میری جائیداد کے وارث ہوں گے۔ اسلامی ریاست میں اقلیتوں سے حسن سلوک کا ایک غیر مسلم کی طرف سے اعتراف تھا۔

آپ ﷺ کا اہل کتاب کے علاوہ مشرکین (بت پرست اقوام) سے بھی جو برتاؤ رہا اس کی بھی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ مشرکین مکہ و طائف نے آپ ﷺ پر بے شمار مظالم ڈھائے، لیکن جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ ﷺ کے ایک انصاری کمانڈر سعد بن عبادۃ نے ابوسفیان سے کہا:

الیوم یوم الملحمۃ

”آج لڑائی کا دن ہے۔“

یعنی آج کفار سے جی بھر کر انتقام لیا جائے گا تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے اور ان سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس کے سپرد کر دیا اور ابوسفیان سے فرمایا:

الیوم یوم المرحمۃ(۱)

”(آج لڑائی کا نہیں بلکہ) آج رحمت کے عام کرنے (اور معاف کر دینے) کا دن ہے۔“

پھر آپ ﷺ نے اپنے مخالفین سے پوچھا کہ بتاؤ میں آج تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟ تو اُنہوں نے کہا کہ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خطا کار بھائیوں کے ساتھ برتاؤ کیا تھا آپ ﷺ سے بھی وہی توقع ہے۔ اس جواب پر آپ ﷺ نے وہی

(۱) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۹
۲۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب، ۲: ۵۹۷
۳۔ حلبی، انسان العیون، ۳: ۲۲
۴۔ خزاعی، تخریج الدلالات السمعیہ، ۱: ۳۴۵

جملہ ارشاد فرمایا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لئے فرمایا تھا: **لا تثریب علیکم الیوم، اذھبوا فانتم الطلقاء**(یعنی تم سے آج کوئی پوچھ گچھ نہیں تم سب آزاد ہو)۔(۱)

حضور نبی اکرم ﷺ کا بڑا دُشمن ابوسفیان تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا **من دخل دار ابی سفیان فھو آمن** (جو ابوسفیان کے گھر میں آج داخل ہوا وہ امن میں ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کو اس طرح پورا کیا کہ جو بھی اس دن ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا اسے امان مل گئی۔(۲)

مکہ مکرمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی مخالفت کرنے میں سب سے زیادہ دو

---

(۱) ۱۔ سیوطی، الجامع الصغیر، ۱: ۲۲۰، رقم: ۳۶۸
۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۱۸
۳۔ مناوی، فیض القدیر، ۵: ۱۷۱

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۴۰۶، رقم: ۱۷۸۰
۲۔ ابو داؤد، السنن، ۳: ۱۶۲، رقم: ۳۰۲۱
۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷: ۳۹۸، رقم: ۳۶۹۰۰
۴۔ عبدالرزاق، المصنف، ۵: ۳۷۶
۵۔ دارقطنی، السنن، ۳: ۶۰، رقم: ۲۳۳
۶۔ ابوعوانہ، المسند، ۴: ۲۹۰
۷۔ البزار، المسند، ۴: ۱۲۲، رقم: ۱۲۹۲
۸۔ طحاوی، شرح معانی الاثار، ۳: ۳۲۱
۹۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۶: ۳۴، رقم: ۱۰۹۶۱
۱۰۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۸
۱۱۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۱۷۵
۱۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۸: ۱۲
۱۳۔ فاکہی، اخبار مکہ، ۳: ۲۷۷

اشخاص کا دخل تھا وہ ابولہب کے بیٹے تھے جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ایذائیں دی تھیں۔ فتح مکہ کے روز یہ دونوں گستاخ کعبۃ اللہ کے پردوں کے پیچھے جا چھپے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کو خود کعبۃ اللہ کے پردوں کے پیچھے سے نکالا اور معاف کر دیا۔(۱)

ا۔ قانون کی نظر میں اقلیتوں کا مساوی مقام

امام ابو یوسف اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''کتاب الخراج'' میں لکھتے ہیں کہ عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں تعزیرات اور دیوانی قانون دونوں میں مسلمان اور غیر مسلم اقلیت کا درجہ مساوی تھا(۲)۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں ایک دفعہ ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا۔ حضور ﷺ نے قصاص کے طور پر اس مسلمان کے قتل کئے جانے کا حکم دیا اور فرمایا:

أنا أحق من أوفی بذمته(۳)

''غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت میرا سب سے اہم فرض ہے۔''

---

(۱) زیلعی، نصب الرایہ، ۳:۳۳۶

(۲) ابو یوسف، کتاب الخراج : ۱۸۷

(۳) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸ : ۳۰

۲۔ شافعی، المسند، ۱:۳۴۳

۳۔ مبارکپوری، تحفۃ الأحوذی، ۴:۵۵۷

۴۔ زیلعی، نصب الرایۃ، ۴:۳۳۶

۵۔ ابونعیم، مسند ابی حنیفۃ، ۱:۱۰۴

۶۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۱۲۶

۷۔ شیبانی، المبسوط، ۴:۴۸۸

۸۔ شافعی، الام، ۷:۳۲۰

۹۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ۲:۲۹۹

دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے انا أکرم من وفی ذمته فرمایا۔(۱)

آپ ﷺ کی اس تعلیم پر عمل درآمد کے بے شمار نظائر دورِ خلافت راشدہ میں بھی ملتے ہیں:

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مسلمان کو پکڑ کر لایا گیا جس نے ایک غیر مسلم کو قتل کیا تھا۔ پورا ثبوت موجود تھا۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قصاص میں اس مسلمان کو قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ قاتل کے ورثاء نے مقتول کے بھائی کو معاوضہ دے کر معاف کرنے پر راضی کر لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے اسے فرمایا:

لعلهم فزعوك او هددوك ۔

''شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرا دھمکا کر تجھ سے یہ کہلوایا ہو۔''

اس نے کہا نہیں بات دراصل یہ ہے کہ قتل کئے جانے سے میرا بھائی تو واپس آنے سے رہا اور اب یہ مجھے اس کی دیت دے رہے ہیں، جو پسماندگان کے لئے کسی حد تک کفایت کرے گی۔ اس لئے خود اپنی مرضی سے بغیر کسی دباؤ کے میں معافی دے رہا ہوں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اچھا تمہاری مرضی۔ تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو۔ لیکن بہرحال ہماری حکومت کا اُصول یہی ہے کہ:

من كان له ذمتنا فدمه، كدمنا، و ديته، كديتنا(۲)

---

(۱) ۱۔ دارقطنی، السنن، ۳: ۱۳۴
۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۰
۳۔ عسقلانی، ۲: ۲۶۲، رقم: ۱۰۰۹
۴۔ صنعانی، سبل السلام، ۳: ۲۳۵
۵۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۷: ۱۵۳

(۲) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۴
۲۔ ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۸۷

←

’’جو ہماری غیر مسلم رعایا میں سے ہے اس کا خون اور ہمارا خون برابر ہے اور اس کی دیت ہماری دیت ہی کی طرح ہے‘‘

۲۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إذا قتل المسلم النصرانی قتل به۔(۱)

’’اگر کسی مسلمان نے عیسائی کو قتل کیا تو مسلمان (عوضاً) قتل کیا جائیگا۔‘‘

۳۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

دية اليهودی والنصرانی والمجوسی مثل دية الحر المسلم۔(۲)

’’یہودی، عیسائی اور مجوسی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔‘‘

------ ۳۔شافعی، المسند :۳۴۴
۴۔شافعی، الام، ۷:۳۲۱
۵۔شیبانی، الحجہ،۴:۳۵۵
۶۔زیلعی، نصب الرایہ،۴:۳۳۷
۷۔عسقلانی، الدرایہ،۲:۲۶۳
۸۔شوکانی، نیل الاوطار، ۷:۱۵۴

(۱) ۱۔شیبانی، الحجۃ،۴: ۳۴۹
۲۔شافعی، الام، ۷: ۳۲۰

(۲) ۱۔شیبانی، الحجۃ،۴: ۳۲۲
۲۔ابن ابی شیبۃ، المصنف، ۵: ۴۰۷، رقم: ۲۷۴۴۸
۳۔عبدالرزاق، المصنف، ۱۰: ۹۵، ۹۷، ۹۹
۴۔ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ۲: ۳۱۰
۵۔صنعانی، سبل السلام، ۳: ۲۵۱
۶۔زیلعی، نصب الرایۃ، ۴: ۳۶۸
۷۔عسقلانی، الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ، ۲: ۲۷۶

اسی قول کی بنا پر فقہا نے یہ اصول تشکیل دیا کہ اگر مسلمان کسی ذمی کو بلا ارادہ قتل کر دے تو اس کی دیت بھی وہی ہوگی جو مسلمان کو بلا ارادہ قتل کرنے سے لازم آتی ہے۔(۱)

۴۔ ایک دفعہ حضرت عمرو بن عاص والی مصر کے بیٹے نے ایک غیر مسلم کو ناحق سزا دی۔ خلیفۂ وقت امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب اس کی شکایت ہوئی تو اُنہوں نے سرعام گورنر مصر کے بیٹے کو اس غیر مسلم مصری سے سزا دلوائی اور ساتھ ہی فرمایا:

متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا۔(۲)

’’تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام سمجھ لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔‘‘

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا، اس پر:

فکتب فیه عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان یدفع الی اولیاء المقتول فان شاؤوا قتلوا و ان شاؤوا اعفوا فدفع الرجل إلی ولي المقتول إلی رجل فقتله۔(۳)

---

(۱) ۱۔ حصکفی، الدر المختار، ۲: ۲۲۳

۲۔ ابن عابدین شامی، رد المحتار، ۳: ۲۷

(۲) ۱۔ حسام الدین، کنز العمال، ۲: ۴۵۵

۲۔ اسماعیل محمد میقا، مبادی اسلام ومنھجہ: ۲۷

(۳) ۱۔ بیہقی، السنن الکبری، ۸: ۳۲

۲۔ شافعی، الام، ۷: ۳۲۱

۳۔ شیبانی، الحجۃ، ۴: ۳۳۵

۴۔ زیلعی، نصب الرایۃ، ۴: ۳۳۷

”آپ نے حکم دیا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالہ کیا جائے۔ اگر وہ چاہیں قتل کر دیں ورنہ معاف کر دیں۔ چنانچہ وہ مقتول کے وارث کو دے دیا گیا اور اس نے اسے قتل کر دیا۔“

۶۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قتل کا فتویٰ دے دیا گیا تھا، کیونکہ انہوں نے ہرمزان، جفینہ اور ابولولو کی بیٹی کو اس شبہ میں قتل کر دیا تھا کہ شاید وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں شریک تھے۔(۱)

۷۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ابن شاس جذامی نے شام کے کسی علاقے میں ایک شخص کو قتل کر دیا، معاملہ حضرت عثمان تک پہنچنے پر آپ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مداخلت پر آپ نے ایک ہزار دینار دیت مقرر کی۔(۲)

۸۔ عظیم محدث ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں:

ان دیة المعاهد فی عهد ابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم **مثل دیة الحر المسلم۔(۳)**

”بیشک ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے دور میں ذمی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر تھی۔“

۲۔ قانون کے نفاذ میں مساوات کا حق

اسلامی ریاست میں تعزیرات میں ذمی اور مسلمان کا درجہ مساوی ہے۔ جرائم کی

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۵:۱۷
۲۔ عسقلانی، الدرایہ، ۲:۲۶۳
(۲) شافعی، المسند، ۱:۳۴۴
(۳) ۱۔ شیبانی، الحجۃ، ۴:۳۵۱
۲۔ شافعی، الام، ۷:۳۲۱

جو سزا مسلمان کو دی جائے گی وہی ذمی کو بھی دی جائے گی۔ ذمی کا مال مسلمان چرائے یا مسلمان کا مال ذمی چرائے دونوں صورتوں میں سزا یکساں ہوگی۔(۱)

دیوانی قانون میں بھی ذمی اور مسلمان کے درمیان کامل مساوات ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد **أموالهم كأموالنا**[۲] کے معنی ہی یہ ہیں کہ ان کے مال کی ویسی ہی حفاظت ہونی چاہیے جیسی مسلمانوں کے مال کی ہوتی ہے۔ اس باب میں ذمیوں کے حقوق کا اتنا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان ان کی شراب یا ان کے خنزیر کو بھی تلف کر دے تو اس پر ضمان لازم آئے گا۔ الدرالمختار میں ہے:

و يضمن المسلم قيمة خمره و خنزيره اذا اتلفه(۳)

''مسلمان اس کی شراب اور اس کے سور کی قیمت ادا کرے گا اگر وہ اسے تلف کر دے۔''

ذمی کو زبان یا ہاتھ پاؤں سے تکلیف پہنچانا، اس کو گالی دینا، مارنا پیٹنا یا اس کی غیبت کرنا، اسی طرح ناجائز ہے جس طرح مسلمان کے حق میں ناجائز ہے۔:

و يجب كف الاذى عنه و تحرم غيبته كالمسلم(۴)

''غیر مسلم سے اذیت کو روکنا اسی طرح واجب ہے جس طرح مسلمان سے اور اس کی غیبت کرنا بھی اسی طرح حرام ہے۔''

---

(۱) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۰۸، ۱۰۹
(۲) ابن قدامہ، المغنی، ۹:۲۸۹
(۳) ۱۔ حصکفی، الدرالمختار، ۲: ۲۲۳
۲۔ ابن عابدین شامی، ردالمحتار، ۳: ۲۷۳
(۴) ۱۔ حصکفی، الدرالمختار، ۲: ۲۲۳
۲۔ ابن عابدین شامی، الدالمحتار، ۳: ۲۷۳۔۲۷۴

۳۔ نجی زندگی اور شخصی رازداری کا حق

مملکت اسلامیہ میں ہر فرد کو نجی زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے کہ کوئی شخص بغیر اس کی اجازت اور رضا مندی کے اس کے گھر میں داخل نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ ہر شخص کا مکان نجی اور پرائیویٹ معاملات کا مرکز اور اس کے بال بچوں کا مستقر ہوتا ہے۔ اس حق پر دست درازی خود فرد کی شخصیت پر دست درازی ہے اور یہ کسی طرح جائز نہیں۔ گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے کی صریح ممانعت آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ○ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ○(۱)

’’اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے، توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے ○ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو وہاں داخل نہ ہو جب تک کہ تمہیں اجازت نہ دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے○‘‘

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو بھی نجی زندگی اور شخصی رازداری کا حق اسی طرح حاصل ہے جس طرح مسلمانوں کو؛ اس لئے کہ اسلامی قانون نے ان کے لئے یہ اُصول طے کیا ہے کہ جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہ ان کو بھی حاصل ہوں گے اور جو ذمہ داریاں مسلمانوں پر ڈالی گئی ہیں وہ ان پر بھی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بقول ان سے جزیہ اس لئے لیا جاتا ہے تا کہ ان کے جان و مال کی اسی طرح حفاظت کی جا سکے جس طرح ہمارے

(۱) القرآن، النور، ۲۴: ۲۷، ۲۸

جان و مال کی حفاظت ہوتی ہے۔(۱)

۴۔ مذہبی آزادی کا حق

اسلام خدائے واحد کی بندگی کی دعوت دیتا ہے لیکن دوسرے مذاہب کے لوگوں پر اپنے عقائد بدلنے اور اسلام قبول کرنے کے لئے دباؤ نہیں ڈالتا، نہ کسی جبر و اکراہ سے کام لیتا ہے۔ دعوتِ حق اور جبر و اکراہ بالکل الگ حقیقتیں ہیں۔ اسلام کے پیغام حق کے ابلاغ کا قرآنِ حکیم نے یوں بیان کیا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ○(۲)

’’(اے رسول معظم) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو بیشک آپ کا رب اس شخص کو (بھی) خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہے○‘‘

اسلام نے ایسے طریق دعوت سے منع کیا جس سے کسی فریق کی مذہبی آزادی متاثر ہوتی ہو، دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔(۳)

’’دین میں کوئی زبردستی نہیں بیشک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔‘‘

---

(۱) ابن قدامہ، المغنی، ۹:۲۸۹

(۲) القرآن، النحل، ۱۶:۱۲۵

(۳) القرآن، البقرہ، ۲:۲۵۶

شریعت کی یہ حکمت عملی ہے کہ غیر مسلموں کو ان کے مذہب و مسلک پر برقرار رہنے کی پوری آزادی ہو گی۔ اسلامی مملکت ان کے عقیدہ و عبادت سے تعرض نہ کرے گی۔ اہلِ نجران کو حضور نبی اکرم ﷺ نے جو خط لکھا تھا اس میں یہ جملہ بھی درج تھا:

ولنجران وحاشيتهم جوار الله و ذمة محمد النبی رسول الله علی انفسهم وملتهم و ارضهم و اموالهم و غائبهم و شاهدهم و بيعهم و صلواتهم لا يغيروا اسقفاعن اسقفيته ولا راهبا عن رهبانية ولا و اقفا عن و قفانيته و كل ما تحت ايديهم من قليل اوكثير۔(۱)

''نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ اور اُس کے رسول محمد ﷺ کی پناہ حاصل ہے۔ ان کی جانیں، ان کی شریعت، زمین، اموال، حاضر و غائب اشخاص، ان کی عبادت گاہوں اور ان کے گرجا گھروں کی حفاظت کی جائے گی۔ کسی پادری کو اس کے مذہبی مرتبے، کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کسی صاحب منصب کو اس کے منصب سے ہٹایا نہیں جائے گا اور ان کی زیر ملکیت ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی۔''

مختلف ادوار میں گرجا گھر اور کلیسے اسلامی حکومت میں موجود رہے ہیں۔ کبھی بھی انہیں ادنیٰ گزند تک نہیں پہنچائی گئی بلکہ حکومت نے ان کی حفاظت کی ہے اور غیر مسلموں کو ان میں عبادات کی انجام دہی کے لئے سہولیات فراہم کی ہیں۔

اقلیتوں کے شخصی معاملات بھی ان کی شریعت (personal law) کے مطابق طے کیے جائیں گے، اسلامی قانون ان پر نافذ نہیں کیا جائے گا۔ جن افعال کی حرمت ان کے مذہب میں بھی ثابت ہے ان سے تو وہ ہر حال میں منع کئے جائیں گے، البتہ جو افعال ان کے ہاں جائز اور اسلام میں ممنوع ہیں انہیں وہ اپنی بستیوں میں آزادی کے ساتھ

---

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۲۸، ۳۵۸

۲۔ ابو یوسف، کتاب الخراج: ۷۸

کرسکیں گے اور خالص اسلامی آبادیوں میں حکومت اسلامیہ کو اختیار ہوگا کہ انہیں آزادی دے یا نہ دے:

ولا يمنعون من اظهار شيئ مما ذكرنا من بيع الخمر والخنزير و الصليب و ضرب الناقوس فى قرية او موضع ليس من امصار المسلمين ولو كان فيه عدد كثير من أهل الاسلام وانما يكره ذلك فى امصار المسلمين و هى التى يقام فيها الجمع والاعياد و الحدود، و اما اظهار فسق يعتقدون حرمته كا لزنا و سائر الفواحش التى هى حرام فى دينهم فانهم يمنعون من ذلك سواء كانوا فى امصار المسلمين او فى امصارهم۔(۱)

’’جو بستیاں اور مقامات مسلمانوں کے شہروں میں سے نہیں ہیں ان میں ذمیوں کو شراب وخنزیر بیچنے اور صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے نہیں روکا جائے گا خواہ وہاں مسلمانوں کی کتنی ہی کثیر تعداد آباد ہو۔ البتہ یہ افعال مسلمان آبادی کے شہر میں مکروہ ہیں جہاں جمعہ وعیدین اور حدود قائم کی جاتی ہوں۔ رہا وہ فسق جس کی حرمت کے وہ بھی قائل ہیں، مثلا زنا اور دوسرے تمام فواحش جو ان کے دین میں بھی حرام ہیں تو اس کے اظہار سے ان کو ہرحال میں روکا جائیگا خواہ مسلمانوں کے شہر میں ہوں یا خود ان کے اپنے شہر میں۔‘‘

یعنی اقلیتیں اپنی قدیم عبادت گاہوں کے اندر رہ کر اپنے تمام مذہبی اُمور بجا لا سکتے ہیں، حکومتِ اسلامیہ اس میں دخل دینے کی مجاز نہیں ہے۔ تاہم اس ذیل میں اقلیتوں کو مسلمانوں کے شعائر مذہبی کے احترام کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ:

أيمامصر مصرته العرب فليس للعجم ان يبنوا فيه بناء بيعة ولا يضربوا فيه ناقوسا ولا يشربوا فيه خمراً ولا يتخذوا فيه خنزيراً

(۱) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۳

أیما مصر کانت العجم مصرته یفتحه اللہ علی العرب فنزلوا علی حکمهم فللعجم ما فی عهدهم وللعجم علی العرب ان یوفوا بعهدهم۔(۱)

''جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہے ان میں ذمیوں کو یہ حق نہیں ہے کہ نئی عبادت گاہیں اور کنائس تعمیر کریں، یا ناقوس بجائیں، شرابیں پئیں اور سور پالیں۔ باقی رہے وہ شہر جو عجمیوں کے آباد کئے ہوئے ہیں اور جن کو اللہ نے عربوں (یعنی مسلمانوں) کے ہاتھ پر فتحیاب کیا اور انہوں نے مسلمانوں کے حکم پر اطاعت قبول کر لی تو عجم کے لئے وہی حقوق ہیں جو ان کے معاہدے میں طے ہو جائیں اور عرب پر ان کا ادا کرنا لازم ہے۔''

مرتد کی سزا اور آزادی عقیدہ

وہ مسلمان جو دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے اس کا معاملہ اقلیتوں سے مختلف ہو گا۔ اگر کوئی مسلمان احکام اسلام کا پابند ہونے اور اس کے عقیدہ پر ایمان لانے کے بعد اگر اس سے پلٹتا ہے تو وہ گویا اس ارتداد سے فتنہ کا دروازہ کھول دیتا ہے اور مملکت سے بغاوت کرتا ہے جو موجب سزا ہے اس لئے کہ وفائے عہد سے برگشتگی ملکی قانون سے بغاوت اور بہت بڑا جرم ہے اور یہ امر دورِ جدید کے قانون میں بھی معروف و متعین ہے۔جسکی سزا اکثر ریاستی قوانین میں موت مقرر کی گئی ہے۔

---

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶: ۴۶۷، رقم: ۳۲۹۸۲
۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۰۲
۳۔ ابن قدامہ، المغنی، ۹: ۲۸۳
۴۔ مقدسی نے 'الفروع (۶: ۲۵۰)، میں مختصراً ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔
۵۔ زرعی، احکام اہل الذمہ، ۳: ۱۱۸۱، ۱۱۹۵، ۱۲۳۵
۶۔ ابن ضویان، منار السبیل، ۱: ۲۸۳

ارتداد کی سزا کے نظائر دنیا کے اکثر آئینی و دساتیری قوانین میں موجود ہیں۔ اسلام نے مرتد کو بھی سزا دینے سے قبل راہ راست کی قبولیت کا موقع پانے کا حق عطا کیا ہے۔ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں:

و اذا ارتد المسلم عن الاسلام عرض علیه الاسلام فان اسلم و الا قتل مکانهٖ الا ان یطلب ان یوجله، فان طلب ذلك اجل ثلاثة ایام۔(۱)

''اگر کوئی مسلمان اسلام سے برگشتہ ہوجائے تو اسے دوبارہ اسلام کی دعوت دی جائے گی۔ اگر وہ اسلام قبول کرلے تو خوب، بصورت دیگر اسے فوراً قتل کردیا جائے گا، تاہم اگر وہ غور وفکر کے لئے کچھ مہلت طلب کرے تو اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی۔''

اگر ارتداد کا ارتکاب عورت نے کیا ہو تو اسے مرد مرتد کی نسبت رجوع الی الحق کے زیادہ مواقع فراہم کئے جائیں گے:۔

ولا تقتل المرتدة ولکنها تحبس ابدا حتی تسلم بلغنا عن ابن عباس انه قال: اذا ارتدت المرأة عن الاسلام حبست ولم تقتل و بلغنا عن رسول اللهﷺ انه نهی عن قتل نساء المشرکین فی الحرب فادر ألقتل عنها بهذا ومالها و کسوتها کله لها. وافعالها فی البیع والشریٰ والعتق والهبة کلها جائزة۔(۲)

''مرتد ہوجانے والی عورت کو سزائے موت نہیں دی جائے گی بلکہ اسے عمر قید کی سزا دی جائے گی یا اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک وہ دوبارہ اسلام قبول نہ کرلے۔ ہم تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فرماں پہنچا ہے کہ جب کوئی

(۱) شیبانی، السیر الصغیر: ۳۸

(۲) شیبانی، السیر الصغیر: ۴۱

عورت ارتداد اختیار کرے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید کیا جائے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی میدان جنگ میں مشرکین کی عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اس معاملے میں بھی میں انہیں قتل سے بچانا چاہوں گا۔ اس کی املاک و اموال اس کی ملکیت رہیں گے۔ اور اس کے خرید و فروخت، غلاموں کی آزادی، اور ہدیہ سے متعلق معاہدے و افعال معتبر ہوں گے۔''

و اذا رفعت المرتدة الی الامام فقالت: ما ارتددت، و انا اشهد ان لا اله الا الله و ان محمد رسول الله کان هذا توبة منها۔(۱)

''جب کسی مرتدہ کو حاکم کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ اپنے ارتداد کا انکار کرتے ہوئے کہے میں اس کی گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں تو یہ اس کی توبہ تصور کی جائے گی (اور اسے سزا نہیں ہوگی)۔''

۵۔ اقتصادی اور معاشی آزادی کا حق

غیر مسلم پر اسلامی حکومت میں کسب معاش کے سلسلہ میں کسی قسم کی پابندی نہیں ہے، وہ ہر کاروبار کر سکتا ہے جو مسلمان کرتے ہوں۔ سوائے اس کاروبار کے جو ریاست کے لئے اجتماعی طور پر نقصان کا سبب ہو۔ وہ جس طرح مسلمانوں کے لئے ممنوع ہوگا، اُسی طرح ان کے لئے بھی ممنوع ہوگا، مثلاً سودی کاروبار، جو بالآخر پوری سوسائٹی کے لئے ہلاکت کا باعث بنتا ہے یا دیگر اس نوعیت کے کام وغیرہ۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اہل نجران کو لکھا:

إما أن تذروا الربا و إما أن تأذنوا بحرب من الله ورسوله۔(۲)

(۱) شیبانی، السیر الصغیر: ۴۲

(۲) ۱۔ جصاص، احکام القرآن، ۴: ۸۹

۲۔ جصاص، الفصول فی الاصول، ۲: ۳۷

''سود چھوڑ دو یا اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

احکام القرآن میں آیت **وأخذهم الربا و قد نهوا عنه و اكلهم اموال الناس بالباطل** اور **يايها الذين امنوا لا تكلوا اموالكم بينكم بالباطل** کے تحت امام جصاص فرماتے ہیں:

فسوى بينهم و بين المسلمين فى المنع من الربا(۱)

''اللہ تعالیٰ نے ان (ذمیوں) اور مسلمانوں کے درمیان سود کی ممانعت کو برابر قرار دیا ہے۔''

اس اُصول کے علاوہ جو تجارت ان کو پسند ہو کریں، یہاں تک کہ وہ اپنے محلوں اور شہروں میں خنزیر اور شراب بھی رکھ سکتے ہیں، ان کی خرید و فروخت کر سکتے ہیں۔ درِمختار میں ہے:

ويضمن المسلم قيمة خمره و خنزير اذا اتلفه(۲)

''یعنی اگر کوئی مسلمان غیر مسلم اقلیتی فرد کی شراب یا خنزیر کو نقصان پہنچائے گا تو اسے اس کا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔''

لیکن یہ چیزیں وہ مسلمانوں کے شہروں میں نہ لائیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کے ہاتھ بیچیں گے۔(۳)

پیشوں کے اعتبار سے وہ کوئی بھی پیشہ اختیار کر سکتے ہیں اور مسلمانوں کو اُجرت پر ان سے کام کروانے کی کسی قسم کی ممانعت نہیں ہے۔ اسلام میں کسی پیشہ کی وجہ سے کسی غیر مسلم سے کسی بھی نوعیت کی کوئی دوری رکھنے کا ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملتا، تجارتی معاملات

(۱) جصاص، احکام القرآن، ۴: ۸۹

(۲) ۱۔ علاؤالدین حصکفی، الدر المختار، ۲: ۲۲۳

۲۔ ابن عابدین شامی، رد المحتار، ۳: ۲۷۳

(۳) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۳

میں جو ٹیکس مسلمان دیتے ہیں وہ ان کو بھی دینا ہو گا۔

۶۔ اِجتماعی کفالت میں اقلیتوں کا حق

جس طرح اسلامی بیت المال کسی مسلمان کے معذور ہو جانے یا بوجہ عمر رسیدگی اور غربت کے محتاج ہو جانے پر کفالت کی ذمہ داری لیتا ہے اسی طرح اسلامی بیت المال پر ایک غیر مسلم کے معذور ہونے یا عاجز ہونے کی صورت میں اس کی کفالت لازم ہے۔

کتاب الاموال میں ابوعبید نے حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے:

أن رسول اللهﷺ تصدق صدقه علی اهل بیت من الیهود فهی تجری علیهم۔(۱)

''رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ایک گھرانہ کو صدقہ دیا اور (حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی) وہ انہیں دیا جارہا ہے۔''

حضرت زید بن ہاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إن صفیة زوج النبیﷺ، تصدقت علی ذوی قرابة لها، فهما یهودیان، فبیع ذلك بثلاثین الفا ۔(۲)

''بے شک ام المومنین نبی اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرۃ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے رشتہ داروں کو صدقہ دیا حالانکہ وہ دونوں یہودی تھے جو تیس ہزار (درہم)

(۱) ۱۔ ابو عبید، کتاب الاموال:۱۹۹۲
۲۔ زیلعی، نصب الرایہ، ۲:۳۹۸
۳۔ سیواسی، شرح فتح القدیر، ۲:۲۶۷
۴۔ عسقلانی، الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ، ۱:۲۶۶

(۲) ابو عبید، کتاب الاموال، ۱۹۹۳

کے عوض فروخت کیا گیا۔‘‘

عمرو بن میمون، عمرو بن شرجیل اور مرۃ ہمذانی سے روایت کیا گیا ہے کہ:

انهم کانوا يعطون الرهبان من صدقة الفطر۔(۱)

’’وہ راہبوں کو صدقہ فطر میں سے دیتے تھے۔‘‘

اسی طرح کتاب الخراج ابو یوسف میں ہے:

وجعلت لهم ايما شيخ ضعف عن العمل او اصابته افة من الافات او كان غنيا فافتقر وصار اهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته و عيل من بيت مال المسلمين و عياله ما اقام بدار الهجرة و دار الاسلام۔(۲)

’’ اگر ان کے ضعیف العمر اور ناکارہ لوگوں یا آفت رسیدہ یا بعد از غنی فقیر ہو جانے والوں، کہ ان کے مذہب کے لوگ ان کو خیرات دینے لگیں، سے جزیہ ہٹا لیا جائے گا اور مسلمانوں کے بیت المال سے ان کے نان و نفقہ کا بندوبست کیا جائے گا جب تک وہ اسلامی ملک میں رہیں۔‘‘

عملی طور پر اس کی تاریخ اسلامی میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ غیر مسلم اقلیتوں کے معذور افراد کو اسلامی بیت المال سے با قاعدہ الاؤنس ملتا رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک یہودی کو دیکھا جو اندھا ہو چکا تھا تو آپ نے اس کے لئے ماہانہ وظیفہ مقرر فرما دیا۔ اجتماعی کفالت کے حق اور حقوق عامہ میں اسلامی حکومت کی نگاہ میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے بلکہ وہ بالکل برابر کے شہری ہیں۔

---

(۱) ابوعبید، کتاب الاموال:۱۹۹۶

(۲) ۱۔ابو یوسف، کتاب الخراج:۱۵۵

۲۔ محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ:۳۱۷، وثیقہ:۲۹۱

۷۔ روزگار کی آزادی کا حق

اسلام میں ہر جائز ذریعہ روزگار کو مستحسن قرار دیا گیا ہے حدیث مبارکہ ہے:

ما أكل أحد طعاما قط، خيرا من أن يأكل من عمل يديه، و إن نبي الله داؤد عليه السلام كان يأكل من عمل يديه۔ (۱)

''کوئی بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر اور کوئی کھانا نہیں کھا سکتا اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے''

اسلامی مملکت میں اقلیتوں سمیت ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ تجارت، صنعت و زراعت غرضیکہ جو کام بھی وہ کرنا چاہے کر سکتا ہے، بشرطیکہ ان چیزوں کے قریب نہ جائے، جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے، جیسے سودی معاملات ہیں اور جائز حدود میں بھی اخلاقی قدروں کا لحاظ رکھے، اپنے کام کی وجہ سے کسی دوسرے کی تجارت یا صنعت کے درپے آزار نہ ہو۔ یہ اسلامی شریعت میں ناجائز ہے۔ جب فرد جائز کام کرے گا تو اس کا حاصل اور ثمر اس کا حق ہو گا، اس لئے کہ یہ اس کی محنت اور پسینہ کی کمائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى○ (۲)

''اور یہ کہ انسان کے لئے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے○''

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۲: ۷۳۰، رقم: ۱۹۶۶
۲۔ بخاری، التاریخ الکبیر، ۷: ۴۲۹
۳۔ بیہقی، شعب الایمان، ۲: ۸۴، رقم: ۱۲۲۴
۴۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۲: ۳۳۳
۵۔ نووی، تہذیب الاسماء واللغات: ۱۸۱
۶۔ صنعانی، سبل السلام، ۳: ۵
(۲) القرآن، النجم، ۵۳: ۳۹

حکومت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی فرد کو جائز کاموں کے کرنے سے روک دے، البتہ اگر کوئی شرعی ضرورت ہو تو ایسا کر سکتی ہے۔ مثال کے طور پر وہ اپنے ملازمین کو تجارت اور کمائی کرنے سے روک سکتی ہے، تاکہ وہ اپنے اثر و نفوذ اور منصب کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔ اس لئے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کی مالیت کا محاسبہ کرتے تھے، اگر ان میں سے کوئی یہ جواز پیش کرتا کہ میں نے تجارت سے نفع کما کر یہ دولت اکٹھا کی ہے تو آپ فرماتے:

نحن انما بعثناکم و لاۃ ولم نبعثکم تجارا(۱)

''ہم تمہیں والی بنا کر بھیجتے ہیں تاجر بنا کر نہیں۔''

۸۔ تحفظ اور سلامتی کا حق

اسلامی ریاست اقلیتوں کے تحفظ اور سلامتی کی ذمہ دار ہے۔ اگر اسلامی ریاست کا کسی دوسری قوم سے معاہدہ ہو تو اس قوم کے تحفظ و سلامتی کی ذمہ داری بھی اسلامی ریاست پر ہوگی:

وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ۔(۲)

''اور اگر وہ (مقتول) تمہاری دشمن قوم سے ہو اور وہ مومن (بھی) ہو تو (صرف) ایک غلام/باندی کا آزاد کرنا (ہی لازم) ہے اور اگر وہ (مقتول) اس قوم میں سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہے تو خون بہا (بھی) جو اس کے گھر والوں کے سپرد کیا جائے اور اور ایک مسلمان غلام/باندی کا آزاد کرنا (بھی لازم) ہے۔''

---

(۱) محمد حسین ہیکل، الفاروق عمر، ۲: ۲۰۲

(۲) القرآن، النساء، ۴: ۹۲

اقلیتوں کی جان کی حرمت حضور نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتی ہے:

دية اليهودى والنصرانى وكل ذمى مثل دية المسلم۔(۱)

''یہودی، عیسائی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے۔''

خلفائے راشدین کے دور میں اس اصول پر عمل کیا جاتا رہا اور ذمیوں کی دیت مسلمانوں کی دیت کے برابر ادا کی جاتی تھی۔

دورانِ فتوحات غیر مسلم اقوام سے جو معاہدات ہوئے ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ غیر مسلم رعایا کے تحفظ، سلامتی اور بنیادی ضروریات کی حکومت ذمہ دار ہو گی۔ چنانچہ حیرہ کے باشندوں کو جو پروانہ امان دیا گیا اس کا ایک حصہ یہ ہے:

''جو غیر مسلم بوڑھا ہو جائے اور کام نہ کر سکے یا کوئی ناگہانی آفت اسے ناکارہ بنا دے یا پہلے دولتمند ہو، بعد میں کسی حادثہ کی وجہ سے غریب ہو جائے تو ایسے آفت رسیدہ لوگوں سے نہ صرف یہ کہ حکومت کوئی ٹیکس وصول نہیں کرے گی بلکہ ان کو اور ان کی اہل و عیال کو سرکاری خزانہ سے گزارہ الاؤنس بھی مہیا کیا جائے گا۔''(۲)

تاریخِ اسلام میں اس اُصول کی متعدد عملی مثالیں ملتی ہیں ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے یہودی کو بڑی خستہ حالت میں دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ انصاف کا تقاضا نہیں کہ ہم اس کی جوانی میں تو اس سے فائدہ اُٹھائیں اور اُسے بڑھاپے میں اس طرح رسوا ہونے دیں چنانچہ آپ نے حکم صادر فرمایا کہ اس بوڑھے کو زندگی بھر اس کی ضرورت کے مطابق بیت المال سے وظیفہ دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی

(۱) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰:۹۷، ۹۸
۲۔ ابن رشد، بداية المجتهد، ۲: ۳۱۰

(۲) ابویوسف، کتاب الخراج: ۱۵۵

آپ نے ملک کے گورنروں کو لکھا کہ وہ غیر مسلم کے رعایا کے مستحق اور غریب افراد کو بیت المال سے پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ تنخوائیں دیں۔(۱)

اسی طرح غیر مسلموں کو وظائف دینے کی کئی مثالیں تاریخِ اسلام میں موجود ہیں۔ ہر دور میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے اسلام کے قوانین پر عمل کیا جاتا رہا اور جب کبھی سرکش امراء نے اس کے خلاف عمل کیا ہے تو علماء وفقہا نے انہیں اس سے باز رکھنے یا کم از کم ان سے اس کی تلافی کرانے کی کوشش کی ہے۔ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ولید بن عبدالملک اموی نے دمشق کے کنیسہ یوحنا کو زبردستی عیسائیوں سے چھین کر مسجد میں شامل کر لیا۔ بلاذری کے مطابق:

فلما استخلف عمر بن عبدالعزيز شكى النصارى إليه ما فعل الوليد بهم في كنيستهم فكتب الى عامله يامره برد ما زاده في المسجد۔(۲)

''جب حضرت عمر بن عبدالعزیز تختِ خلافت پر متمکن ہوئے اور عیسائیوں نے ان سے ولید کے کنیسہ پر کئے گئے ظلم کی شکایت کی تو انہوں نے اپنے عامل کو حکم دیا کہ مسجد کا جتنا حصہ گرجا کی زمین پر تعمیر کیا گیا ہے اسے منہدم کر کے عیسائیوں کے حوالہ کر دو۔''

جب ولید بن یزید نے رومی حملہ کے خوف سے قبرص کے ذمی باشندوں کو جلا وطن کر کے شام میں آباد کیا تو اس پر فقہائے اسلام اور عام مسلمان سخت ناراض ہوئے اور اسے گناہ عظیم سمجھا۔ پھر جب یزید بن ولید نے ان کو دوبارہ قبرص میں لے جا کر آباد کر دیا تو اسے عوام الناس نے بنظر احسن دیکھا اور کہا کہ یہی انصاف کا تقاضا ہے۔ اسمعیل بن عیاش کا بیان ہے کہ:

---

(۱) ابویوسف، کتاب الخراج:۱۵۰

(۲) بلاذری، فتوح البلدان:۱۵۰

فاستقطع ذلك المسلمون واستعظمه الفقهاء فلما ولی یزید بن الولید بن عبدالملك ردهم الی قبرس فاستحسن المسلمون ذلك من فعله و رأوه عدلا ۔(۱)

''اس فعل کو عام مسلمانوں اور فقہا نے غلط قرار دیا اور جب یزید بن الولید بن عبدالملک آیا تو اس نے قبرص کے باشندوں کو واپس کر دیا اس کے اس عمل کی عام مسلمانوں نے تعریف کی اور اسے عدل و انصاف پر مبنی قرار دیا۔''

بلاذری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جبلِ لبنان کے باشندوں میں سے ایک گروہ نے بغاوت کر دی۔ اس پر صالح بن علی بن عبداللہ نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک فوج بھیجی، جس نے ان کے ہتھیار اُٹھانے والے مردوں کو قتل کر دیا اور باقی لوگوں میں سے ایک جماعت کو جلا وطن کیا اور ایک جماعت کو وہیں آباد رہنے دیا۔ امام اَوزاعیؒ اس زمانہ میں زندہ تھے۔ اُنہوں نے صالح کو اس ظلم پر سخت تنبیہ کرتے ہوئے بغاوت میں حصہ نہ لینے والوں کو قتل کرنے اور گھروں سے نکالنے کی مذمت کی اور ایک طویل خط لکھا، جس کے چند فقرے یہ ہیں:

ما قدمت علمت فکیف تؤخذ عامة بذنوب خاصة حتی یخرجوا من دیارهم و اموالهم۔و حکم الله تعالیٰ: "لاتزر وازرة وزر اخری۔'' و أحق الوصایا أن تحفظ و ترعی وصیة رسول الله ﷺ: ''من ظلم معاهدا و کلفه فوق طاقته فأنا حجیه۔''(۲)

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ عام لوگوں کو بعض خاص لوگوں کے جرم کی سزا کیوں کر دی جاسکتی ہے۔ اور کس بنا پر انہیں ان کے گھروں اور انکی جائیدادوں سے بے دخل کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ اللہ کا یہ حکم ہے کہ لا تزر وازرة وزر اخری اور یہ

---

(۱) بلاذری، فتوح البلدان: ۱۸۰

(۲) بلاذری، فتوح البلدان: ۱۸۶

ایک واجب التعمیل حکم ہے۔ تمہارے لئے بہترین نصیحت یہ ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو یاد رکھو کہ ”جو کوئی کسی معاہد پر ظلم کرے گا اور اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا اس کے خلاف میں خود مدعی بنوں گا۔“

۹۔ تمدنی اور معاشرتی آزادی کا حق

اسلامی ریاست میں اقلیتیں اپنی قومی اور تہذیبی روایات کے مطابق رہ سکیں گی یہاں تک کہ ان کے شخصی معاملات یعنی نکاح طلاق بایں حد کہ نکاح محرمات بھی اگر ان کے تہذیبی شعائر میں رائج ہو تو اس سے بھی کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔

ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت فرمایا کہ خلفائے راشدین نے اہل ذمہ کو نکاح محرمات کی کیوں اجازت دے دی تھی اور شاید آپ اس پر پابندی لگانا چاہتے تھے کیونکہ یہ فعل شناعت کے اعتبار اس قدر شنیع ہے کہ فطرت سلیمہ اسے ہرگز قبول نہیں کرتی۔ جواب میں حضرت حسن بصریؒ نے لکھا:

انما بذلوا الجزية ليتركوا على ما يعتقدون و انما انت متبع ولا مبتدع والسلام۔(۱)

”انہوں نے جزیہ اس لئے دیا ہے کہ انہیں ان کے اعتقادات پر چھوڑ دیا جائے اور آپ تو خلفائے راشدین کی پیروی کرنے والے ہیں نہ کہ نئی راہ بنانے والے۔“

اسلامی ریاست میں اندر سوائے حرم کے وہ جہاں چاہیں سکونت اختیار کر سکتے ہیں اور اسی طرح ترک سکونت کا بھی انہیں اختیار ہے۔ حرم سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور اس میں مشرک کے داخلہ پر پابندی نص سے ثابت ہے اس لئے وہ وہاں نہ رہ سکیں گے۔

---

(۱) ۱۔ سیواسی، شرح فتح القدیر، ۳:۴۱۷
۲۔ سرخسی، المبسوط، ۵:۳۹

اسلامی معاشرے میں مسلمانوں پر بھی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اقلیتوں سے نیکی، انصاف اور حسن سلوک پر مبنی رویہ اختیار کریں

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ ط اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَo (۱)

"(اے مسلمانو) اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہ لڑے اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا (بلکہ) اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہےo"

۱۰۔ اَقلیتوں کی حفاظت اِسلامی رِیاست کی ذِمّہ داری ہے

اِسلامی ریاست میں اقلیتوں کو دفاعی ذمہ داریاں ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کا دفاع اِسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اور اسلامی حکومت غیر مسلموں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرے گی(۲)۔ چونکہ اسلامی ریاست اقلیتوں کو جان و مال اور آبرو کا تحفظ فراہم کرتے ہے اور ان پر کوئی دفاعی ذمہ داری بھی عائد نہیں کرتی لہٰذا اس کے عوض اقلیتیں اسلامی ریاست کو مالیاتی طور پر contribute کرتے ہیں جسے اسلامی قانون میں جزیہ کہا گیا ہے۔ اسلامی ریاست میں اقلیتوں پر جزیہ عائد کرنے کے معاملے میں بھی عدل و انصاف اور حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امرائے لشکر

(۱) القرآن، الممتحنۃ، ۶۰: ۸

(۲) ۱۔ کاسانی، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۱

۲۔ شربینی، مغنی المحتاج، ۴: ۲۴۳

۳۔ منصور بن یونس، کشاف القناع، ۳: ۹۲

۴۔ زحیلی، الفقہ الاسلامی و ادلتہ، ۶: ۴۴۶

کو لکھا:

ألا يضربوا الجزية على النساء ولا على الصبيان وأن يضربوا الجزية على من جرت عليه الموسى من الرجال۔(۱)

''عورتوں اور بچوں پر جزیہ عاید نہ کریں اور صرف ان مردوں پر جزیہ عاید کریں، جن کے بال اگ آئے ہوں (بالغ ہوگئے ہوں)۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مقام سے گزر ہوا تو آپ نے ایک بوڑھے نابینا یہودی بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے اس سے پوچھا:

فما ألجأك الى ما ارى؟ قال: أسأل الجزية والحاجة والسن ۔ فأخذ عمر بيده و ذهب به الى منزله فرضخ له بشئ من المنزل۔ ثم ارسل الى خازن بيت المال فقال: انظر هذا و ضرباء ه، فوالله ما أنصفناه أن أكلنا شبيبته ثم نخذله عندالهرم(۲)

تمہیں اس پر کس بات نے مجبور کیا؟ اس نے کہا کہ بوڑھا ضرورت مند ہوں اور جزیہ بھی دینا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھر لائے اور اسے

(۱) ۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰: ۳۳۱، رقم: ۱۹۲۷۳
۲۔ عبدالرزاق، المصنف، ۶: ۸۵، رقم: ۱۰۰۹۰
۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶: ۴۲۸، ۴۲۹، رقم: ۳۲۶۳۶، ۳۲۶۴۰
۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۱۹۵، ۱۹۸
۵۔ ابن حزم، المحلی، ۷: ۲۴۷
۶۔ ابن قدامہ، المغنی، ۸: ۴۷۶، ۵۰۷
۷۔ عسقلانی، تلخیص الحبیر، ۴: ۱۲۳

(۲) ۱۔ ابن قدامہ، المغنی، ۸: ۵۰۹
۲۔ ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۰

اپنے گھر سے کچھ دیا، پھر اسے بیت المال کے خازن کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اس کا اور اس جیسے اور لوگوں کا خیال رکھو اور ان سے جزیہ لینا موقوف کردو۔ کیونکہ یہ کوئی انصاف کی بات نہیں ہے کہ ہم نے ان کی جوانی میں ان سے جزیہ وصول کیا اور اب بڑھاپے میں ان کو اس طرح رسوا کریں۔''

جزیہ کی مقدار مقرر کرنے میں بھی ذمیوں پر تشدد کرنا ممنوع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت ہے کہ **لا یکلفوا فوق طاقتھم** جتنا مال دینا ان کی طاقت سے باہر ہو انہیں اس کے ادا کرنے کی تکلیف نہ دو۔(۱)

جزیہ کے عوض ان کی املاک کا نیلام نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حکم ہے:

لا تبیعن لھم فی خراجھم حماراً ولا بقرۃ ولاکسوۃ شتاء ولا صیف۔(۲)

''خراج میں ان کا گدھا یا ان کی گائے یا ان کے سردی و گرمی سے بچانے والے کپڑے نہ بیچنا۔''

ایک اور موقع پر اپنے عامل کو بھیجتے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لا تبیعن لھم کسوۃ شتاء ولا صیفا، ولا رزقا یاکلونه، ولا دابة یعملون علیھا، ولا تضربن أحدا منھم سوطا و احدا فی درھم ولا تقمه علی رجله فی طلب درھم، ولا تبع لأحد منھم عرضا فی شيء من الخراج، فإنا انما أمرنا أن ناخذ منھم العفو، فإن انت خالفت ما أمرتك به یاخذك اللہ به دونی، و إن بلغنی عنك خلاف ذلك عزلتك ۔(۳)

(۱) بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹:۲۰۶

(۲) ابن قدامہ، المغنی، ۹:۲۹۱

(۳) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۷

''ان کے جاڑے گرمی کے کپڑے اور ان کے کھانے کا سامان اور ان کے جانور جن سے وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں خراج وصول کرنے کی خاطر نہ بیچنا نہ کسی کو درہم وصول کرنے کیلئے کوڑے مارنا، نہ کسی کو کھڑا رکھنے کی سزا دینا اور نہ خراج کے عوض کسی چیز کا نیلام کرنا کیوں کہ ہم، جو ان کے حاکم بنائے گئے ہیں، ہمارا کام نرمی سے وصول کرنا ہے۔ اگر تم نے میرے حکم کے خلاف عمل کیا تو اللہ میرے بجائے تمہیں سزا دے گا اور اگر مجھے تمہاری خلاف ورزی کی خبر پہنچی تو میں تمہیں معزول کر دوں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جو فرمان لکھا تھا اس میں منجملہ اور احکام کے ایک یہ بھی تھا کہ:

وامنع المسلمين من ظلمهم والإضراربهم واكل اموالهم إلا بحلها۔(۱)

''مسلمانوں کو ان پر ظلم کرنے اور انہیں ضرر پہنچانے اور ناجائز طریقہ سے ان کے مال کھانے سے منع کرنا''

شام کے سفر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے عامل جزیہ وصول کرنے کے لئے ذمیوں کو دھوپ میں کھڑا کر کے اور ان کے سروں پر تیل ڈال کر سزائیں دے رہے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا:

فرعوهم، لا تكلفوهم مالا يطيقون، فانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول: لا تعذبوا الناس فان الذين يعذبون الناس فى الدنيا يعذبهم الله يوم القيامة و أمربهم فخلى سبيلهم(۲)

''ان کو چھوڑ دو، تم ان کو تکلیف نہ دو جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے، میں نے

(۱) ابویوسف، کتاب الخراج:۱۵۲

(۲) امام ابو یوسف، کتاب الخراج:۱۳۵

حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں کو عذاب نہ دو بیشک وہ لوگ جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں اللہ انہیں قیامت کے دن عذاب دے گا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے حکم پر انہیں چھوڑ دیا گیا۔''

ہشام بن حکم نے حمص کے ایک سرکاری افسر عیاض بن غنم کو دیکھا کہ وہ ایک قبطی کو جزیہ وصول کرنے کے لئے دھوپ میں کھڑا کر رہا ہے۔ اس پر انہوں نے اسے ملامت کی اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے:

ان اللہ یعذب الذین یعذبون الناس فی الدنیا۔(۱)

''اللہ عزوجل ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔''

فقہائے اسلام نے نادہندگان کے حق میں صرف اتنی اجازت دی ہے کہ انہیں تادیباً قید بے مشقت کی سزا دی جاسکتی ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے:

ولکن یرفق بھم و یحبسون حتی یؤدوا ما علیھم۔(۲)

''اور ان سے نرمی سے پیش آیا جائے گا اور ادائیگی جزیہ تک انہیں قید کیا جائے گا۔''

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۴: ۲۰۱۸، رقم: ۲۶۱۳
۲۔ ابوداؤد، السنن، ۳: ۱۰۶، رقم: ۳۰۴۵
۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۲۳۶، رقم: ۸۷۷۱
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۶۸
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۲: ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۹، رقم: ۵۶۱۲، ۵۶۱۳
۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۱۷۱، رقم: ۴۴۱
۷۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۰۵
۸۔ ہیثمی، موارد الظمآن: ۳۷۷، رقم: ۱۵۶۷

(۲) ابویوسف، کتاب الخراج: ۱۳۳

جو ذمی محتاج اور فقیر ہو جائیں انہیں صرف جزیہ ہی معاف نہیں کیا جائیگا بلکہ ان کے لئے اسلامی خزانہ سے وظائف بھی مقرر کئے جائیں گے۔ حضرت خالدبن ولید رضی اللہ عنہ نے اہل حیرہ کو جو امان نامہ لکھ کر دیا تھا اس میں لکھتے ہیں:

وجعلت لهم ايما شيخ ضعف عن العمل او اصابته آفة من آلآفات او كان غنياً فافتقر وصارا هل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته و عيل من بيت مال المسلمين و عياله(۱)

''میں نے ان کیلئے یہ حق بھی رکھا ہے کہ جو کوئی شخص بڑھاپے کے سبب ازکار رفتہ ہو جائے یا اس پر کوئی آفت نازل ہو جائے، یا وہ پہلے مال دار تھا پھر فقیر ہو گیا یہاں تک کہ اس کے ہم مذہب لوگ اس کو صدقہ وخیرات دینے لگے، تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائیگا اور اسے اور اس کے بال بچوں کو ریاست کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا۔''

اگر کوئی ذمی مر جائے اور اس کے حساب میں مکمل جزیہ یا جزیہ کا بقایا واجب الادا ہو تو وہ اس کے ترکہ سے وصول نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے ورثا پر اس کا بار ڈالا جائے گا۔ کیونکہ یہ اس پر قرض نہیں ہے۔ امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں:

إن وجبت عليه الجزية فمات قبل ان تؤخذ منه اوأخذ بعضها وبقى البعض لم يوخذ بذلك ورثته ولم توخذ من تركته لإن ذلك ليس بدين عليه ۔(۲)

''اگر اس پر جذیہ واجب ہو تو اس کی کل یا کچھ ادائیگی سے قبل وہ مر جائے تو اس پر بقیہ واجب الادا جزیہ وارثوں سے وصول نہیں کیا جائیگا کیونکہ یہ اس پر قرض نہیں ہے۔''

---

(۱) ۱۔ محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسۃ: ۳۱۷، وثیقہ: ۲۹۱
۲۔ ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۵

(۲) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۳۲

۱۱۔ عسکری خدمات سے اِستثناء کا حق

اسلامی ریاست میں ذمی فوجی خدمت سے مستثنٰی ہیں اور دشمن سے ملک کی حفاظت تنہا مسلمانوں کے فرائض میں شامل ہے چونکہ ان سے جزیہ اسی حفاظت کے معاوضہ میں وصول کیا جاتا ہے، اس لئے اسلام نہ تو ان کو فوجی خدمت کی تکلیف دینا جائز سمجھتا ہے اور نہ ان کی حفاظت سے عاجز ہونے کی صورت میں جزیہ وصول کرنا۔ اگر مسلمان ان کی حفاظت نہ کرسکیں تو انہیں ذمیوں کے اموال جزیہ سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ جنگ یرموک کے موقع پر رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ پر ایک زبردست فوج جمع کی اور مسلمانوں کو شام کے تمام مفتوح علاقے چھوڑ کر ایک مرکز پر جمع ہونے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے امراء کو لکھا کہ:

> ”جو کچھ جزیہ وخراج تم نے ذمیوں سے وصول کیا ہے انہیں واپس کردو اور ان سے کہو کہ اب ہم تمہاری حفاظت سے عاجز ہیں اس لئے تم اپنے معاملے کے لحاظ سے آزاد ہو۔ اس لئے ہم نے جو مال تمہاری حفاظت کے معاوضہ میں وصول کیا تھا اسے واپس کرتے ہیں۔“

اس حکم کے مطابق تمام لشکروں کے امراء نے جمع شدہ رقم واپس کر دی۔(۱)

۱۲۔ اَقلیتوں سے معاہدے کی پاسداری اِسلامی رِیاست کا فرض ہے

اگر اقلیتوں نے اسلامی ریاست سے کوئی معاہدہ کیا ہو تو اسلامی ریاست اسے ہر حال میں پورا کرنے کی پابند ہوگی:۔

العقد فھو انہ لازم فی حقنا حتی لایملك المسلمون نقضہ بحال من الاحوال واما فی حقھم فغیر لازم۔(۲)

---

(۱) ۱۔ ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۰

۲۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۱۶۱

(۲) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۲

’’عقد ذمہ مسلمانوں کی جانب ابدی لزوم رکھتا ہے، یعنی وہ میثاق کرنے کے بعد پھر توڑ دینے کے مختار نہیں ہیں۔ لیکن دوسری جانب ذمیوں کو اختیار ہے کہ جب تک چاہیں اس پر قائم رہیں اور جب چاہیں توڑ دیں۔‘‘

ذمی خواہ کیسے ہی بڑے جرم کا ارتکاب کرے اس کا ذمہ نہیں ٹوٹتا، حتی کہ جزیہ بند کر دینا، مسلمان کو قتل کرنا، یا کسی مسلمان عورت کی آبرو ریزی کرنا بھی اس کے حق میں ناقض ذمہ نہیں ہے البتہ صرف تین صورتیں ایسی ہیں جن میں عقد ذمہ باقی نہیں رہتا، ایک یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے دوسری یہ کہ وہ دارالاسلام سے نکل کر دشمنوں سے جا ملے، تیسری یہ کہ حکومتِ اسلامیہ کے خلاف علانیہ بغاوت کردے۔(۱)

۱۳۔ جنگی قیدیوں کے حقوق

اسلام نے جنگی قیدیوں سے حسن سلوک کی تعلیم دی ہے۔ جنگ بدر کے ایک قیدی کا بیان ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم کرے، یہ اپنے اہل وعیال سے اچھا کھانا ہمیں کھلاتے تھے اور اپنے گھر کے لوگوں سے کہیں زیادہ ہماری آسائش کا خیال رکھتے تھے۔

مخالفین سے یہ سلوک اس لئے کیا جاتا تھا کہ اسلام دُشمن کو بھی تکریم انسانیت کا مستحق سمجھتا ہے اور کسی کے فکر اور عقیدے میں جبر و جور کے ذریعے تبدیلی پسند نہیں کرتا، اس کا واضح ارشاد ہے:

لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ۔(۲)

’’دین کے معاملہ میں جبر روا نہیں۔‘‘

جب دین کے معاملے میں جبر روا نہیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ غیر مسلموں کو انسانی حقوق سے محروم کر دیا جائے؟

---

(۱) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۳

(۲) القرآن، البقرۃ، ۲: ۲۵۶

۱۴۔ معاہدات نبوی اور اقلیتوں کے حقوق

حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں جن غیر مسلم قبائل نے غیر مسلم ہوتے ہوئے جزیرۃ العرب میں اسلامی حکومت کی رعایا کے طور پر رہنا پسند کیا حضور نبی اکرم ﷺ نے اُن سے کئی معاہدے کئے جو اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے حقوق کی مختلف جہات کا اظہار کرتے ہیں ان میں سے چند معاہدات حسب ذیل ہیں:

نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اہلِ نجران کے لئے ہے۔

۱۔ ان کے پھلوں، سونے چاندی، غلام اور اُن اشیاء کے ساتھ ہر قسم کے مال کے عوض میں ان پر مندرجہ ذیل خراج عائد کیا جاتا ہے۔

ا) دو ہزار یمنی حلے (دو قسطوں میں) ماہ رجب میں ایک ہزار، ماہ صفر میں ایک ہزار۔

ب) اور ایک حلہ کے ساتھ ایک اوقیہ چاندی۔

۲۔ مقررہ مقدار خراج میں کسی شے کی کمی اور دوسری شے کی بیشی پر جمع و منہا لازم ہوگا۔

۳۔ اگر اہلِ نجران عائد شدہ نصاب (حلہ جات اور چاندی) کے عوض میں اجناس داخل کرنا چاہئیں۔ تو بدل مبدل منہ دونوں کی قیمت میں کمی بیشی کا لحاظ ضرور ہوگا۔

۴۔ اہلِ نجران پر میرے تحصیلداروں کی مہمان نوازی اور تکریم بیس سے لے کر تیس دن تک واجب ہے۔ اس کے بعد اُنہیں اپنے ہاں روکا نہ جائے۔

۵۔ ہماری طرف سے یمن اور معرہ پر حملہ کے وقت اُنہیں ہم کو:

الف۔ تیس گھوڑے

ب۔ ۳۰ زرہیں عاریتہً دینا ہوں گی۔

جن کے اتلاف پر ان کی قیمت اور شکست و ریخت کے ہمارے تحصیل دار ذمہ دار ہوں گے۔

۶۔ اہلِ نجران کے ساتھ ان کے ہمسایہ حلیفوں کے لئے بھی محمد رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے مندرجہ ذیل اشیاء میں تلافی کے ذمہ دار ہیں۔

الف۔ وطن اور وطن کے باہر ہر دو جگہوں میں ان کے اموال و نفوس کے اتلاف پر۔

ب۔ ان کے مذہب اور ان کے قرابت داروں کی تذلیل و تحقیر پر۔

۷۔ ان کے پادری، گوشہ نشینوں اور کاہنوں پر گرفت نہ ہو گی۔

۸۔ ان کی ماتحتی کی وجہ سے ان پر کسی قسم کی کہتری عائد نہ ہوگی۔

۹۔ وہ قبل از اسلام کے قتل کے مواخذہ سے بری ہیں۔

۱۰۔ وہ ہماری جنگوں میں شرکت سے مستثنٰی ہیں۔

۱۱۔ ہمارا لشکر ان پر حملہ نہ کرے گا۔

۱۲۔ ہماری عدالت میں دعوے پیش کرنے پر ان سے انصاف کیا جائے گا۔

۱۳۔ ان میں سے جو شخص اپنے خاندان سے سود لے گا وہ ہماری ذمہ داری سے محروم ہے۔

۱۴۔ کسی فرد کی دوسرے فرد کے عوض میں گرفت نہ ہوگی۔(۱)

بالکل اسی طرح کا ایک عہد نامہ اہلِ نجران سے ہوا کہ جس میں مذہبی آزادی کی اس سے بھی زیادہ وضاحت کی گئی ہے۔ جس کو بلاذری نے فتوح البلدان میں تحریر کیا ہے۔ جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ لکھ کر دیا:

(۱) ۱۔ بلاذری: فتوح البلدان: ۸۹۔۹۰

۲۔ محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسۃ: ۱۴۰، وثیقہ: ۹۴

ولنجران و حاشيتها جوار الله و ذمة محمد النبی رسول الله (ﷺ) علی انفسهم و ملتهم و ارضهم و اموالهم و غائبهم و شاهدهم و غيرهم و بعثهم و أمثلتهم لا يغير ما کانوا عليه ولا يغير حق من حقوقهم و امثلتهم لا يفتن اسقف من اسقفيته ولا راهب من رهبانيته ولا واقه من وقاهيته علی ما تحت ايديهم من قليل او کثير وليس عليهم رهق۔(۱)

''اہلِ نجران اور ان کے حلیفوں کے لئے اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ ان کی جانوں ان کے مذہب ان کی زمینوں ان کے اموال۔ ان کے موجود اور غیر موجود، ان کے مواشی اور قافلے اور اُن کے استہان وغیرہ کے ذمہ دار ہیں اور جس دین پر وہ ہیں اس سے ان کو نہ پھیرا جائے گا ۔ ان کے حقوق اور اُن کی عبادت گاہوں کے حقوق میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی۔کسی پادری، راہب یا سردار کو اس کے عہدے سے نہ ہٹایا جائے اور ان کو کوئی خوف نہ ہوگا۔''

ان معاہدات سے اقلیتوں کے حقوق کا جو خاکہ سامنے آتا ہے وہ یہ کہ:

ا) اسلامی حکومت کے ماتحت رہنے والی غیر مسلم رعایا کو مساوی قانونی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

ب) ان کے مذہب سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جاسکتا۔

ج) ان کے اموال، ان کی جان اوران کی عزت و آبرو کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمہ ہوتی ہے۔

د) اسلامی حکومت کے اندرونی استحکام کی خاطر خلیفہ یا سربراہ مملکت **لا يفتن واقه من واقهية** کے ماتحت انہیں انتظامی اُمور کے عہدے جس حد تک مناسب سمجھے تفویض

---

(۱) بلاذری، فتوح البلدان:۹۰

کر سکتا ہے۔

ہ) اپنے مذہبی عہدے دار وہ خود متعین کرنے کے مجاز ہیں اور ان کی عبادت گاہیں قابلِ احترام ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ **لا یغیر حق من حقوقهم و امثلتهم** تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان کی عبادت گاہوں میں کسی قسم کا تغیر نہ کیا جائے اور ان کا احترام بہرحال قائم رکھا جائے گا۔

ان سب چیزوں کے عوض غیر مسلم رعایا اسلامی حکومت کو کیا دے گی؟ وہی کچھ جو مسلم رعایا دیتی ہے۔ جو محاصل مسلم دے گا اس کا نام زکوٰۃ و عشر ہوگا اور جو محاصل غیر مسلم رعایا دے گی وہ جزیہ یا خراج کہلائے گا۔ یہ اسلامی بیت المال میں جمع ہونے والی رقوم کی الگ الگ دو مدوں کے نام ہیں، اس میں کسی کہتری یا برتری کا کوئی تصور نہیں ہے، جزیہ محافظت کی جزا ہے جسے ادا کرنے کے بعد غیر مسلم رعایا جنگی خدمات سے مستثنیٰ ہو جاتی ہے اور اسلامی حکومت ان کے مال، جان اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

۱۵۔ خلافتِ صدیقی اور اقلیتوں کے حقوق

وہ معاہدات جو دورِ صدیقی میں ہوئے اگرچہ ان کی تعداد کثیر ہے۔ یہاں ان میں سے چند ایسے معاہدے نقل کئے جاتے ہیں جن میں تمام کا خلاصہ آجاتا ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب حسبِ فرمان خلیفۂ اوّل دمشق اور شام کی سرحدوں سے عراق اور ایران کی طرف لوٹے تو راستے میں باشندگان عانات کے ساتھ یہ معاہدہ کیا:

i- اہلِ عانات سے معاہدہ

ا۔ ان کے گرجے اور خانقاہیں منہدم نہیں کی جائیں گی۔

۲۔ وہ ہماری نماز پنجگانہ کے سوا ہر وقت اپنا ناقوس بجا سکتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں۔

۳۔ وہ اپنی عید پر صلیب نکال سکتے ہیں۔

۴۔ مسلمان مسافر کی تین دن ضیافت کریں اور

۵۔ وقت پڑنے پر مسلمانوں کی جان و مال کی نگہداشت کریں۔(۱)

ii- اہلِ حیرہ سے معاہدہ

اہلِ حیرہ سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو معاہدہ کیا اس کی دفعات حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ کسی کافر کی مسلمانوں کے خلاف اعانت مت کرو۔

۲۔ مسلمانوں کی مخالفت نہ کرو۔

۳۔ ہمارے دُشمن کو ہمارے خفیہ راز مت بتاؤ۔

۴۔ اگر وہ ان دفعات کی پابندی نہ کریں گے تو ہماری طرف سے بھی ان کی امان دہی کا معاہدہ ختم ہو جائے گا۔

۵۔ اور ایفائے عہد کی صورت میں جس میں ادائے ٹیکس (جزیہ) بھی شامل ہے۔ ہم ان کی کسی بھی وقت امانت اور حمایت میں سبقت کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔

۶۔ اگر وہ ہمارے ماتحت رہے تو ان کے لئے جملہ مراعات ہوں گی، جو اہلِ ذمہ کے لئے ہیں۔

درج ذیل اشخاص کا جزیہ (محاصل) معاف ہے:

۱۔ ان بوڑھوں کا جو کام کاج نہیں کر سکتے۔

---

(۱) ۱۔ محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسۃ، ۳۲۳، وثیقۃ: ۲۹۸

۲۔ امام ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۴۵

۲۔ آسمانی آفات کے ہاتھوں تباہ شدگان کا۔

۳۔ اس فقیر کا جو خیرات پر گذر اوقات کرتا ہے۔

۴۔ متذکرہ بالا تین قسم کے اشخاص کو اسلامی بیت المال سے وظیفہ ملے گا، بشرطیکہ وہ مفتوحہ علاقے سے کسی غیر جگہ منتقل نہ ہوں (اگرچہ وہ غیر مسلم ہی رہیں)۔

۵۔ لباس میں ذمی لوگ فوجی لباس کے سوا جو چاہیں پہنیں۔

۶۔ فوجی لباس پہننے کی صورت میں مقدمہ چلے گا اگر وہ عدالت کو مطمئن نہ کر سکے تو جرم کے مطابق ان کو سزا دی جائے گی۔

۷۔ اگر وہ مسلمانوں سے کسی قسم کی اعانت کے طلب گار ہوں، خواہ مال ہی ہو اس سے دریغ نہ کیا جائے گا۔(۱)

iii- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہدایات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہت سی ہدایات ہمیں ملتی ہیں جو آپ نے لشکر اسلام کے سپہ سالاروں کو تحریری طور پر یا زبانی دیں۔ ان میں سب سے جامع ہدایات وہ ہیں جو آپ نے شام بھیجی جانے والی فوج کے سالاروں کو دی تھیں۔ آپ نے فرمایا تھا:

أوصيكم بتقوى الله اغزوا فى سبيل الله فقاتلوا من كفر بالله فإن الله ناصردينه ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تجبنوا ولا تفسدوا فى الارض ولا تعصوا ماتؤمرون......ولا تغرقن نخلا ولا تحرقنها ولا تعقروا بهيمة ولا شجرة تثمر ولا تهدموا بيعة ولا تقتلوا الولدان ولا الشيوخ ولا النساء وستجدون اقواما حبسوا انفسهم فى الصوامع فدعو هم وما حبسوا انفسهم له وستجدون آخرين

---

(۱) ۱۔ محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسۃ، ۳۱۶، وثیقہ: ۲۹۱

۲۔ ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۵

اتخذ الشيطان فی رؤوسهم أفحاصا فإذا وجدتم اولئك فاضربوا اعناقهم۔(۱)

’’میں تمہیں اللہ ﷻ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اللہ کے راستے میں جہاد کرو جن لوگوں نے خدا کو ماننے سے انکار کر دیا ہے ان سے جنگ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نصرت فرمائے گا غلول (مال غنیمت میں چوری کرنا) نہ کرنا، غداری نہ کرنا، بزدلی نہ دکھانا زمین میں فساد نہ مچانا اور احکامات کی خلاف ورزی نہ کرنا، ......کھجور کے درخت نہ کاٹنا اور نہ انہیں جلانا چوپایوں کو ہلاک نہ کرنا اور نہ پھلدار درخت کو کاٹنا، کسی عبادت گاہ کو مت گرانا اور نہ ہی بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کرنا، تمہیں بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جنہوں نے گرجا گھروں میں اپنے آپ کو محبوس کر رکھا ہے اور دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ ان کے علاوہ تمہیں کچھ دوسرے لوگ ملیں گے جو شیطانی سوچ کے حامل ہیں (یہ لوگ گرجا گھروں کے خدام کہلاتے ہیں لیکن لوگ جنگ میں ان کے مشوروں پر عمل کرتے ہیں) جب تمہیں ایسے لوگ ملیں تو ان کی گردنیں اڑا دو‘‘

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۸۵
۲۔ مالک، موطا، ۲: ۲۴۷
۳۔ عبدالرزاق، المصنف، ۵: ۱۹۹
۴۔ سعید بن منصور، السنن، ۲۔۳: ۵۸۰۰
۵۔ حسام الدین، کنزالعمال، ۱: ۲۹۶
۶۔ ابن قدامہ، المغنی، ۸: ۴۵۱۔۴۵۲، ۴۷۷
۷۔ ابن حزم: المحلی، ۷: ۲۹۴، ۲۹۶، ۲۹۷،

لا تخربوا عامرا ولا تذبحوا بعيرا ولا بقرة إلا لمأكل۔(۱)

''کسی آباد جگہ کو مت اجاڑو اور کسی گائے یا اونٹ کو ہلاک نہ کرو سوائے اسکے کہ اس کے گوشت کی تمہیں ضرورت ہو''۔

۱۶۔ خلافتِ فاروقی اور اقلیتوں کے حقوق

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی اقلیتوں کے حقوق کا قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق تحفظ کیا گیا۔ آپ کے دور خلافت میں بھی اقلیتوں سے کئی معاہدے ہوئے جن میں سے اہم اہلِ ماہ بہراذان سے معاہدہ ہے:

اہلِ ماہ بہراذان سے معاہدہ

حضرت نعمان بن مقرن نے اہلِ ماہ بہراذان سے سیدنا حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں معاہدہ کیا، جس کی توثیق آپ نے فرمائی۔ اس معاہدے میں اقلیتوں کے متعلق درج ذیل دفعات شامل تھیں:

۱۔ ان کے اموال، نفوس اور اراضی ہر ایک پر ان کا قبضہ بدستور تسلیم کیا جاتا ہے۔

۲۔ انہیں نہ تو ان کے دین سے ہٹایا جائے گا اور نہ ان کی شریعت سے تعرض کیا جائے گا۔

۳۔ اُنہیں ہر سال ایک مرتبہ جزیہ (حکومتی محاصل) ادا کرنا ہوگا، یہ جزیہ ہمارے مقرر کردہ امیر کو دینا ہوگا۔ جزیہ کے عوض ان کی حمایت وحفاظت کی جائے گی۔

۴۔ جزیہ ہر شخص کی وسعت مالی کے مطابق ہوگا۔

۵۔ جزیہ کے مکلّف صرف بالغ مرد ہوں گے۔

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۹۰

۲۔ ابن حزم، المحلی، ۷: ۲۹۴، ۲۹۶، ۲۹۷

۳۔ حسام الدین، کنز العمال، ۱: ۲۹۶

۶۔ اُنہیں نو وارد مسافروں کی رہنمائی کرنا ہو گی۔
۷۔ گذرگاہوں کی حفاظت ان کے ذمہ ہو گی۔
۸۔ مسلمان فوجی دستوں کی ایک دن کی مہمانی اور قیام کا انتظام کرنا ہو گا۔
۹۔ اگر اُنہوں نے کسی معاملہ میں دھوکا دیا یا اُن شرائط میں کمی کی تو امان کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آخری لمحے تک اقلیتوں کا خیال تھا۔ حالانکہ ایک اقلیتی فرقہ ہی کے فرد نے آپ کو شہید کیا۔ اس کے باوجود آخری وقت ارشاد فرمایا:

اوصی الخلیفة من بعدی بذمة الله و ذمة رسوله ﷺ أن یوفی لهم بعهدهم و أن یقاتل من ورائهم و أنلا یکلفوا فوق طاقتهم۔(۲)

''یعنی میں اپنے بعد والے خلیفہ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذمہ میں آنیوالوں (اقلیتوں) کے بارے میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان سے کئے ہوئے وعدے پورے کرے اور ان کی حفاظت کے لئے لڑے اور اُن کو اُن کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے۔''

---

(۱) محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسۃ: ۳۵۸، وثیقہ: ۳۳۱
(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، ۱: ۴۶۹، رقم: ۱۳۲۸
۲۔ بخاری، الصحیح، ۳: ۱۳۵۶، رقم: ۳۴۹۷
۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷: ۴۳۶، رقم: ۳۷۰۵۹
۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۵۰
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۰۶
۶۔ ازدی، الجامع، ۱۱: ۱۰۹
۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۳۳۹
۸۔ خلال، السنہ، ۱: ۱۱۶، رقم: ۶۲
۹۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۶: ۱۵۹، ۱۶۰

حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر سے آنے والے لوگوں سے وہاں کی اقلیتوں کے بارے میں برابر پوچھتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ بصرہ سے آنے والے اقلیتوں کے ایک وفد سے دریافت فرمایا:

لعل المسلمين يفضون الى اهل الذمة بأذى ...... فقالوا: ما نعلم الا وفاء۔(۱)

''شاید مسلمان اقلیتوں کو کچھ تکالیف دیتے ہیں ...... (تو اہلِ ذمہ نے) کہا ہم نے عہد کی پابندی کے علاوہ ان میں کچھ نہیں دیکھا۔''

یعنی مسلمانوں نے ہم سے جو معاہدہ کیا ہے اُسے پورا کر رہے ہیں۔

۱۷۔ خلافتِ عثمانی اور اقلیتوں کے حقوق

خلافتِ راشدہ کا تیسرا دور شروع ہی ایک ایسے المناک حادثہ سے ہوا کہ ایک غیر مسلم نے خلیفۂ وقت پر قاتلانہ حملہ کیا اور خلیفہ جانبر نہ ہو سکے، آپ کے صاحبزادے حضرت عبید اللہ نے غصہ میں آ کر قتل کی سازش میں ملوث تین آدمیوں کو قتل کر دیا، جن میں سے ایک مسلمان اور دو غیر مسلم عیسائی تھے، حضرت عبید اللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ خلیفہ ثالث نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے اس معاملہ کے بارے میں صحابہ کرام سے رائے لی، تمام صحابہ کی رائے یہ تھی کہ عبید اللہ کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن بعد میں خون بہا پر مصالحت ہو گئی اور خون بہا (دیت) کی رقم تینوں مقتولین کے لئے برابر برابر مقرر کی گئی۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست میں مسلمانوں اور غیر مسلم اقلیتوں کے خون کی حرمت برابر ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانۂ خلافت بھی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ

(۱) طبری، تاریخ الملوک والامم، ۲: ۵۰۳

(۲) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۵: ۱۷

کے شاندار ریکارڈ کا حامل ہے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں کوفہ کے گورنر ولید بن عقبہ کے دربار میں ایک یہودی شعبدہ بازی کے کرتب دکھا رہا تھا، حضرت جندب بن کعب ازدی بھی تماشائیوں میں تھے، آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا تھا، آپ نے ان شعبدوں کو شیطانی اثر سمجھا اور یہودی کو قتل کر دیا۔ ولید نے اسی وقت آپ کو گرفتار کر لیا اور قصاص میں قتل کرنے کے لئے جیل بھیج دیا۔ آپ نے داروغہ جیل ابوسنان سے پوچھا کہ کیا تو بھاگنے میں میری مدد کرے گا۔ اس نے کہا: ہاں اور پھر حضرت جندب کو جیل سے بھاگنے میں مدد دیتے ہوئے کہا: یہاں سے بھاگ جا اللہ تعالیٰ تیرے بارے مجھ سے کچھ نہ پوچھے گا۔

جب ولید نے آپ کو قتل کرنے کے لئے طلب کیا تو معلوم ہوا کہ آپ تو بھاگ گئے ہیں۔ ولید نے داروغہ کو نگرانی میں کوتاہی کرنے کے جرم میں قتل کر دیا۔ (۱)

۱۸۔ خلافت مرتضوی اور اقلیتوں کے حقوق

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا دور بہت پر آشوب تھا۔ مگر اس کے باوجود آپ کے دور خلافت میں اقلیتوں کے حقوق کو کوئی گزند نہیں پہنچنے دی گئی۔ ایک دفعہ آپ کے پاس ایک مقدمہ آیا جس میں قاتل مسلمان تھا اور مقتول غیر مسلم تھا۔ آپ نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دینے کا حکم دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر فیصلہ کیا۔ مگر مقتول کے وارثوں نے دیت لے کر قاتل کو چھوڑ دینا چاہا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے مقتول کے ورثاء کو بلا کر پوچھا کہ تمہارے اُوپر کوئی دباؤ تو نہیں ڈالا گیا، تو اُنہوں نے عرض کیا کہ نہیں ہم پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا۔ تب آپ نے وہ دیت دلا دی جو مسلمانوں کی دیت کے برابر تھی اور فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۳۶

۲۔ مزی، تہذیب الکمال، ۵: ۱۴۶

من كان له ذمتنا فدمه كدمنا و ديته كديتنا(۱)

''یعنی جو غیر مسلم ہماری ذمہ داری میں ہے اس کا خون ہمارے خون جیسا ہے اور اس کی دیت بھی ہماری یعنی مسلمانوں کی دیت کے برابر ہے۔''

اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں قرآن و سنت کی عطا کی گئی تعلیمات اور دور نبوت و دور خلافت راشدہ میں اقلیتوں کے حقوق کے احترام وتحفظ کے ان روشن نظائر سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ مسلم ریاست میں اقلیتوں کو وہ تحفظ اور حقوق حاصل ہیں جن کا تصور بھی کسی دوسرے معاشرے میں نہیں کیا جاسکتا۔ معروف مستشرق واٹ اس کا اعتراف یوں کرتا ہے:

The Christian were probably better off as Dhimis under Muslim Arab rulers than they had been under the Byzantine Greek.(2)

''(مسلمانوں کے دور اقتدار میں) عیسائی، عرب مسلم حکمرانوں کے اقتدار میں بطور ذمی اپنے آپ کو یونانی بازنطینی حکمرانوں کی رعیت میں رہنے سے زیادہ محفوظ اور بہتر سمجھتے تھے۔''

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۴

۲۔ شافعی، المسند، ۱: ۳۴۴

۳۔ شیبانی، الحجۃ، ۴: ۳۵۵

۴۔ زیلعی، نصب الرایۃ، ۴: ۳۳۷

۵۔ شافعی، الام، ۷: ۳۲۱

۶۔ عسقلانی، الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ، ۲: ۲۶۳

(2) Watt M. Watt, *Islamic Political Thought*, p. 151.

حصہ سوُم

اِنسانی حقوق کا عالمی چارٹر

حقوق انسانی کی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ دور جدید میں حقوق انسانی کا شعور اسلام کی عطا کردہ آگہی اور تکریم انسانیت کا رہن منت ہے۔ مغربی دنیا میں رائج صدیوں کے غیر سائنسی اور روایاتی کلچر کی بنیادوں کو انیسویں صدی کی علمی تحریکوں نے متزلزل کیا، جن کا سہرا اسلام کے نور ہدایت کے سر ہے۔ بقول بریفالٹ یورپ کی حقیقی نشاۃ ثانیہ پندرھویں صدی میں نہیں بلکہ عربوں اور موروں کی احیائے ثقافت کی جدوجہد کے زیر اثر وجود میں آئی۔ یورپ کی نشاۃ نو کا مرکز اٹلی نہیں ہسپانیہ تھا۔ وہ زمانہ جب مغرب جہالت وتنزل کی تاریکیوں کا شکار تھا اسلامی دنیا کے شہر بغداد، قاہرہ، قرطبہ وطلیطلہ تہذیب وتمدن اور علمی وفکری ترقی کے عالمی مرکز بن چکے تھے۔ اس ترقی نے آگے چل کر انسانی ارتقاء کی وہ شکل اختیار کی جہاں بنی نوع انسان نے ہراس رسم و رواج اور تہذیبی و تمدنی روایت کو ترک کردیا جو انسانی تکریم کے منافی اور حقوق انسانی کی پامالی پر مشتمل تھی۔

ظہور اسلام سے دسویں صدی تک یورپ تہذیبی زوال کے اندھیروں میں گم تھا۔ انسانیت غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ اور ایسے ماحول میں جہاں ہرطرف استحصال کا دور دورہ تھا انسانی حرمت وعصمت اور اس کے بنیادی حقوق کا تصور بھی محال تھا۔ ایسے دور میں اسلام خدائے واحد کی پرستش، صنمیات و روایات باطلہ کی نفی اور توہم پر مبنی رسوم و رواج سے پاک اعلیٰ اخلاق پر مبنی دین کی تعلیم کے ساتھ ظہور پذیر ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے علم وعمل کی تعلیم کے ساتھ اپنی دعوت حق کا آغاز کیا اور معاشرے کے پسے ہوئے طبقہ کو گلے لگایا۔ انسانی مساوات کا درس دیا اور لوگوں کو ایک خدا کی اطاعت کی طرف بلایا، جس نے تمام انسانیت کو حضرت آدمؑ سے پیدا کیا اور مساوات کا اصولی مرتبہ عطا کر کے دنیا بھر میں پھیلایا۔ آپ ﷺ نے غلام و آقا کے ظالمانہ نظام کے خلاف عملی تحریک شروع کی(1)۔ اور عملی طور پر بنی نوع انسان کو پیغام دیا کہ کسی انسان کو دوسرے

انسان کا استحصال کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ یہ حسن معاشرت کی تعلیم کی معراج تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی انسان اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔

حضور اکرم ﷺ کی عظیم، آفاقی اور ابدی تعلیمات کے زیر اثر تاریخ عالم میں انسانی حقوق کی بیداری کی یہی وہ پہلی تحریک تھی جس نے قیصر و کسریٰ کے استحصالی و استبدادی غلبے کو ختم کر کے ایک پر امن، پر عظمت اور فکری طور پر مکمل آزاد اور روح حریت کے حامل معاشرے کی تخلیق کی۔ جہاں ہر قوم، نسل، مذہب اور رنگ کے لوگوں کو یکساں اور برابری کے حقوق حاصل تھے اور کسی جابر و مستبد حاکم کو معاشرے کے کمزور ترین فرد کے کسی بھی حق کی پامالی کی جرات نہ ہوسکتی تھی۔

خطبہ حجۃ الوداع کا تاریخی پس منظر

اسلام سے قبل تاریخ عالم کا جائزہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ مختلف اقوام و ملل کے عروج و زوال اور انحطاط کے عمل میں حقوق انسانی کے احترام اور استحصال و استبداد کے کلچر کا مرکزی کردار رہا ہے۔ اسلام دین فطرت ہوتے ہوئے حقوق انسانی کی پاسداری اور احترام کی تعلیم دیتا ہے۔ کیونکہ انسانی معاشرے میں اگر باہمی حقوق کے احترام کی اقدار پروان چڑھیں تو اس معاشرے میں امن و سکون اور محبت و مودت کو فروغ ملتا ہے لیکن اگر اس کے بجائے ہر فرد دوسرے کے حقوق کے پامالی کو اپنی بقا کی راہ قرار دے لے تو اس کے نتیجے میں نفرت، انتشار اور جنگ و جدل کا پیدا ہوجانا ایک فطری امر ہے۔

بعض مورخین نے حقوق انسانی کے تصور کا سراغ بابل کے بادشاہ حمورابی (۲۱۳۰۔۲۰۸۸ ق م) کے دور میں تلاش کرنے کی سعی کی ہے مگر اس کا قابل اعتماد تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے۔ دور جدید کے مغربی مفکرین بشمول سپائنوزا (Spinozoa 1632-1677)، بنتھم (Jeremy Bentham 1748-1832) اور آسٹن

(1) Ronald Segal, Islam's Black Slaves, Farrar, Straus & Giroux, 2002.

(John Austan, 1790-1859) وغیرہ کی بیان کردہ حقوق انسانی کی تعریفات و تشریحات بھی اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ مغربی دنیا کا تصور حقوق انسانی دور جدید کی علمی نشاۃ نو ہی کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید سیاسی فکر میں معاہدے عمرانی کے علمبردار مفکرین ہابس (Thomas Hobbes, 1588-1679)، لاک (John Locke, 1632-1704) اور روسو (Jean Jacques Rousseau, 1712-1778) نے انسانی حقوق کی اساس کو قدرتی و فطری حقوق میں تلاش کرنے کی سعی کی ہے۔(۱)

سابقہ اقوام کی تاریخ حقوق انسانی کی حوصلہ افزاء صورت حال پیش نہیں کرتی۔ مشرق وسطیٰ، عراق، فلسطین، شام، ایشائے کوچک، ایران، برصغیر، چین، یونان، روم اور یورپ میں طاقتور ہی ہر طرح کے حقوق کا حامل تھا جبکہ کمزور اور زیردست کی کہیں کوئی شنوائی نہ تھی۔ آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ سے پہلے انسانیت گمراہی و تاریکی کی اتھاہ گہرائیوں کا شکار تھی۔ انسانی حقوق کی حرمت پامال ہوچکی تھی۔ کسی کی عزت و آبرو محفوظ نہ تھی ہر طرف خوف، دہشت اور استحصال کا راج تھا خون ریزی ظلم وستم اور نہ ختم ہونے والی قبائل و ملکی جنگوں نے انسانی عظمت وعصمت کو تار تار کردیا تھا۔ رومی و ایرانی تمدن ظاہری طور پر عالمی طاقت کا روپ دھارے ہوئے تھے مگر ان کے ایوان ہائے اقتدار کے سائے تلے انسان حیوانوں سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ کسانوں پر ظالمانہ ٹیکس نافذ تھے، غلام جانوروں کی طرح دن رات محنت کرتے تھے اور امرائے حکومت اپنی عیاشیوں کے لئے غریب ومقہور عوام کی بیٹیوں کو ذاتی جاگیر سمجھتے تھے۔ ہوس زر و اقتدار بار بار جنگ وجدل کا باعث بنتی تھی تشدد اور خوف کی ایسی فضا میں جہاں جینے کا حق صرف طاقتور کو حاصل تھا غریب و کمزور انسان کے حق کی آواز بلند کرنا ایک امر محال تھا۔ ایسے ماحول میں جہاں ہر طرف اندھیروں کا راج تھا حضور اکرم ﷺ نے انسانی مساوات کا پیغام دیا۔ غلاموں کو معاشرے میں اتنا ہی باوقار ہونے کا حق دیا جتنا کسی حکمران یا طاقتور

(1) Reader's Digest Library of Modern Knowledge, p. 660.

فرد معاشرہ کا ہوسکتا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''انسان پر انسان کا خون حرام ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے اور سب انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں جو مٹی سے بنے تھے۔''

حقوق انسانی کی نبوی جد و جہد اور خطبہ حجۃ الوداع

خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے انسانیت کی عظمت، احترام اور حقوق پر مبنی ابدی تعلیمات اور اصول عطا کیئے مگر سیرت نبوی میں حقوق انسانی سے متعلق یہ واحد دستاویز نہیں۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی انسانیت نوازی اور تکریم انسانیت کی تعلیمات سے عبارت ہے۔ تاہم آپ کی حیات مبارکہ میں انسانی حقوق کے تحفظ اور عملی نفاذ کے حوالے سے خطبہ فتح مکہ اور خطبہ حجۃ الوداع کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

خطبہ فتح مکہ (۸ ھ)

حقوق انسانی کے حوالے سے سیرت نبوی ﷺ کی تیسری نمایاں دستاویز خطبہ فتح مکہ ہے۔ فتح مکہ کے دن حضور اکرم ﷺ نے کعبۃ اللہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر بنیادی انسانی حقوق سے متعلق وہ تاریخ ساز اعلان فرمایا جس سے اسلامی حکومت کے دستوری اصولوں امن، آزادی، رواداری، عدل و انصاف اور انسانی مساوات کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس روز بنیادی انسانی حقوق کے جس چارٹر کا اعلان فرمایا اس کی اہم ترین دفعات یہ اعلانات تھے:

۱۔ اعلان امن (Declration of Peace)

۲۔ اعلان آزادی (Declaration of Freedom)

۳۔ اعلان مساوات انسانی (Declaration of Human Equality)

یہ امر قابل ذکر ہے کہ آپ ﷺ کے ان تین تاریخ ساز اعلانوں کا اثر جدید دور میں ۱۲۲۲ برس بعد پہلی مرتبہ انقلاب فرانس کے موقع پر ۱۸۵۲ء میں دیکھا گیا۔ جسے

بعد میں اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور ۱۹۴۸ء کا حصہ بھی بنایا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن تاریخی خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے انسانی مساوات اور وقار کے منافی قوانین اور طبقاتی و نسلی امتیازات کے خاتمہ کا اعلان فرمایا:

یا معشر قریش! ان اللہ قد اذھب عنکم نخو الجا ھلیۃ و تعظمھا بالآباء الناس من آدم و آدم من تراب۔(۱)

''اے جماعتِ قریش! بیشک اللہ نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کا غرور آج مٹا دیا تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے یوں بیان کیا:

یا ایھا الناس ان اللہ قد اذھب منکم عبیۃ الجاھلیۃ و تعاظمھا بابائھا فالناس رجلان رجل برتقی کریم و فاجر شقی ھین علی اللہ والناس بنو آدم و خلق اللہ آدم من التراب قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر۔(۲)

''اے لوگو! اللہ نے تم سے جاہلیت کے غرور اور آباؤ اجداد کے نام پر ایک دوسرے پر فخر کرنے کو دور کر دیا پس آدمی تو دو ہی طرح کے ہیں اللہ سے ڈرنے والا اور اس کے نزدیک عزت کا حامل اور بدکار بدبختی کا مارا ہو اللہ کے نزدیک بے وقعت (یاد رکھو!) سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ ارشاد ربانی ہے، ''لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک

---

(۱) ابن قیم، زاد المعاد، ۳: ۴۴۲، ۴۴۳

(۲) عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۳۳۸

عورت سے پیدا کیا اور پھر تم کو مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بیشک تم میں سے اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے بیشک اللہ جاننے والا، خبردار ہے۔''

حضرت ابوہریرہ کی روایت میں آپ ﷺ کے الفاظ یوں ہیں:

لینھین اقوام یفتخرون بابائھن الذین ماتوا انما ھم فحم جھنم او لیکونن اھون علی اللہ من الجعل الذی یدھدہ الحزاء بانفہ ان اللہ اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ و فخر ھا بالاباء انما ھو مومن تقی و فاجر شقی الناس بنو آدم و آدم خلق من التراب۔(۱)

''باز آ جائیں وہ لوگ جو اپنے ان آباؤ اجداد کے نام پر ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں جو مر چکے ہیں اور اب جہنم کا ایندھن ہیں وہ اللہ کے نزدیک اس کیڑے سے بھی زیادہ بے وقعت ہوں گے جو اپنے نتھنے سے نجاست کو اِدھر اُدھر کرتا رہتا ہے (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے تم سے جاہلیت کے غرور اور اپنے آباؤ اجداد کے نام پر ایک دوسرے پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے۔ لوگ تو صرف دو ہی طرح کے ہیں۔ مومن اللہ سے ڈرنے والا اور بدکار بدبختی کا مارا ہوا، سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔''

یا ایھا الناس ان ربکم واحد و ان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لا سود علی احمر الا بالتقوی ان اکرمکم عنداللہ اتقکم الا ھل بلغت! قالو بلی یا رسول اللہ قال فلیبلغ الشاھد الغائب(۲)

---

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۷۳۴، رقم: ۳۹۵۵

(۲) احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۱۱، رقم: ۲۳۵۳۶

''اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے اور تم سب کا باپ ایک ہے کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری نہیں نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی برتری حاصل ہے کسی کالے کو کسی گورے پر اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری ہے سوائے تقویٰ کے، بیشک تم سب میں سے اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ سنو! کیا میں نے تم تک دعوت حق کی بات پہنچا دی؟ لوگوں نے جواب دیا: ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: تو جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ اس (دعوت حق) کو ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔''

ابن ابی حاتم نے اسی مفہوم کو ان الفاظ میں روایت کیا:

یا ایھا الناس ان ربکم واحد و ان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی خیرکم عنداللہ اتقاکم۔(۱)

''اے لوگو! بیشک تم سب کا رب ایک ہے اور تم سب کا باپ (آدم) ایک ہے سن لو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری نہیں اور نہ کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت ہے سوائے تقویٰ کے، تم میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔''

انسانی حرمت و وقار، آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ و احترام سے متعلق آپ کا یہ تاریخی خطبہ فقط ایک خطبہ یا اعلان ہی نہ تھا بلکہ ایک دورِ نو کا آغاز تھا جس کی عملی ابتداء آپ نے اپنے سالہا سال پرانے دشمنوں کو معافی عطا فرما کر اور فتح مکہ کے دن ایک حبشی غلام کو اس دن کا اعلیٰ ترین منصب عطا فرما کر کی۔ فتح مکہ کے دن آپ کے ہمراہ دس ہزار صحابہ کرام موجود تھے جن میں اصحاب بدر، دیگر غزوات میں حصہ لینے والے نمایاں و سرکردہ افراد اور مختلف عرب قبائل کے سردار اور معززین بھی شامل تھے مگر

(۱) عسقلانی، فتح الباری، ۶:۳۳۸

آپ ﷺ نے اپنے مساوات انسانی کے اعلان کو عملی اقدام میں بدلتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دو۔ وہ کعبہ جسے ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر کیا تھا اور جس کی عظمت وفضیلت عرب کے ہر ہر فرد کے قلب و روح میں موجود تھی، اس کی چھت پر کھڑے ہو کر ایک حبشی غلام کو اذان پڑھنے کا شرف ملنا ایک دورنو کا آغاز تھا۔ اہل مکہ کے لئے یہ ایک انوکھا تجربہ اور عجیب منظر تھا، تعصب ونفرت میں الجھے ہوئے یہ لوگ جس کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے، نسلی تفاخر اور قبائلی ونسبی برتری کا یہی زعم تھا کہ یہ منظر دیکھ کر عتاب بن اسید کہنے لگا:

’’میرا باپ (اسید) اچھا رہا کہ وہ یہ (اس حبشی کو کعبہ پر کھڑے اذان دینے کی) آواز سننے سے پہلے ہی قبر میں چلا گیا۔‘‘

حارث بن ہشام کہنے لگا:

’’کیا محمد کو اس کالے کوے کے سوا کوئی اور موذن نہیں ملا (معاذ اللہ)۔‘‘(۱)

حقوق انسانی کے حوالے سے خطبہ فتح مکہ کی اہمیت کو غیر مسلموں نے بھی تسلیم کیا، معروف رومانوی مفکر کونستان ورژل جارج لکھتا ہے:

’’حضرت محمد ﷺ عرب میں جو انقلاب لانا چاہتے تھے وہ عرب کے رسم و رواج، قبائل کے سرداروں کے خلاف عادت اور ہر قبیلہ کے ایک بڑے اجتماع کی تشکیل سب کے خلاف تھا۔ ان تمام حقائق کی معلومات کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ انقلاب فرانس سے بھی بڑا انقلاب تھا کیونکہ انقلاب فرانس فرانسیسیوں کے درمیان مساوات نہ پیدا کر سکا جبکہ حضرت محمد ﷺ کے انقلاب نے مسلمانوں میں مساوات پیدا کر دی اور خاندانی وطبقاتی اور مادی امتیاز بالکل ختم کر دیا۔‘‘(۲)

---

(۱) ۱۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ۲:۳۴۶
۲۔ حلبی، انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون، ۳: ۵۴

(۲) کونستان ورژل جارج، پیغمبر اسلام: ۱۵۶

آپ ﷺ کی قائم کردہ مساوات انسانی پر تبصرہ کرتے ہوئے یورپی مورخ فلپ ہٹی (Philip K.Hitti) لکھتا ہے:

Down through the ages this institution has continued to serve as the major unifying influence in Islam and the most effecitve common bond among the diverse believers. It rendered almost every capable Moslem perforce a traveller for once in his lifetime. The socializing influence of such a gathering of the brotherhood of believers from the four quarters of the earth is hard to over-estimate. It afforded opportunity for negroes, Berbers, Chinese, Persians, Syrians, Turks, Arabs, rich and poor,high and low- to fraternize and meet together on the common ground of faith. Of all world religious Islam seems to have attained the largest measure of success in demolishing the barriers of race, colour and nationality.(1)

’’صدیوں سے یہ دستور (حج) اسلام میں مسلسل اتحاد کی موثر ترین قوت کے طور پر کام کر رہا ہے، دنیا کے مختلف حصوں کے مسلمانوں میں یہ موثر ترین مشترکہ رشتہ ہے۔ حج نے ہر صاحب حیثیت فرد کو زندگی میں ایک مرتبہ (حج کے لئے) سفر کرنے کا پابند کردیا ہے۔ دنیا کے چار اطراف کی اسلامی برادری کے اس اجتماع کے معاشرتی اثر کے بارے میں بمشکل ہی مبالغہ آرائی کی ضرورت پڑے گی۔ یہ حبشیوں، بربروں، چینیوں، فارسیوں، شامیوں، ترکوں اور عربوں کو، امیر وغریب کو، کمتر و بالاتر کو مذہب کی مشترکہ اساس پر اخوت اور باہم روابط کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں صرف اسلام کو رنگ ونسل اور قومیت کی دیواریں گرانے میں سب سے زیادہ

(1) Hitti, Philip K., *History of the Arabs*, p. 136.

کامیابی حاصل ہوئی ہے۔‘‘

اسلامی معاشرے پر آپ کی تعلیمات کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے ھٹی لکھتا ہے:

> Out of the religious community of al-Madinah the later and larger state of Islam arose. This new community of Emigrants and Supporters was established on the basis of religion as the Ummat (congregation of) Allah. This was the first attempt in the history of Arabia at a social organization with religion, rather than blood, as its basis. Allah was the personification of state supermacy. His Prophet, as long as he lived, was His legitimate vicegerent and supreme ruler on earth. As such, Muhammad, in addition to his spiritual function, exercised the same temporal authority that any chief of a state might exercise. All within this community, regardless of tribal affiliation and older loyalties, were now brethren at least in principle.(1)

’’مدینہ کے مذہبی معاشرے سے بعد میں اسلام کی بڑی ریاست ظہور پذیر ہوئی۔ مہاجرین و انصار کی یہ نئی برادری دینی بنیادوں پر بطور امت وجود میں آئی۔ تاریخ عرب میں پہلی مرتبہ کوئی سماجی تنظیم خونی رشتے کی بجائے مذہبی بنیاد پر بنی۔ جہاں اقتدار اعلیٰ کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اور حضور اکرم ﷺ اپنی حیات مبارکہ کے دوران اللہ کے نائب اور زمین پر حکمران اعلیٰ رہے۔ اس طرح محمد ﷺ نے روحانی امور کی انجام دہی کے ساتھ بطور سربراہ مملکت بھی اپنے اختیارات استعمال کیے۔ قبائلی وابستگیوں اور پرانی وفاداریوں سے قطع نظر یہ نیا معاشرہ اصولی طور پر اخوت و بھائی چارے کا مظہر معاشرہ تھا۔‘‘

(1) Hitti, Philip K., *History of the Arabs*, pp. 120-122.

مغربی دانشور آرنلڈ ٹوائن بی لکھتا ہے:

''محمد ﷺ نے اسلام کے ذریعے انسانوں سے رنگ ونسل اور طبقاتی امتیاز کا یکسر خاتمہ کردیا، کسی مذہب نے اس سے بڑی کامیابی حاصل نہیں کی جو محمد ﷺ کے مذہب کونصیب ہوئی۔ آج کی دنیا جس ضرورت کے لئے تڑپ رہی ہے اسے صرف مساوات محمدی کے ذریعے ہی پورا کیا جا سکتا ہے۔''(۱)

حقوق انسانی کی نبوی جدوجہداور خطبہ حجۃ الوداع

حضور اکرم ﷺ نے انسانیت کو بنیادی حقوق کا تصور عطا کرنے کے لئے جس عظیم مشن کا آغاز معاہدہ حلف الفضول سے کیا تھا وہ مختلف مراحل سے گزرتا ہوا حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی تکمیل کو پہنچ گیا۔ آپ کا یہ خطبہ حقوق انسانی کا اولین اور ابدی منشور ہے جو کسی وقتی سیاسی مصلحت یا عارضی مقصد کے حصول کے لئے جاری نہ کیا گیا بلکہ عالم ارضی میں اللہ کے آخری پیغمبر ﷺ کی طرف سے بنی نوع انسان کے لئے ایسا جامع اور ہمہ گیر دستور تھا جس نے اسے اس باب میں دیگر کسی بھی رہنمائی سے مستغنی کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے حقوق انسانی سے متعلق تمام دیگر دستاویزات پر فوقیت اور اولیت حاصل ہے، جو آج کے جدید دور میں انسانی شعور نے تشکیل دیں۔ خطبہ حجۃ الوداع میں جن انسانی حقوق کا احاطہ کیا گیا وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا حق

۲۔ اولاد کے تحفظ کا حق

۳۔ امانت کی ادائیگی کا تحفظ

۴۔ قرض کی وصولیابی کا تحفظ

۵۔ جائیداد کے تحفظ کا حق

۶۔ سود اور اقتصادی استحصال کے خاتمے کا اعلان

(1) Toynbee, *Civilization on Trail*, p. 948.

۷۔ پرامن زندگی کا حق
۸۔ ملکیت کے تحفظ کا حق
۹۔ منصب و عزت نفس کا تحفظ
۱۰۔ قصاص و دیت اور دیگر قانونی معاملات میں مساوات کا حق
۱۱۔ نسلی و قبائلی تفاخر و فوقیت کے خاتمے کا اعلان
۱۲۔ عورتوں کے حقوق کا تحفظ
۱۳۔ غلاموں کے حقوق کا تحفظ
۱۴۔ مواخات کا حق
۱۵۔ خطبہ حجۃ الوداع میں بیان کردہ حقوق کے ابدی نفاذ کا اعلان

خطبہ حجۃ الوداع

۱۔ فحمد الله و اثنى عليه، ثم قال: ايها الناس، اسمعوا قولي، فإني لاأدري لعلي لا ألقاكم بعد عامي هذا بهذا الموقف أبدا، أيها الناس، إن دماء كم و أموالكم عليكم حرام إلى أن تلقتوا ربكم، كحرمة يومكم هذا، وكحرمة شهركم هذا، و إنكم ستلقون ربكم، فيسألكم عن أعمالكم، وقد بلغت، فمن كانت عنده أمانة فليؤدها إلى من ائتمنه عليها

''آپ ﷺ نے حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا: لوگو! میری بات سنو، دیکھو، میں جانتا نہیں کہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ میں تم سے کبھی نہ ملوں۔ لوگو! سن لو، تمہارے خون (یعنی تمہاری جانیں) تمہارے اموال ایک دوسرے پر اپنے رب سے ملنے تک (یعنی موت تک) اسی طرح قابلِ احترام ہیں۔ جس طرح تمہارے لئے یہ دن اور یہ مہینہ قابلِ احترام ہے اور دیکھو تم (مرنے کے بعد) عنقریب اپنے رب سے ملو گے، وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال

کرے گا اور میں (ہر عمل کے متعلق تمام احکام تمہیں) پہنچا چکا ہوں، پس جس کے پاس (کسی کی) امانت ہو، اسے چاہیے کہ وہ اس امانت کو مانگنے پر اُسی شخص کے حوالے کر دے، جس نے امانتدار سمجھ کر رکھی تھی۔‘‘

و إن كل ربا موضوع ولكن لكم رؤس أموالكم لا تظلمون ولا تظلمون قضى الله انه لاربا و إن ربا عباس بن عبدالمطلب موضوع كله، و ان كل دم كان فى الجاهلية موضوع و ان اول دمائكم أضع دم ابن ربيعة بن الحارث بن عبدالمطلب، و كان مسترضعا فى بنى ليث فقتلته هذيل فهو أول ما أبدا به من دماء الجاهلية۔

’’سنو! ہر قسم کا سود ساقط کر دیا گیا، البتہ تمہارے راس المال (یعنی اصل) تمہارے لئے ہیں، (ان میں) نہ تم زیادتی کرو گے (اگر تم نے کسی کو رقم دی ہو) اور نہ تمہارے ساتھ زیادتی کی جائے گی۔ (اگر تم نے کسی سے رقم لی ہو)، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اب کوئی سود (ربا) نہیں اور عباس بن عبدالمطلب کا کل سود ساقط کر دیا گیا۔ جاہلیت میں اسلام لانے سے پہلے جو بھی خون تھا، وہ بھی ختم کر دیا گیا۔ اب اس کا انتقام نہ لیا جائے گا اور سب سے پہلے خون جو میں ختم کرتا ہوں، وہ ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے اور ابن ربیعہ نے بنولیث میں دودھ پیا تھا، ہذیل نے اُسے قتل کر دیا تھا، پس یہ خون جاہلیت کے خونوں میں سے پہلا خون ہے، جس سے میں معافی کی ابتداء کر رہا ہوں۔‘‘

أما بعد أيها الناس، فان الشيطان قد يئس من أن يعبد بأرضكم هذه أبدا۔ ولكنّه إن يطع فيما سوى ذلك فقد رضى به مما تحقرون من اعمالكم، فاحذروه على دينكم أيها الناس: ان

النسی زیادة فی الکفر یضل به الذین کفروا فیحلونه عاما و یحرمونه عاما، لیواطئو عدة ما حرم الله، فسیحلوا ما حرم الله، ویحرموا ما أحل الله، و إن الزمان قد استدار کهیئته یوم خلق الله السموات و الأرض، و إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا، منها أربعة حرم، ثلاثة متوالیة، ورجب مضر، الذی بین جمادی و شعبان۔

''لوگو! آ گاہ رہو! شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہاری اس سرزمین میں کبھی اس کی پرستش کی جائے گی، لیکن اگر اس کی اطاعت کی جائے گی تو وہ تمہارے ان اعمال سے جنہیں تم حقیر سمجھتے ہو، راضی ہو جائے گا۔ اس لئے تم لوگ دین کے معاملے میں شیطان سے بچتے اور ڈرتے رہو، لوگو! نسئی (یعنی حرمت والے مہینوں کو آگے پیچھے کرنا) کفر میں اضافہ کرنا ہے۔ اس سے وہ لوگ اور بھی گمراہ ہوتے ہیں جو کافر ہیں جو ایک سال اسے حرام رکھتے ہیں، دوسرے سال حلال کر لیتے ہیں تا کہ یہ کافر لوگ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کر لیں، اس طرح یہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دے لیتے ہیں اور یہ بھی سنو کہ زمانہ پھر کر اُسی جگہ آ گیا۔ جہاں اس وقت تھا تب اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان پیدا کئے تھے اور یہ کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جن میں چار مہینے حرمت کے ہیں، تین مسلسل مہینے اور مضر کے نزدیک جو ماہ رجب ہے، یعنی جمادی الاخریٰ اور شعبان کے بیچ کا مہینہ (یعنی وہ رجب نہیں جو ربیعہ کے نزدیک معتبر تھا، وہ رمضان کو رجب کہتا تھا)۔''

أما بعد أیها الناس، فان لکم علی نسائکم حقا، ولهن علیکم حقا، لکم علیهن أن لا یوطئن فرشکم أحدا تکرهونه، و علیهن

أن لا يأتين بفاحشة مبينة، فان فعلن فان الله قد أذن لكم أن تهجرو هن فى المضاجع و تضربوهن ضربا غير مبرح، فان انتهين فلهن رزقهن و كسوتهن بالمعروف واستوصوا بالنساء خيرا، فانهن عندكم عوان لا يملكن لأنفسهن شيئا، و إنكم إنما أخذتموهن بأمانة الله، واستحللتم فروجهن بكلمات الله، فاعقلوا أيها الناس قولى، فانى قد بلغت، وقد تركت فيكم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدا، أمرا بينا، كتاب الله و سنة نبيه

''لوگو! آ گاہ رہو! تمہاری عورتوں پرتمہارا ایک حق ہے اورتم پر ان عورتوں کا ایک حق ہے۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارا فرش کسی بھی ایسے شخص کے لئے نہ لگائیں جسےتم ناپسند کرتے ہواور وہ کھلا ہوا فحش اختیار نہ کریں۔ پھر اگر وہ ایسا کریں تو تمہارے لئے اجازت ہے کہ تم اُنہیں بستروں میں چھوڑ دو اور اس طرح مارو، جو ضرب شدید نہ ہو۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو وہ اپنے کھانے اور کپڑے کے سلسلے میں حسنِ سلوک کے ساتھ مستحق ہیں اور عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور بھلائی کرنے کی نصیحت کرتے رہو۔ کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں وہ اپنی ذات کے لئے کسی چیز کی مالک نہیں ہوتیں اورتم نے اُنہیں اللہ کی امانت کے طور پر پکڑا ہے اورتم نے اُن کے ستر کو اللہ کے کلمات کے ساتھ حلال کیا ہے، اس لئے لوگو! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، میں نے تو (ہر حکم) پہنچا دیا اورتمہارے اندر وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا، تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ کھلی ہوئی چیز ہے، یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔''

أيها الناس، اسمعوا قولى واعقلوه، تعلمن أن كل مسلم أخ المسلم، و أن المسلمين إخوة، فلا يحل لامرى من أخيه إلا ما

أعطاه عن طيب نفس منه، فلا تظلمن أنفسكم، اللهم هل بلغت؟

’’لوگو! میری بات سن کر غور کرو، خوب سمجھ لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، لہٰذا کسی بھی آدمی کے لئے اپنے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں، بجز اس کے کہ وہ بطیّب خاطر کوئی چیز خود دے دے، پس تم لوگ اپنے آپ پر کسی بھی حالت میں ظلم نہ کرنا۔ لوگو! بتاؤ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟‘‘

لوگوں نے جواب میں کہا:

اللهم نعم۔

’’یقیناً یقیناً۔‘‘

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللّٰهم اشهد۔

’’اے اللہ! تو گواہ رہنا۔‘‘

قال ابن اسحاق: و حدثني يحى بن عباد بن عبدالله بن الزبير، عن أبيه عباد قال: كان الرجل الذى يمرخ فى الناس بقول رسول الله ﷺ و هو بمعرفة' ربيعة بن أمية بن خلف قال: يقول له رسول الله ﷺ: قل يايها الناس إن رسول الله ﷺ يقول: هلا تدرون أى شهر هذا؟ فيقول لهم فيقولون: الشهر الحرام: فيقول: قل هم: إن الله قد حرم عليكم دماء كم و أموالكم إلى أن تلقوا ربكم كحرمة شهركم هذا ثم يقول: قل: يأيها الناس إن رسول الله ﷺ يقول: هل تدرون أى بلد هذا؟ قال: فيصرخ به: قال: فيقولون البلد الحرام قال: فيقول: قل هم: إن الله قد حرم

عليكم دماء كم و أموالكم إلى أن تلقوا ربكم كحرمة بلدكم هذا قال: ثم يقول: قل: يأيها الناس إن رسول الله ﷺ يقول: هل تدرون أى يوم هذا؟ قال: فيقوله لهم فيقولون: يوم الحج الاكبر: قال: فيقول: قل لهم: إن الله قد حرم عليكم دماء كم وأموالكم إلى أن تلقوا ربكم كحرمة يومكم هذا.

''ابن اسحٰق نے کہا اور مجھ سے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے باپ عباد کی روایت بیان کی جو آدمی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو عرفات میں لوگوں تک پہنچانے کے لئے آواز لگارہا تھا، ربیعہ بن اُمیہ بن خلف تھا، عباد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ربیعہ بن اُمیہ سے کہہ رہے تھے کہ (بآواز بلند) کہو: لوگو! رسول اللہ ﷺ دریافت کرتے ہیں کیا تمہیں معلوم ہے یہ کون سا مہینہ ہے؟ پھر ربیعہ بن اُمیہ لوگوں سے پکار کر یہی الفاظ کہنے لگے۔ لوگوں نے جواب دیا، یہ شہر حرام ہے۔ بعد میں آپ نے ربیعہ سے کہا، ان لوگوں سے کہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے خونوں اور تمہارے اموال کو ایک دوسرے پر اپنے رب سے ملنے تک اسی طرح قابلِ احترام قرار دیا ہے، جس طرح تمہارے لئے یہ مہینہ قابلِ احترام قرار دیا ہے'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا، کہو، لوگو! رسول اللہ ﷺ دریافت کرتے ہیں، یہ کون سا مقام ہے''؟ ربیعہ نے ان الفاظ کو پکار کر کہا اور لوگوں نے جواب دیا، یہ بلد حرام (قابل احترام شہر) ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان سے کہو، اللہ تعالیٰ نے تمہارے خونوں اور اموال کو ایک دوسرے پر اپنے رب سے ملنے تک اسی طرح قابلِ احترام قرار دیا ہے۔ جس طرح تمہارے لئے تمہارا یہ شہر قابلِ احترام قرار دیا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہو لوگو! رسول اللہ ﷺ دریافت فرماتے ہیں: کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون سا دن ہے؟ ربیعہ نے یہ الفاظ پکار کر کہے اور لوگوں نے جواب دیا کہ یہ حجِ اکبر کا دن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان سے کہو، اللہ تعالیٰ نے تمہارے

خونوں اور تمہارے اموال کو ایک دوسرے پر اپنے رب سے ملنے تک اسی طرح قابل احترام قرار دیا ہے۔ جس طرح تمہارے لئے تمہارا یہ دن قابل احترام قرار دیا ہے۔‘‘

أيها الناس إن الله قد أدى إلى كل ذى حق حقه، و إنه لا تجوز وصية لوارث، والولد للفراش وللعاهر الحجر و من ادعى إلى غير أبيه، أو تولى غير مواليه، فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا(۱)

’’لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے اور کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں اور بچے کا انتساب باپ کی طرف ہوگا اور زانی کے لئے رجم ہے اور جس شخص نے اپنے باپ کو چھوڑ کر اپنی نسبت کسی اور کی طرف کی یا جس شخص نے اپنے آقا کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا آقا بنایا، اس پر اللہ کی، ملائکہ کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ نہ کوئی چیز اضافے کے ساتھ قبول کرے گا اور نہ اس کی مثل کوئی چیز قبول کرے گا۔‘‘

۲۔ أن رسول الله ﷺ خطب الناس يوم النحر فقال:يا أيها الناس أي يوم هذا؟ قالوا: يوم حرام قال: فأي بلد هذا؟ قالوا: بلد حرام قال: فأي شهر هذا؟ قالوا شهر حرام قال: فإن دماء كم و أموالكم و أعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا، في بلدكم هذا، في شهركم هذا قال: فأعادها مراراً، ثم رفع رأسه فقال: اللهم هل بلغت، اللهم قد بلغت قال ابن عباس: فوالذي نفسي بيده إنها لوصيته إلى امته. فليبلغ الشاهد الغائب، لا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض۔

(۱) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۴:۲۵۰

''رسول اللہ ﷺ نے یوم النحر کو لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا: ''اے لوگو! یہ کون سا دن ہے؟ انہوں نے جواب دیا حرمت والا دن ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کون سا شہر ہے؟ انہوں نے جواب دیا حرمت والا شہر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہ حرمت والا مہینہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہے جس طرح اس ماہ میں اس شہر میں تمہارے اس دن کی حرمت ہے۔ راوی بیان کرتا ہے آپ ﷺ نے اس بات کو کئی بار دہرایا پھر اپنا سر اٹھایا اور فرمایا اے اللہ! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے، اے اللہ میں نے پیغام پہنچا دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بلاشبہ یہ آپ ﷺ کی امت کو وصیت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: پس جو آدمی موجود ہے وہ غیر موجود کو یہ وصیت پہنچا دے، میرے بعد پلٹ کر کفار نہ بن جانا تم ایک دوسرے کو قتل کرو گے۔''

قال: أتدرون أی یوم هذا؟ قلنا الله ورسوله أعلم، فسكت حتی ظننا أنه سيسميه بغير اسمه قال: أليس هذا يوم النحر؟ قلنا: بلی! قال: أي شهر هذا؟ قلنا: الله ورسوله أعلم فسكت حتی ظننا أنه سيسميه بغير اسمه قال: اليس ذوالحجة؟ قلنا: بلی! قال: أي بلد هذا؟ قلنا: الله ورسوله أعلم، فسكت حتی ظننا أنه سيسميه بغير اسمه قال: أليس بالبلد الحرام؟ قلنا: بلی! قال: فإن دماء كم و أموالكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا، فيشهركم هذا، في بلدكم هذا، إلی يوم تلقون ربكم، ألا هل بلغت؟ قالوا: نعم! قال: اللهم اشهد فليبلغ الشاهد الغائب، فرب مبلغ أوعی من سامع، فلا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم

رقاب بعض۔

’’(دوسری روایت میں ہے) رسول اللہ ﷺ نے یوم النحر کو ہم سے خطاب کیا اور فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں حتیٰ کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ یوم النحر نہیں؟ ہم نے کہا بیشک یہ یوم النحر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ پس آپ ﷺ خاموش ہو گئے حتیٰ کہ ہم خیال کرنے لگے کہ آپ ﷺ اسے کسی اور نام سے موسوم کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ذی الحجہ نہیں۔ کہا بیشک یہ ذوالحجہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، پس آپ ﷺ خاموش ہو گئے حتیٰ کہ ہم نے خیال کہ آپ ﷺ اسے کسی اور نام سے موسوم کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ شہر حرام نہیں۔ ہم نے کہا بیشک یہ شہر حرام ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے خون اور تمہارے اموال تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس ماہ میں اس شہر میں تمہارے اس دن کی حرمت ہے اور یہ حرمت تمہارے رب سے ملنے کے دن تک قائم رہے گی۔ آگاہ رہو، کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ تو بھی گواہ رہ اور حاضر آدمی غائب تک پہنچا دے، بہت سے آدمی جن تک بات پہنچائی جاتی ہے سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں پس میرے بعد پلٹ کر کفار نہ بن جانا جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔‘‘

فقال: ألا إن الزمان قد استدار كهيئة يوم خلق الله السموات والأرض، السنة اثني عشر شهرا، منها أربعة حرم، ثلاثة متواليات: ذوالقعدة و ذوالحجة والمحرم و رجب مضر الذي

بين جمادی و شعبان ثم قال: "ألا أي يوم هذا؟" قلنا: الله ورسوله أعلم، فسکت حتی ظننا أنه سيسميه بغير اسمه قال: "أليس هذا يوم النحر؟" قلنا: بلی! ثم قال: "أي شهر هذا؟" قلنا: الله ورسوله أعلم فسکت حتی ظننا أنه سيسميه بغير اسمه قال: "أليس ذاالحجة؟" قلنا: بلی! ثم قال: "أي بلد هذا؟" قلنا الله ورسوله أعلم فسکت حتی ظننا أنه سيسميه بغير اسمه. قال: "أليست البلدة؟ قلنا: بلی! قال: فإن دماء کم و أموالکم لأحسبه. قال: وأعراضکم عليکم حرام کحرمة يومکم هذا، في شهرکم هذا، في بلدکم هذا، وستلقون ربکم فيسألکم عن أعمالکم ألا لا ترجعوا بعدي ضلالا يضرب بعضکم رقاب بعض، ألا هل بلغت ألا ليبلغ الشاهد الغائب، فلعل من يبلغه يکون أوعی له من بعض من سمعه۔

''آپ ﷺ نے ایک اور روایت کے مطابق فرمایا: کہ جس دن سے زمین و آسمان پیدا ہوئے ہیں زمانہ اپنی ہیئت پر گھوم رہا ہے، سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے جن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین پے در پے آتے ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اورمحرم اور رجب مضر وہ ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان آتا ہے پھرفرمایا یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، پس آپ ﷺ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ ﷺ اسے کسی اور نام سے موسوم کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ یوم النحر نہیں؟ ہم نے کہا بیشک، پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، پس آپ ﷺ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ ﷺ اسے کسی اور نام سے موسوم

کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں؟ ہم نے کہا بیشک پھر فرمایا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، پس آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ ہم نے خیال کیا کہ آپ ﷺ اسے کسی اور نام سے موسوم کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ شہر حرام نہیں؟ ہم نے کہا بیشک، آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے خون اور تمہارے اموال...... اور میرا خیال ہے آپ ﷺ نے فرمایا ...... اور تمہاری عزتیں، تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس ماہ میں اس شہر میں تمہارے اس دن کی حرمت ہے اور عنقریب تم اپنے رب سے ملوں گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا۔ آ گاہ رہو میرے بعد گمراہ نہ ہونا تم ایک دوسرے کو قتل کرو گے۔ آ گاہ رہو، کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے، آ گاہ رہو حاضر آدمی غائب تک یہ پیغام پہنچا دے اور شاید جسے پیغام پہنچایا جائے وہ بعض سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔''

أتدرون أي يوم هذا؟ قالوا: الله ورسوله أعلم قال: فإن هذا يوم حرام، أفتدرون أي بلد هذا؟ قالوا: الله ورسوله أعلم قال: بلد حرام قال: أفتدرون أي شهر هذا؟ قالوا: الله ورسوله أعلم، قال: شهرحرام قال: فإن الله حرم عليكم دماء كم و أموالكم و أعراضكم كحرمة يومكم هذا،في شهر كم هذا، في بلدكم هذا إن أمر عليكم عبد مجدع حسبتها قالت: أسود يقود كم بكتاب الله فاسمعوا له و أطيعوا۔

''(دوسری روایت کے مطابق) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون سا دن ہے؟ انہوں نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا یہ حرمت والا دن ہے کیا تم جانتے ہو کہ یہ

کون سا شہر ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا حرمت والا شہر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا حرمت والا مہینہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے تم پر، تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں اس طرح حرام کی ہیں جس طرح اس شہر میں اس ماہ میں تمہارے اس دن کی حرمت ہے۔ اگر تم پر نکٹا غلام امیر بنا دیا جائے ۔راوی کے خیال میں شاید فرمایا اگر سیاہ فام غلام امیر بنا دیا جائے جو تمہیں کتاب اللہ کی طرف لے جائے تو اس کی سمع و اطاعت کرو۔‘‘

فقال: أي يوم أعظم حرمة ؟ قالوا: يومنا هذا قال: ’’أي شهر أعظم حرمة؟ قالوا: شهرنا هذا قال: أي بلد أعظم حرمة؟ قالوا: بلدنا هذا قال: فإن دماء كم و أموالكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا، في بلدكم هذا، في شهركم هذا، هل بلغت؟ قالوا: نعم قال: اللهم اشهد۔

’’(دوسری روایت کے مطابق) فرمایا کون سا دن سب سے زیادہ حرمت والا ہے۔ لوگوں نے کہا ہمارا یہ دن، آپ ﷺ نے فرمایا کون سا مہینہ سب سے زیادہ حرمت والا ہے انہوں نے کہا ہمارا یہ مہینہ، آپ ﷺ نے فرمایا کون سا شہر سب سے زیادہ حرمت والا ہے۔ انہوں نے کہا ہمارا یہ شہر، آپ ﷺ نے فرمایا، بیشک تمہارے خون اور تمہارے اموال تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس شہر اور اس ماہ میں تمہارے اس دن کی حرمت ہے کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہ۔‘‘

قال رسول الله ﷺ في حجة الوداع: إنما هن أربع ، لا تشركوا بالله شيئا، ولا تقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق، ولا تزنوا ولا تسرقوا۔

''رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں چار باتیں بیان فرمائیں: کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بناؤ اور جس نفس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسے ناحق قتل نہ کرو اور بدکاری اور چوری نہ کرو۔''

وهو يقول: أمك و أباك، و أختك و أخاك، ثم أدناك أدناك، قال: فجاء قوم فقالوا: يا رسول الله قبلنا بنو يربوع فقال رسول الله ﷺ لا تجني نفس على أخرى۔

''آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی ماں، اپنے باپ اور اپنی ہمشیرہ اور اپنے بھائی کی خدمت کر، پھر اپنے اقرباء کا خیال رکھ۔ راوی بیان کرتا ہے کچھ لوگوں نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ! بنو یربوع نے ہم کو ضامن بنایا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی آدمی دوسرے پر ظلم نہ کرے۔''

ثم قال: قد أذهب الله الحرج إلا رجلا اقترض امرأ مسلما فذلك الذي حرج و هلك وقال: ما أنزل الله داء إلا أنزل له دواء إلا الهرم۔

''پھر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے گناہ کو ختم کر دیا ہے سوائے اس شخص کے جس نے مسلمان آدمی سے قرض لیا اور وہ مر گیا، پس یہ گناہ ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کے سوا ہر بیماری کی دوا نازل فرمائی ہے۔''

أيها الناس، ثلاث مرات' أي يوم هذا؟ قالوا: يوم الحج الأكبر قال: فإن دماء كم و أموالكم و أعراضكم بينكم حرام

كحرمة يومكم هذا، في بلدكم هذا، ولا يجني جان على والده، ألا إن الشيطان قد يئس أن يعبد في بلدكم ها ولكن سيكون له طاعة في بعض ما تحتقرون من أعمالكم فيرضى، ألا و إن كل ربا من الجاهلية يوضع لكم رؤوس أموالكم، لا تظلمون ولا تظلمون۔

’’آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو یہ کون سا دن ہے؟ انہوں نے کہا حج اکبر کا دن ہے آپ ﷺ نے فرمایا بیشک تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں آپس میں اسی طرح حرام ہیں جیسے تمہارے اس شہر میں تمہارا یہ دن حرمت والا ہے اور کوئی ظالم اپنے والد پر ظلم نہیں کرے گا۔ آگاہ رہو شیطان تمہارے اس شہر میں اپنی پرستش سے مایوس ہو چکا ہے لیکن تم اپنے کچھ اعمال کو حقیر سمجھ کر عنقریب اس کی اطاعت کرو گے اور وہ خوش ہو جائے گا۔ آگاہ رہو کہ جاہلیت کے تمام سود تمہارے راس المال کے سوا ساقط کئے جاتے ہیں، نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔‘‘

الا تسمعون؟ فقال رجل من طوائف الناس: يا رسول الله ماذا تعهد إلينا فقال: اعبدوا ربكم و صلوا خمسكم، وصوموا شهركم، و أطيعوا إذا أمرتم، تدخلوا جنة ربكم

’’آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم سنتے ہو؟ تو لوگوں میں سے ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمیں کیا وصیت کرنا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنی پانچوں نمازیں پڑھو اور اپنے مہینے کے روزے رکھو اور جب تمہیں حکم دیا جائے تو اطاعت کرو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔‘‘

إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث، والولد

للفراش، وللعاهر الحجر، وحسابهم على الله ومن ادعى إلى غير أبيه أو انتمى إلى غير مواليه، فعليه لعنة الله التابعة إلى يوم القيامة، لا تنفق امرأة من بيتها إلا بإذن زوجها فقيل: يا رسول الله ولا الطعام؟ قال: ذاك أفضل أموالنا ثم قال رسول الله العارية مؤداة، والمنحة مردودة، والدين مقضي، والزعيم غارم۔

''آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیا ہے پس وارث کے لئے وصیت نہیں اور بچہ بستر والے کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے اور جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف یا اپنے موالی کے علاوہ دوسروں کی طرف منسوب ہو اس پر قیامت کے روز تک اللہ کی مسلسل لعنت ہو، عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے گھر سے خرچ نہ کرے آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ کھانا بھی خرچ نہ کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ ہمارا بہترین مال ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عاریۃً لی ہوئی چیز ادا کی جائے گی اور تحفہ واپس نہ کیا جائے گا اور قرض چکایا جائے گا اور ذمہ دار قرض ادا کرے گا۔''

یا أیها الناس أتدرون فی أی شهر أنتم و فی أی یوم أنتم و فی أی بلد أنتم؟ قالوا: فی یوم حرام و شهر حرام و بلد حرام. قال: فإن دماء کم و أموالکم و أعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا، فی شهرکم هذا، فی بلد کم هذا، إلی أن تلقونه، ثم قال: اسمعوا منی تعیشوا، ألا لا تظلموا ألا لا تظلموا ألا لا تظلموا، إنه لا یحل مال امرء مسلم إلأ بطیب نفس منه، ألا إن کل دم و مال ومأثرة کانت فی الجاهلیة تحت قدمی هذا إلی یوم القیامة، وإن أول دم یوضع دم ابن ربیعة بن الحارث بن عبد المطلب کان

مسترضعاً فی بنی سعد، فقتلته هذیل. ألا إن کل ربا فی الجاهلیة موضوع، وإن الله قضی أن أول ربا یوضع ربا العباس بن عبد المطلب، لکم رؤوس أموالکم، لا تظلمون ولا تظلمون

’’ آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس ماہ اور کس دن اور کس شہر میں ہو؟ انہوں نے کہا حرمت والے دن اور ماہ اور شہر میں، آپ ﷺ نے فرمایا بیشک تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس ماہ اور شہر میں اس دن کی حرمت ہے یہاں تک کہ تم اللہ سے جا ملو گے پھر فرمایا: میری بات سنو تم (میرے بعد) زندہ رہو گے، آ گاہ رہو ظلم نہ کرنا، ظلم نہ کرنا، ظلم نہ کرنا، کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں، آ گاہ رہو، جاہلیت کا ہر خون، مال اور بڑائی، قیامت تک میرے ان دونوں پاؤں کے نیچے ہے اور سب سے پہلے ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کا خون ساقط کیا جاتا ہے جو بنی سعد میں دایہ تلاش کر رہے تھے کہ ہذیل نے انہیں قتل کر دیا، آ گاہ رہو جاہلیت کا ہر سود ساقط کر دیا گیا ہے اور اللہ نے فیصلہ کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت بن المطلب کا سود ساقط کیا جاتا ہے تمہارے لئے تمہارے راس المال ہیں نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔‘‘

ألا و إن الزمان قد استدار کهیئة یوم خلق الله السمٰوات والأرض، ثم قرأ إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهراً فی کتاب الله یوم خلق السمٰوات والأرض منها أربعة حرم ذلك الدین القیم فلا تظلموا فیهن أنفسکم (سورة التوبه:۳۶) الا! لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض، ألا إن الشیطان قد یئس أن یعبده المصلون، ولکنه فی التحریش بینکم، واتقوا

الله في النساء، فإنهن عندكم عوان لا يملكن لأنفسهن شيئاً، وإن لهن عليكم حقاً ولكم عليهن حق، أن لا يوطئن فرشكم أحد غيركم، ولا يأذن في بيوتكم لأحد تكرهونه، فإن خفتم نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع، واضربوهن ضربا غير مبرح، ولهن رزقهن وكسوتهن بالمعروف، وإنما أخذتموهن بأمانة الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله، ألا ومن كانت عنده أمانة فليؤدها إلى من ائتمنه عليها، وبسط يده وقال: الا هل بلغت! ألا هل بلغت! ثم قال: ليبلغ الشاهد الغائب، فإنه رب مبلغ أسعد من سامع۔(۱)

''پھر آپ ﷺ نے فرمایا: سنو! زمانہ گھوم پھر کر پھر اسی حالت پر آ گیا ہے جس پر آسمان و زمین کی تخلیق کے وقت تھا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: بیشک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد کتاب الٰہی میں جس وقت سے اس نے زمین و آسمان کو خلق کیا ہے بارہ مہینے ہے جن میں سے چار ماہ حرمت والے ہیں، یہ قائم رہنے والا دین ہے پس تم ان مہینوں میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔ آگاہ رہو میرے بعد پلٹ کر کفار نہ بن جانا کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو گے، آگاہ رہو بیشک شیطان اس بات سے کہ نمازی اس کی پرستش کریں مایوس ہو چکا ہے لیکن وہ تمہیں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف اکسائے گا اور عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو وہ تمہارے پاس قیدی ہیں وہ اپنے

---

(۱) ۱۔ابن کثیر، البدایۃ والنہایہ،۴: ۱۵۷، ۱۵۸
۲۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۲: ۳۰۲، ۳۰۳
۳۔ بیہقی، دلائل النبوہ، ۵: ۴۳۶۔۴۴۲
۴۔ ابن خلدون، التاریخ، ۲: ۴۶۱

لئے کچھ اختیار نہیں رکھتیں اور بیشک ان کا تم پر حق ہے اور تمہارا بھی ان پر حق ہے کہ تمہارے سوا کوئی تمہارا بستر پامال نہ کرے اور جسے تم ناپسند کرتے ہو وہ انہیں تمہارے گھر آنے کی اجازت نہ دیں پس اگر تم کو ان کی نافرمانی کا خوف ہو تو انہیں نصیحت کرو اور انہیں بستروں میں چھوڑ دو اور انہیں ایسی ضرب لگاؤ جو سخت ایذا والی نہ ہو اور معروف طریق کے مطابق ان کی خوراک اور لباس تمہارے ذمے ہے اور تم نے انہیں اللہ کی ودیعت سے حاصل کیا ہے اور کلام الٰہی سے ان کی فروج کو حلال کیا ہے، آگاہ رہو کہ جس کے پاس کوئی امانت ہو تو وہ اسے اس کو ادا کر دے جس نے اسے اس پر امین بنایا ہے اور پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ پھیلا کر فرمایا کیا میں نے پیغام پہنچا دیا! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے! پھر فرمایا حاضر آدمی، غائب تک پیغام پہنچا دے بیشک بہت سے جن تک بات پہنچائی جاتی ہے وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔''

۳۔ قال: ألا أی شهر تعلمونه أعظم حرمة، قالوا: شهرنا هذا، قال: أی بلد قالوا: هذا قال: إن الله قسم لكم إنسان نصيبه من الميراث فلا تجوز لوارث وصية، ألا وإن الولد للفراش و للعاهر الحجر ألا ومن ادعى إلى غير أبيه أو تولى غير مواليه رغبة عنهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين!

''آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ کون سا مہینہ زیادہ حرمت والا ہے۔ لوگوں نے کہا ''یہ ہمارا مہینہ'' فرمایا کونسا شہر۔ لوگوں نے کہا یہ ہمارا شہر (مکہ)۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے ہر انسان کے لئے میراث میں اُس کا حصہ مقرر کر دیا ہے، اس لئے وراثت کے لئے وصیت جائز نہیں خبردار بچہ صاحب فراش کے لئے ہے (یعنی عورت جس کی منکوحہ ہے بچہ اسی شخص کا ہے اگرچہ وہ مخفی طور پر زنا سے ہو) اور بدکار کے لئے پتھر ہے، وہ شخص

جو اپنے باپ کے سوا کسی اور کا (بیٹا ہونے) کا دعویٰ کرے یا کوئی آزاد کردہ غلام اپنے آزاد کرنے والوں سے منہ پھیر کے دوسروں کا آزاد کردہ غلام ہونے کا دعویٰ کرے تو اُس پر اللہ کی ملائکہ کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔''

أن النبیﷺ، وقف یوم النحر بین الجمرات فی الحجة الی حج فقال للناس: ای یوم هذا؟ فقالوا: یوم النحر، قال: فأی بلد هذا؟ قالوا: البلد الحرام، قال: فأی شهر هذا؟ قالوا: الشهر الحرام، فقال: هذا یوم الحج الأکبر! فد ماؤکم و أموالکم وأعراضکم علیکم حرام کحرمة هذا البلد فی هذا الشهر فی هذا الیوم. ثم قال: هل بلغت؟ قالوا: نعم! فطفق رسول الله ﷺ یقول: اللهم اشهد! ثم ودع الناس فقالوا: هذا حجة الوداع۔

''حضور اکرم ﷺ یوم النحر میں جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے، لوگوں سے فرمایا، یہ کون سا دن ہے، عرض کی النحر ہے فرمایا یہ کون سا شہر ہے لوگوں نے فرمایا، بلد حرام، فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے لوگوں نے کہا، شہر حرام، فرمایا۔ یہ حج اکبر کا دن ہے، تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں اس دن میں اس مہینے میں اس شہر کی حرمت کی طرح تم پر حرام ہیں، پھر فرمایا کیا میں نے (پیام الٰہی) کی تبلیغ کر دی، لوگوں نے کہا رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے، اے اللہ گواہ رہ آپ ﷺ نے لوگوں کو رخصت (وداع کیا) اس لئے انہوں نے (اس حج کو) حجۃ الوداع کہا۔''

قال: أی یوم أحرم؟ قالوا: هذا الیوم! قال: فأی شهر أحرم؟ قالوا: هذا الشهر! قال: فأی بلد أحرم؟ قالوا: هذا البلد! قال: فإن دماء کم وأموالکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی شهر کم هذا فی بلدکم هذا، هل بلغت؟ قالوا: اللهم نعم! قال: اللهم

اشهد. اللهم اشهد. اللهم اشهد۔

''آپ ﷺ نے فرمایا: کون سا دن سب سے زیادہ محترم ہے؟ لوگوں نے کہا یہی دن، فرمایا کون سا مہینہ سب سے زیادہ محترم ہے؟ لوگوں نے کہا یہی مہینہ فرمایا کون سا شہر سب سے زیادہ محترم ہے لوگوں نے کہا یہی شہر، فرمایا تمہارے خون تمہارے مال تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں ہے، فرمایا، کیا میں نے تبلیغ کردی لوگوں نے کہا ہاں فرمایا: اے اللہ گواہ رہ!، اے اللہ گواہ رہ!، اے اللہ گواہ رہ!''

یا أیها الناس إن دماء کم و أموالکم حرام علیکم إلی أن تلقوا ربکم کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا. ألا هل بلغت؟ قال قلنا: نعم! قال: اللهم اشهد! ألا لا ترجعن بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض۔

''اے لوگو! تمہارے خون تمہارے مال اپنے پروردگار سے ملنے تک تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی حرمت،تمہارے اس مہینے میں ہے اور اس شہر میں ہے خبردار کیا میں نے تبلیغ کردی، ہم لوگوں نے کہا ہاں، فرمایا اے اللہ گواہ رہ، خبردار میرے بعد کفر کی طرف نہ پلٹ جانا کہ تم میں سے کوئی کسی کی گردن مارے۔''

أرقاءکم أرقاءکم! أطعموهم مما تأکلون و اکسوهم مما تلبسون! وإن جاؤوا بذنب الا تریدون أن تغفروه فبیعوا عباد الله ولا تعذبوهم۔

''فرمایا: اپنے غلاموں کا خیال رکھو!، اپنے غلاموں کا خیال رکھو!، جو تم کھاؤ اسی میں سے انہیں کھلاؤ، جو تم پہنو اسی میں سے انہیں پہناؤ اگر وہ کوئی

ایسا گناہ کریں جسے تم معاف نہ کرنا چاہو تو اے اللہ کے بندو انہیں بیچ ڈالو اور انہیں سزا نہ دو۔‘‘

ألا إن الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السمٰوات والأرض، السنة اثنا عشر شهراً منها أربعة حرم ثلاثة متواليات: ذوالقعدة و ذوالحجة والمحرم، ورجب مضر الذی بين جمادی وشعبان۔

خبردار! زمانہ اپنی ہیئت پر اسی دن سے گردش کرتا ہے جس دن سے اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے، سال بارہ مہینے کا ہے ان میں سے چار مہینے حرام (محترم) ہیں تین تو پے در پے ذی القعدہ و ذی الحجہ و محرم، اور ایک بعد کو (قبیلہ) مضر کا وہ رجب جو جمادی الآخر و شعبان کے درمیان ہے۔

ثم قال: أی يوم هذا؟ قلنا: الله ورسوله أعلم! فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه فقال: أليس اليوم النحر؟ قلنا: بلى! قال: أی شهر هذا؟ قلنا: الله ورسوله أعلم! قال: فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه قال: أليس ذا الحجة؟ قلنا: بلى! قال: أی بلد هذا؟ قلنا: الله ورسوله أعلم، فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه قال: أليست البلدة الحرام؟ قلنا: بلى!

’’پھر فرمایا یہ کون سا دن ہے تو ہم نے کہا۔ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم لوگوں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ اس کے نام کے علاوہ کوئی اور نام بتائیں گے فرمایا کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ ہم نے کہا بے شک ہے فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے سکوت کیا، یہاں تک کہ ہم لوگوں کا گمان ہوا کہ آپ ﷺ اس کے نام کے علاوہ کوئی دوسرا نام بتائیں

گے، تو فرمایا، کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے ہم نے کہا بیشک ہے فرمایا یہ کون سا شہر ہے ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے آپ ﷺ نے سکوت کیا یہاں تک کہ ہم لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ ﷺ اس کے نام کے سوا کوئی نام بتائیں گے تو فرمایا کیا یہ بلد حرام نہیں ہے ہم نے کہا بیشک ہے۔‘‘

قال: فإن دماء كم و أموالكم، قال وأحسبه قال وأعراضكم، عليكم حرام كحرمة يومكم هذا فى شهركم هذا فى بلدكم هذا، وستلقون ربكم فيسألكم عن أعمالكم! ألا لا ترجعن بعدى ضلا لا يضرب بعضكم رقاب بعض! ألا هل بلغت؟ ألا ليبلغ الشاهد منكم الغائب فلعل بعض من يبلغه أن يكون أوعى له من بعض من سمعه! ألا هل بلغت؟(۱)

’’فرمایا تمہارے خون، تمہارے مال، راوی نے کہا میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے اور تمہاری آبروئیں بھی (فرمایا)، تم پر ایسے حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینے کی حرمت اس شہر میں ہے تم اپنے پروردگار سے ملوگے، تو وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا، خبردار میرے بعد گمراہ ہوکر دین سے نہ پھر جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، خبردار! کیا میں نے (حق) پہنچا دیا؟ خبردار! جو تم میں سے حاضر ہے وہ غائب کو پہنچادے کیونکہ شاید بعض لوگ جنہیں یہ پہنچے ان سے زیادہ حفاظت کرنے والے ہوں جنہوں نے سنا لوگو! کیا میں نے تبلیغ کر دی؟‘‘

۴۔ أنه قال إن الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السمٰوات والأرض السنة اثنا عشر شهرا منها أربعة حرم ثلاثة متواليات ذو القعدة و ذو الحجة والمحرم و رجب شهر مضر الذي بين

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۱۸۳۔۱۸۷

جمادى و شعبان ثم قال أي شهر هذا قلنا الله ورسوله أعلم قال فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه قال أليس ذا الحجة قلنا بلى قال فأي بلد هذا قلنا الله ورسوله أعلم قال فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه قال أليس يوم النحر قلنا بلى يا رسول الله قال فإن دماء كم و أموالكم قال محمد و أحسبه قال و أعراضكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في شهر كم هذا و ستلقون ربكم فيسألكم عن أعمالكم فلا ترجعن بعدي كفارا أو ضلالا يضرب بعضكم رقاب بعض ألا ليبلغ الشاهد الغائب فلعل بعض من يبلغه يكون أوعى له من بعض من سمعه ثم قال ألا هل بلغت.

''حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: زمانہ گھوم کر اس دن کی حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا، سال کے بارہ مہینے، ان میں سے چار مہینے عزت والے ہیں، تین مہینے تو متواتر ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور ایک رجب ہے یہ مضر کا مہینہ ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔ راوی کہتے ہیں آپ ﷺ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ ﷺ اس کا کوئی نام رکھیں گے پھر فرمایا: کیا ذوالحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا البلدۃ (مکہ) نہیں ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: آج کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور

اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ ﷺ خاموش رہے حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے خون اورتمہارے مال (راوی کہتا ہے کہ میرا گمان ہے آپ ﷺ نے فرمایا:) اور تمہاری عزت تم (میں سے ایک دوسرے) پر اس طرح حرام ہیں جس طرح آج کا دن اس شہر کے اس ماہ میں محترم ہیں، عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا، کہیں تم میرے بعد کافر یا گمراہ نہ ہو جانا اور ایک دوسرے کی گردن مارنے نہ لگ جانا، سنو! حاضر، غائب کو پہنچا دے شاید جن کو یہ بات پہنچائی جائے، ان میں سے بعض، سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں، پھر فرمایا سنو! کیا میں نے پیغام (حق) پہنچا دیا ہے۔‘‘

قال إن دماء کم و أموالکم حرام عليکم کحرمة يومکم هذا في شهرکم هذا في بلدکم هذا ألا کل شي ء من أمر الجاهلية تحت قدمي موضوع و دماء الجاهلية موضوعة و إن أول دم أضع من دمائنا دم بن ربيعة بن الحارث کان مسترضعا في بني سعد فقتلته هذيل و ربا الجاهلية موضوع و أول ربا أضع ربانا ربا عباس بن عبدالمطلب فإنه موضوع کله فاتقوا اللہ في النساء فإنکم أخذتموهن بأمان اللہ و استحللتم فروجهن بکلمة اللہ ولکم عليهن أن لا يوطئن فرشکم أحدا تکرهونه فإن فعلن ذلك فاضربوهن مبرح ولهن عليکم رزقهن و کسوتهن بالمعروف وقد مالن تضلوا بعده إن اعتصمتم به کتاب اللہ و أنتم تسألون عني فما أنتم قائلون قالوا نشهد أنك قد بلغت و أديت و نصحت

فقال بإصبعه السبابة يرفعها إلى السماء وينكتها إلى الناس اللهم اشهد اللهم اشهد ثلاث مرات۔(۱)

''آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے خون اور اموال ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسا کہ آج کے دن کی حرمت اس مہینے میں اور اس شہر کے اندر اور جاہلیت کے تمام امور میرے دونوں قدموں کے نیچے ہیں اور جاہلیت کے خون بھی میرے قدموں کے نیچے ہیں اور سب سے پہلا خون جو اپنے خونوں میں سے معاف کئے دیتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث کا خون ہے کہ وہ بنی سعد میں دایہ کی تلاش میں تھا کہ اسے ہذیل نے قتل کر ڈالا اور اسی طرح زمانہ جاہلیت کا تمام سود چھوڑ دیا گیا ہے اور پہلا سود جو ہم اپنے یہاں کے سود سے چھوڑے دیتے ہیں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے اس لئے کہ وہ سب معاف کر دیا گیا اور اب تم اللہ تعالیٰ سے عورتوں کے بارے میں بھی ڈرو اس لئے کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ کی امان میں لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے ساتھ ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے اور تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں کہ جس کا آنا تمہیں ناگوار ہو اب اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسا مارو کہ جس سے چوٹ نہ لگے اور ان کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کی روٹی، کپڑا دستور کے موافق تم پر واجب ہے اور میں تمہارے درمیان ایسی چیز یعنی اللہ کی کتاب چھوڑے جاتا ہوا اگر تم اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو تو اس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو۔ اور تم سے قیامت میں میرے متعلق سوال ہو گا تو پھر تم کیا جواب دو گے؟ سب نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیں گے کہ بیشک آپ نے اللہ

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، ۲: ۸۸۶۔۸۹۲، رقم: ۱۲۱۸
۲۔ مسلم، الصحیح، ۳: ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، رقم: ۱۶۷۹
۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، رقم: ۱۴۷۰۵
۴۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، ۴: ۱۵۹

کا پیغام پہنچا دیا اور رسالت کا حق ادا کیا، اور امت کی خیر خواہی کی پھر آپ نے شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا کہ آپ اسے آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور لوگوں کی جانب جھکاتے تھے اور فرماتے تھے یا اللہ گواہ رہنا، یا اللہ گواہ رہنا تین بار آپ نے اس طرح کیا۔''

خطبہ حجۃ الوداع اور بنیادی انسانی حقوق

اگر ہم بنیادی انسانی حقوق کے حوالے سے خطبہ حجۃ الوداع کے مافیہ کا جائزہ لیں تو اس عظیم تاریخی خطبے کی درج ذیل دو نمایاں خصوصیات سامنے آتی ہیں:

ا۔ حقوق و فرائض کا توازن و حقوق کی ادائیگی کی ضمانت

ب۔ بنیادی انسانی حقوق کا جامع احاطہ

ا۔ حقوق و فرائض کا توازن

حضور اکرم ﷺ نے جس مثالی معاشرے کی تشکیل فرمائی آپ ﷺ نے اس کی اساس اقتدار الٰہیہ کو قرار دیا۔ اقتدار الٰہیہ کو اساس قرار دے کر نہ صرف حقوق انسانی کے نفاذ کو یقینی بنا دیا گیا بلکہ یہ احساس بھی اجاگر کر دیا گیا کہ اسلامی معاشرے میں حق کی طلب سے قبل ہر شخص تقویٰ کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اپنے اوپر عائد دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے بھی کمربستہ رہے۔ آپ نے تعلق باللہ اور تعلق بالرسالت کے استحکام کے لئے توحید و رسالت کی تصدیق و عملی توثیق کو ہر وقت مستحضر رکھنے کی تعلیم دی:

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نتوب اليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله۔

''سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہم اس کی حمد کرتے ہیں، اسی سے مدد

چاہتے ہیں اسی سے معافی مانگتے ہیں، اسی کے حضور توبہ کرتے ہیں اور ہم اللہ ہی سے اپنے نفسوں کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے تو پھر کوئی اسے بھٹکا نہیں سکتا اور جسے اللہ گمراہ کرے تو پھر کوئی اس کو ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔‘‘

آپ ﷺ نے اس تعلق کو عمل میں ڈھالنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اوصیکم عباد اللہ بتقوی اللہ واحثکم علی طاعته واستفتح بالذی هو خیر۔

’’اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی تاکید اور اس کی اطاعت پر پرزور طور پر آمادہ کرتا ہوں اور میں ابتدا اسی سے کرنا چاہتا ہوں جو بھلائی ہے۔‘‘

اما بعد! ایها الناس اسمعوا منی ابین لکم فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی هذا فی موقفی هذا۔

’’امابعد! لوگو مجھ سے سنو میں تمہیں بتاتا ہوں کیونکہ اللہ جانتا ہے شاید اس سال کے بعد میں اس جگہ تم سے پھر نہ مل سکوں۔‘‘

الا فاعبدوا ربکم و صلوا خمسکم و صوموا شهرکم و ادوا زکوة اموالکم طیبة بها انفسکم و تحجوا بیت ربکم واطیعوا ولاة امرکم تدخلوا جنة ربکم۔

’’لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرو مہینے بھر کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو، اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل

ہو جاؤ گے۔‘‘

مستقبل میں آپ نے ہر نوع کے باطل و گمراہی پر مبنی رجحانات سے بچنے اور راہ حق پر کاربند رہنے کے لئے محتاط روش اختیار کرنے کی تلقین یوں فرمائی:

ایھا الناس ان الشیطان قد یئس ان یعبد فی ارضکم ھذہ ولکنہ قد رضی ان یطاع فیما سوی ذالك ما تحقرون من اعمالکم فاحذروہ علی دینکم۔

’’لوگو! شیطان اس سے تو مایوس ہوگیا ہے، کہ اب تمہاری اس سرزمین میں اس کی پوجا ہو۔ لیکن وہ اس پر راضی ہے کہ اس کے سوا دیگر ایسی باتوں میں اس کی اطاعت کی جائے جن کو تم اپنے اعمال میں حقیر سمجھتے ہو۔ اس لئے اپنے دین کے متعلق اس (شیطان) سے محتاط رہو۔‘‘

الغرض جب آپ نے فرمایا:

او صیکم عباد اللہ بتقویٰ اللہ۔

’’اللہ کے بندو! میں تمہیں تقویٰ یعنی اللہ سے ڈرنے کی تاکید کرتا ہوں۔‘‘

تو آپ نے تعلیم کردہ جملہ باہمی حقوق کی ادائیگی کے داعیے کو اہل ایمان کے قلب و روح میں راسخ کر دیا اور اس طرح مسلم معاشرہ دیگر اقوام و معاشروں سے اس لحاظ سے ممتاز ہوگیا کہ یہاں حقوق انسانی کا نفاذ کسی ریاستی یا قانونی نظام ہی کا مرہون منت نہیں بلکہ یہاں حقوق انسانی کا نفاذ ایک ایمان و اعتقادی فریضے کی حیثیت اختیار کر گیا۔

ب۔ بنیادی انسانی حقوق کا جامع احاطہ

خطبہ حجۃ الوداع میں انسانی حقوق کے ہر پہلو کا جامع احاطہ کیا گیا۔ صدیوں پہلے حقوق انسانی کا تذکرہ اور ان کا جامع احاطہ ہدایت ربانی کا فیضان تھا۔ اگر ہم اس کا

جائزہ دور جدید کے ارتقاء کے تناظر میں لیں تو دور جدید کی سیاسی و قانونی فکر میں حق کا تصور بھی واضح نظر نہیں آتا۔ حال ہی میں ہاؤس آف کامنز کے ایک رکن Win Griffiths نے ایوان میں تصور حقوق کے ابہام کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

"Some of the rights are fundamental & we can all agree on them. However, should we include a right to a healthy environment, or is that just a worthy political objective? Might consumer rights be included?"(1)

''کچھ حقوق تو بنیادی ہیں جن پر ہم سب متفق ہوسکتے ہیں۔لیکن کیا ان حقوق میں صحتمندانہ ماحول کا حق بھی شامل ہونا چاہئے؟ یا یہ محض ایک سیاسی مسئلہ ہے۔ کیا ان حقوق میں صارف کے حقوق کا تذکرہ بھی کرنا ہوگا؟''

پھر یہی حال حقوق سے متعلق مختلف قوانین کی تشریح وتوضیح کا ہے:

"Different interpretation from the two European courts on similar or identical issues could give rise to confusion & legal uncertainty."(2)

''(انسانی حقوق کے) ایک ہی جیسے اور مماثل مسائل کی دو مختلف یورپی عدالتوں کی توضیح وتشریح مغالطے اور قانونی ابہام کا باعث بن سکتی ہے۔''

چونکہ مغربی فکر میں حق کا تصور واضح نہیں اس لئے اس کا نفاذ بھی ابہام کا شکار ہے۔مغربی ماہر قانون Anthony Arnull یورپ میں مختلف حقوق انسانی سے متعلق قوانین پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

"They will do little to reinforce the protection afforded to individules in concrete cases."(3)

---

(1) HC Debates, 16 Feb 2000, Research Paper HC Library, p. 15.

(2) HC Debates, 16 Feb 2000, Research Paper HC Library, p. 21.

(3) Anthony Arnull, The European Union and its Court of Justice, 1999, p. 219.

’’(یہ قوانین) مشکل حالات میں افراد کو ان کے حقوق کا تحفظ کم ہی فراہم کریں گے۔‘‘

جبکہ آپ ﷺ کی تعلیمات میں نہ صرف حق کا واضح اور غیر مبہم تصور موجود ہے بلکہ انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی و قومی سطح تک حقوق انسانی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس کے بارے میں اصولی رہنمائی خطبہ حجۃ الوداع سے میسر نہ آتی ہو، خطبہ حجۃ الوداع میں آپ کے اعلان کردہ انسانی حقوق کو ہم یوں بیان کر سکتے ہیں:

۱۔ انفرادی حقوق
۲۔ اجتماعی حقوق
۳۔ قانونی حقوق
۴۔ معاشی حقوق
۵۔ قومی سطح پر انسانی حقوق
۶۔ بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق
۷۔ خطبہ حجۃ الوداع دور جدید کے تناظر میں

۱۔ انفرادی حقوق

خطبہ حجۃ الوداع میں مذکور انفرادی حقوق درج ذیل پہلوؤں کے حامل ہیں:
۱۔ ہر شخص کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا حق
۲۔ عورتوں کے حقوق
۳۔ غلاموں کے حقوق

۱۔ جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا حق

ایها الناس ...... ان دماءکم و أموالکم و أعراضکم و أولادکم حرام علیکم۔(۱)

(۱) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۶۰۳

''اے لوگو! بلا شبہ تمہارے خون اور تمہارے مال، تمہاری عزتیں اور تمہاری اولاد باہم ایک دوسرے کے لئے قابل احترام ہیں۔''

جان، مال، عزت و آبرو اور اولاد کے تحفظ کے حق کے اس اعلان کی اہمیت کا اندازہ عرب معاشرے کی اس نراجی کیفیت سے ہوتا ہے جہاں کسی کی بھی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی بلکہ طاقت ہی قانون کی حیثیت رکھتی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے ہر فرد معاشرہ کو جان کے تحفظ کا حق، مال کے تحفظ کا حق، عزت نفس کے تحفظ کا حق اور خاندان کے تحفظ کا حق عطا کرنے کے ساتھ ساتھ اجتماعی طور پر بھی پورے انسانی معاشرے کے حقوق کے عملی تحفظ اور نفاذ کی یقینی اور حتمی ضمانت فراہم کر کے جبر و استبداد اور استحصالی معاشرہ میں انسانیت کو انسانی حقوق وفرائض کی ابدی تعلیمات سے متعارف فرمایا۔

آپ ﷺ کے قائم کردہ مثالی معاشرہ سے قبل عہد جاہلیت میں عرب قبائل کسی قاعدے یا ضابطے کے پابند نہ تھے۔ معمولی سی اشتعال انگیزی سے شروع ہونے والی جنگ نسل در نسل جاری رہتی اور ان جنگوں میں سینکڑوں گھرانے برباد ہو جاتے۔ قتل، سفاکی و درندگی اور انسانیت کے خلاف سنگین جرائم کا ارتکاب عرب معاشرے کا موروثی اخلاق بن چکا تھا۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال و دولت، مویشی، اہل و عیال پر بھی ڈاکہ ڈالنے کے لئے تیار رہتا تھا، تاجروں اور سوداگروں کے قافلے بغیر کسی بھاری تاوان کے کسی میدان سے سلامت گزر نہیں سکتے تھے، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا تھا اور ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیتا۔

اخلاقی زوال کے حامل اس معاشرے میں حضور اکرم ﷺ نے منشور حقوق انسانی کو امت مسلمہ کا ضابطہ عمل بنایا اور غیر مسلم بھی آپ ﷺ کے اس اعلان کے فیض سے مستفیض ہوئے۔

خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو کوئی ذمہ داری سونپتے یا کسی عہدہ پر اس کا تقرر فرماتے تو اس کے متعلقہ فرائض ایک ایک کر کے بتاتے جن میں حقوق

انسانی کا احترام کرنا بھی شامل ہوتا اور اس سے عہد لیتے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوگا۔

حضرت اسامہ بن زید کی قیادت میں آپ ﷺ نے جو لشکر (ربیع الاول ۱۱ھ) عرب و شام کی سرحد پر روانہ فرمایا تو آپ ﷺ نے اسے ضابطہ عمل دیتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! ...... ذرا ٹھہرو! میں تمہیں دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں تم انہیں یاد رکھو: خیانت نہ کرنا، سرکشی نہ کرنا، دشمنوں کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹنا، چھوٹے بچے، بوڑھے اور عورت کو قتل نہ کرنا، ہاں تم ایسے لوگوں سے دوچار ہو گے جنہوں نے اپنی زندگی عبادت خانوں کے لئے وقف کر دی ہے تم ان لوگوں کو کچھ نہ کہنا اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔''(۱)

خلیفہ دوم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فتح بیت المقدس (۱۶ھ) کو وہاں کے عیسائی اہل ذمہ سے حسب ذیل معاہدہ کیا جو حقوق انسانی کے احترام کا عکاس ہے:

''یہ وہ امان ہے جو خدا کے بندہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایلیہ کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے، اس طرح کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو یا ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے معاملہ میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔''(۲)

۲۔ عورتوں کے حقوق

آپ ﷺ نے فرمایا:

ایها الناس! ان لنسائکم علیکم حقا ولکم علیهن ...... و انما

(۱) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۴۶۳

(۲) محمد حسن ہیکل، الفاروق عمر، ۱: ۲۲۸

النساء عندکم عوان لا یملکن لا نفسهن شیا، و انکم انما اخذ تموهن با مانة الله، واستحللتم فروجهن بکلمات الله، فاتقوا الله فی النساء و استوصوا بهن خیرا۔(۱)

''اے لوگو! تمہاری بیویوں کا تمہارے ذمہ حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے...... بلاشبہ عورتیں تمہارے پاس مقید ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لئے کسی چیز پر قادر نہیں، بلاشبہ تم نے انہیں اللہ کی امان کے طور پر حاصل کیا ہے اور انہیں اپنے اوپر اللہ کے کلمات کے ساتھ حلال کیا ہے لہٰذا عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو۔''

آپ نے عورتوں کے حقوق کا یہ تاریخی اعلان اس معاشرے میں کیا جہاں عورتوں کو خاندانی، معاشی، سماجی، معاشرتی، عائلی، آئینی یا کسی بھی حیثیت میں کوئی حق حاصل نہ تھا۔ اسلام کی آمد سے قبل عورت کے مقام و مرتبہ کا تصور بھی محال تھا، اسے نہایت نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ عورت کو عہد جاہلیت میں صرف مرد کے جذبات نفسانی اور خواہشات ذاتی کا سامان سمجھا جاتا تھا۔ بیٹی کی پیدائش ذلت و عار کا باعث سمجھی جاتی تھی، قرآن حکیم نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا:

''جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کے چہرے کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ اسے بہت بری خبر خیال کرتا ہے اور اس کی وجہ سے دوسروں کے سامنے آنے سے شرم (محسوس) کرتا ہے اور سوچتا ہے کیا میں اسے ذلت کے لئے زندہ رہنے دوں یا زمین میں گاڑ دوں، یاد رکھو! وہ جو بھی فیصلہ کرتے ہیں وہ بہت برا ہے۔''(۲)

---

(۱) ۱۔ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۲: ۶۰۴
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۲۶۸

(۲) القرآن، النحل، ۱۶: ۵۸، ۵۹

اسلام سے قبل عرب معاشرہ میں بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دی جاتی تھی کیونکہ لڑکے حالت جنگ میں قبیلہ کی طرف سے جنگ کا ہراول دستہ ثابت ہوتے اور قبیلے کا دفاع کرتے تھے جبکہ لڑکیاں یہ کردار ادا نہ کرسکتی تھیں۔ چنانچہ عہد جاہلیت میں لڑکیاں مردوں کے لئے جنگی نقطہ نظر سے ایک بہت بڑا بوجھ تھیں۔مالی میراث کے بارے میں بھی اہل عرب کا یہ نظریہ تھا کہ جائیداد کا وارث اورحق دار صرف اورصرف مرد ہے اس لئے کہ وہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے، اسلحہ اٹھاتا ہے، جنگ کرتا ہے جبکہ عورتیں ان صفات سے محروم ہیں لہٰذا وہ وارث یا ورثہ کی حقدار نہیں ہوسکتیں۔(۱)

حضور اکرم ﷺ سے قیس بنی تمیم کی درج ذیل گفتگو اہل عرب کے اس رویہ کی عکاسی ہے۔آپ ﷺ ایک مرتبہ ایک بچی کو رانوں پر بٹھائے کھلا رہے تھے، قیس نے پوچھا: ”یہ کس جانور کا بچہ ہے جسے آپ ﷺ کھلا رہے ہیں؟ باللہ العظیم میری ایسی بہت سی لڑکیاں پیدا ہوئیں لیکن میں نے ان سب کو زندہ دفن کر دیا اور کسی کو بھی نہ کھلایا۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے بھلے آدمی معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے تیرے دل میں کسی قسم کی انسانی محبت پیدا نہیں کی، یہ تو ایک نعمت عظمیٰ ہے جو انسان کو دی گئی ہے تو اس سے محروم ہے۔“(۲)

دور جاہلیت میں بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے کی قبیح رسم

زمانہ جاہلیت کی روایات اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم بنو اسد کے امراء سے شروع ہوئی اور ان کی پیروی میں بنو ربیعہ، بنو کندہ اور بنو تمیم کے بڑے لوگوں نے بھی اسے اختیار کر لیا لیکن پھر یہ رسم بد صرف امیروں تک ہی محدود نہ رہی بلکہ ان کی دیکھا دیکھی نچلے طبقہ کے لوگوں میں بھی راہ پا گئی۔سب سے پہلا شخص جس نے بیٹی کو زندہ درگور کیا وہ قیس بن عاصم تھا۔(۳)

(۱) عمر فروخ، تاریخ الجاہلیہ: ۱۵۷، ۱۵۸

(۲) گستاؤلی بان، تمدن عرب: ۳۷۴

(۳) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۰: ۴۰۶

قبول اسلام کے بعد حضرت قیس بن عاصم تمیمی نے ایک موقعہ پر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس امر کا اعتراف کیا کہ میں نے عہد جاہلیت میں بارہ یا تیرہ بیٹیوں کو زندہ دفن کیا۔(۱)

عرب معاشرے میں بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے کی رسم بد کی ابتداء اور اس کی لڑکیوں سے نفرت کی وجوہات کئی تھیں۔ بعض روایات کے مطابق بنو تمیم پر حکمران کی جانب سے خراج عائد کیا گیا تھا جو انہوں نے بادشاہ وقت کو ادا نہ کیا نتیجتاً قبیلہ بنو تمیم کی اولاد کو قیدی بنا لیا گیا اس پر بنو تمیم کا ایک وفد نعمان بن المنذر حاکم وقت کے پاس حاضر ہوا اور قیدیوں کے بارے میں گفتگو کی، نعمان نے یہ فیصلہ کیا کہ عورتوں کو اختیار دے دیا جائے چنانچہ عورتوں نے اس اختیار کا استعمال مختلف طرح سے کیا ان میں قیس بن عاصم کی بیٹی بھی تھی۔ اس نے اپنے قید کرنے والے کو اپنے خاوند پر ترجیح دی۔ اس پر قیس نے یہ عہد کر لیا کہ جو بچی اس کے یہاں پیدا ہو گی وہ اسے زندہ درگور کر دے گا چنانچہ اس نے دس سے زائد بیٹیاں زندہ دفن کر دیں۔(۲)

قرآن حکیم میں زندہ درگور شدہ لڑکی کے لئے 'الموؤدۃ' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ 'موؤدۃ' کا نام ان بچیوں کے لئے بولا جاتا ہے جنہیں عرب زندہ درگور کر دیا کرتے تھے، زندہ دفن کرنے والے کو 'وائد' اور بچی کو 'وئید، وئیدۃ' اور 'موؤدۃ' کہا جاتا تھا۔ 'موؤدۃ' کا لفظ 'وأد' سے ماخوذ ہے جس کے معنی بوجھ کے ہیں گویا اسے اس لئے 'موؤدۃ' کہا گیا کہ بچی پر مٹی کا بوجھ ڈال دیا جاتا تھا تا آنکہ وہ مر جاتی تھی۔(۳)

ایک مرتبہ ایک شخص نے رسالتماب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''اللہ کے رسول ﷺ ہم جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے اور اپنی اولادوں کو قتل کیا کرتے تھے، میری ایک بیٹی تھی جب

(۱) ابن اثیر، اسد الغابہ، ۴: ۴۳۳

(۲) محمود شکری، بلوغ الارب، ۳: ۵۲۴

(۳) محمود شکری، بلوغ الارب، ۳: ۵۲۴

میں اسے بلاتا تو میرے بلانے پر وہ بڑی خوش ہوتی، ایک روز میں نے اسے بلایا وہ بڑی خوش ہوتی ہوئی میرے پاس آئی میں اسے لئے ہوئے قریبی کنوئیں پر آیا میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کنویں میں دھکیل دیا، آخری بات جو میں نے اس کی سنی تھی وہ یہ تھی کہ اے میرے ابا جان! اے میرے ابا جان! رسول اللہ ﷺ اس کی بات سن کر اتنا روئے کہ آپ ﷺ کی آنکھوں کے آنسو خشک ہو گئے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں میں سے کسی نے کہا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو غمگین کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اسے روکا اور فرمایا: بیشک وہ اس کے بارے میں پوچھ رہا ہے جس نے اسے غم میں مبتلا کر رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: اپنی بات کو دہراؤ اس نے جب اپنی بات کو دوبارہ دہرایا تو پھر آپ ﷺ اتنا روئے کہ آپ ﷺ کے آنسوؤں سے داڑھی مبارک تر ہو گئی پھر آپ ﷺ نے فرمایا: **ان اللہ قدر وضع عن الجاھلیة ما عملوا فاستانف عملك۔** بیشک اللہ تعالیٰ نے جہالت کے زمانہ کے اعمال کو معاف فرما دیا ہے، اپنے اعمال کا نئے سرے سے آغاز کرو۔(۱)

اگرچہ اسلام سے قبل عرب معاشرہ میں جہاں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی یہ مذموم اور ظالمانہ رسم جاری تھی تاہم اسی معاشرہ میں کچھ رحمدل اور انسان دوست لوگ بھی تھے جو زندہ درگور ہونے سے بچانے کے لئے بچیوں کے ماں باپ کو فدیہ کی رقم دے کر ان کی زندگیوں کو تحفظ فراہم کرتے تھے۔ لڑکیوں کی زندگیوں کے تحفظ کو یقینی بنانے والوں میں زید بن عمرو بن نفیل کا تذکرہ خصوصیت سے ملتا ہے چنانچہ جب کوئی شخص اپنی بیٹی کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا تو زید اس سے کہتا اسے قتل نہ کر میں اس کی روزی کا کفیل ہوں اور لڑکی کو اس شخص سے لے لیتا جب وہ لڑکی جوان ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتا اگر تو چاہے تو میں لڑکی تیرے حوالہ کر دوں ورنہ میں اس کی خوراک کی کفالت کرتا رہوں گا جبکہ

(۱) دارمی، السنن، ۱: ۱۴، رقم: ۲

اسی سلسلہ کا دوسرا نام صعصعہ بن ناجیہ کا ہے جس نے زرِ فدیہ ادا کر کے تین سو ساٹھ بچیوں کی زندگیوں کو تحفظ فراہم کیا۔ مگر جاہلانہ رسوم کے شکار معاشرے میں نومولود بچیوں کے بہیمانہ قتل عام کا یہ کوئی مستقل حل نہ تھا۔ اس رسم بد کا خاتمہ اسلام کی آمد پر ہی ہوسکا جب آپ ﷺ نے عورتوں کو حقوق عطا فرما کر معاشرے کا باوقار فرد بنادیا۔

۳۔ غلاموں کے حقوق

آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں غلاموں کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ارقائکم ارقائکم، أطعموهم مما تأکلون و اکسوهم مما تلبسون، و ان جاء وا بذنب لا تریدون ان تغفروه فبیعوه عباداللّٰہ، ولا تعذبوهم۔ الا هل بلغت؟ اللهم فاشهد۔ یا أیها الناس: اسمعوا، و أطیعوا و ان أمر علیکم عبد حبشی مجدع أقام فیکم کتاب اللّٰہ

’’تمہارے غلام، تمہارے غلام، ان سے اچھا سلوک کرو، انہیں وہی کچھ کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، اور انہیں ویسا ہی پہناؤ جیسا تم خود پہنتے ہو۔ اگر وہ (غلام) ایسی غلطی کر بیٹھیں جسے تم معاف نہیں کرنا چاہتے تو اللہ کے بندو انہیں فروخت کر دو اور انہیں سزا مت دو۔ سنو! کیا میں نے پیغام الٰہی پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ رہ۔ اے لوگو! سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کسی حبشی غلام کو جو نکٹا ہو امیر بنا دیا جائے، جبکہ وہ تمہارے معاملات میں کتاب اللہ کو نافذ کرے۔‘‘

حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ فرما کر انسانی تاریخ کے سب سے زیادہ مظلوم طبقہ ’’غلام‘‘ کے حقوق کو تحفظ عطا فرمایا۔ حتیٰ کہ آپ کے آخری دور میں اور وصال کے آخری لمحات میں بھی آپ ﷺ کی تمام تر توجہ کے مرکز مظلوم و مجبور غلام ہی تھے۔

آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں تاکیداً فرمایا: تمہارے غلام، تمہارے غلام اور

وصال کے عین آخری لمحات میں ''نماز اور غلام'' کے کلمات زبان نبوی ﷺ سے ادا ہوئے۔ جن سے انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کی نظر میں غلاموں کے مقام اور ان کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ کے یہ الفاظ تاریخ میں مساوات انسانی کی بنیاد ہیں جن کے ذریعہ آپ ﷺ نے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی، آپ ﷺ کی ان تعلیمات کا اثر عہد نبوی ﷺ کے مقدس معاشرہ پر اور آپ ﷺ کے بعد اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں رہا۔

غلامی اور تاریخ عالم

غلامی عرب معاشرے ہی کا حصہ نہ تھی بلکہ اس کی ابتداء آغاز تاریخ سے ہی ہوئی۔ تاریخی اعتبار سے اس کے آثار ہر زمانہ اور ہر قوم میں پائے جاتے ہیں۔ اس کی ابتداء اس وقت ہوئی جب انسانی معاشرہ وحشت کے مرحلے میں تھا اور اس وقت بھی موجود رہی جب انسانی شعور نے ترقی کی منزلیں طے کر لی تھیں جیسا کہ گزشتہ ابواب میں بیان ہو چکا ہے۔

دنیا میں غلامی کی تاریخ حاکمیت و محکومیت اور فاتح و مفتوح کی تاریخ کے ساتھ ساتھ شروع ہوتی ہے۔ طاقتور قبائل کمزور قبائل کو فاتح اور حاکم مفتوح اور محکوم کو غلام بناتے تھے۔ غلاموں کے رواج میں جنگوں کا کردار مرکزی ہے ان میں شکست خوردہ گرفتار ہوتے تھے، انہیں یا تو قتل کر دیا جاتا تھا یا معاوضہ لے کر چھوڑ دیا جاتا تھا یا دائمی غلام بنا لیا جاتا تھا، اور جو عمر بھر کے لئے غلام بن جاتے تھے ان سے ہر قسم کے کام لئے جاتے تھے، ان میں آخری صورت زیادہ رائج تھی۔ جس نے رفتہ رفتہ لونڈی اور غلاموں کی تجارت کی شکل اختیار کر لی۔ یہ لونڈی اور غلام معاشرتی زندگی کا ایسا حصہ بن گئے تھے کہ کوئی ملک اور کوئی قوم بھی غلامی کے رواج سے خالی نہ تھی۔

یونان، روم، مصر، ہندوستان ہر ملک میں غلامی رائج تھی، بعض ملکوں میں تو غلاموں کی تعداد ملک کی اصل آبادی کے برابر تھی، خود یورپ میں انیسویں صدی کے وسط

تک غلامی رائج تھی، یورپین قومیں محض جنگی قیدیوں ہی کو نہیں بلکہ نیم متمدن اقوام کو بھی زبردستی غلام بنا لیتی تھیں، غلاموں کی حیثیت جانوروں سے بھی بدتر تھی، آقا ان کی جان تک کا مالک ہوتا تھا، غلاموں کے قتل کی کوئی سزا نہ تھی، ان سے طرح طرح کے پرمشقت کام لئے جاتے تھے اور ادنیٰ لغزش اور سرتابی کی بڑی سخت سزا دی جاتی تھی، ان کی تمام املاک کا مالک آقا ہوتا تھا۔تقریباً پوری دنیا میں غلاموں کا یہی حال تھا۔

یونان کے مفکرین نے نوع انسانی کو دو قسموں میں تقسیم کیا تھا، پیدائشی آزاد اور پیدائشی غلام، ان کے خیال میں دوسری قسم (پیدائشی غلام) صرف پہلی جنس کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

ارسطو جیسے مفکر نے بھی غلامی کا رواج سوسائٹی کے لئے ضروری قرار دیا تھا اس کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ریاست (State) کے قیام کی حقیقی غرض یہ ہے کہ وہ ہیئت اجتماعی یا سوسائٹی کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنا سکے، اور اس مقصد کے لئے ناگزیر ہے کہ غلاموں کا وجود بھی ہوتا کہ ریاست کے سخت جسمانی کام غلام انجام دے سکیں۔

الغرض اسلام کی آمد سے قبل غلاموں سے کیا جانے والا سلوک جانوروں سے بھی بدتر تھا۔ آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں انہیں شرف وتکریم عطا کی جس سے مسلم معاشرے میں بتدریج غلامی کے خاتمے کی روایت پروان چڑھی۔

۲۔ اجتماعی حقوق

خطبہ حجۃ الوداع میں اجتماعی حقوق کا بھی احاطہ کیا گیااور آپ ﷺ نے اجتماعی حقوق کو اس طرح بیان فرمایا کہ معاشرہ کی تعمیر عدل، مساوات، امن و آشتی اور صحت مند معاشرتی وسماجی طرزِعمل پر ممکن ہو سکے۔

اجتماعی معاملات میں امانت و دیانت کی تاکید

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فمن كانت عنده أمانة فليؤدها الى من ائتمنه عليها، الدين مقضى، والعارية مودة، والمنحة مردودة، والزعيم غارم۔(۱)

''جس کے پاس کسی کی امانت ہو اسے چاہیے کہ اس کی امانت ادا کرے، قرض ادا کیا جائے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے اور دودھ کے لئے ہدیہ لی ہوئی اونٹنی دودھ سے استفادہ کے بعد واپس لوٹائی جائے اور ضامن ضمانت کا ذمہ دار ہے۔''

مندرجہ بالا فرمان کے ذریعہ انسانوں کے مال و جائیداد، ملکیت کے تحفظ کی یقینی، غیر مشروط ضمانت کی فراہمی کے ساتھ ''انسانی حقوق'' کے اہم رکن ''حق ملکیت'' کا اعلان کیا گیا، جسے انسانی حقوق میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ امانت، قرض اور مستعار لی ہوئی چیز کی ادائیگی کی واضح تعلیمات دے کر حضور اکرم ﷺ نے ''حق ملکیت'' کی اہمیت کی وضاحت، اس کے تحفظ کی ضمانت عطا فرما دی۔

سماجی و معاشرتی مساوات کا حق

آپ ﷺ نے فرمایا:

أیھا الناس ! ربکم و احد و ان أباکم واحد، کلکم لآدم و آدم من تراب (ثم تلا): یآ ایھا الناس إنا خلقنا کم من ذکر و أنثی، و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا، إن اکرمکم عند اللہ أتقاکم، إن اللہ علیم خبیرo ولا فضل لأسود علی أحمر علی أسود إلا بالتقوی۔

''لوگو! تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے، سب کے سب آدم علیہ السلام سے ہو، اور آدم علیہ السلام مٹی سے (پیدا کئے گئے تھے) (پھر آپ ﷺ نے یہ

(۱) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۲:۶۰۳

آیت مبارکہ تلاوت فرمائی)، اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت (آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور مختلف قبیلوں میں تقسیم کیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ بلاشبہ اللہ بڑا دانا اور بڑا باخبر ہے۔ نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے اور نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے۔ نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے، نہ سرخ فام سیاہ فام پر، فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ پر ہے۔''

آپ ﷺ نے یہ اعلان اس وقت فرمایا جب مختلف قوموں اور خاندانوں کے مافوق البشر ہونے کا عقیدہ قائم تھا، برتری کا احساس یہاں تک بڑھ چکا تھا کہ کچھ لوگ خود کو اللہ کی اولاد قرار دے رہے تھے۔ قرآن کریم نے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول نقل کیا ہے کہ ہم خدا کی لاڈلی اور چہیتی اولاد ہیں:

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ۔(۱)

''اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔''

فراعین مصر خود کو سورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے۔ ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان موجود تھے۔ شاہان ایران جن کا لقب کسریٰ (خسرو) تھا، ان کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی جز شامل ہے۔ چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے۔

اسی طرح عہد جاہلیت کے عربوں کا نظریہ تھا کہ ہم چونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد، حرم مکہ کے مجاور و پاسبان، بیت اللہ کے نگہبان اور مکہ کے باشندے ہیں، لہٰذا بنی نوع انسان کا کوئی فرد ہمارا ہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں۔(۲)

---

(۱) القرآن، المائدہ، ۵:۱۸

(۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۱: ۱۹۹

ان حالات میں حضور اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر انسانی مساوات اور طبقاتی و نسلی تقسیم کے خاتمہ کا اعلان یوں فرمایا:

''لوگو! تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے۔ سب کے سب آدم علیہ السلام (کی اولاد) سے ہو اور آدم مٹی سے تھے (مٹی سے پیدا کئے گئے تھے) نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے اور نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے۔ نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے، نہ سرخ سیاہ فام پر، فضیلت و برتری کا معیار صرف تقویٰ پر ہے۔''

اہل عرب کے نسلی تفاخر، طبقاتی تقسیم، عرب و عجم میں تفاوت اور عدم مساواتِ انسانی کے غیر فطری اور غیر انسانی تصور کا تاریخی جائزہ، ہمیں خطبہ حجۃ الوداع میں عطا کردہ سماجی و معاشرتی مساوات کی اہمیت سے آشنا کرتا ہے۔ مذہبی معاملات میں قریش کا نظریہ یہ تھا کہ ہم چونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد، حرم مکہ کے مجاور، پاسبان، بیت اللہ کے نگہبان اور مکہ کے باشندے ہیں، لہذا بنی نوع انسان کا کوئی فرد ہمارا ہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں ......لہٰذا ہمارے شایان شان نہیں کہ ہم حدود حرم سے باہر جائیں، چنانچہ دوران حج ارکان کی ادائیگی کے لئے یہ لوگ عرفات نہیں جاتے تھے، بلکہ مزدلفہ ٹھہر کر واپس آ جایا کرتے تھے۔(۱)

پورا معاشرہ شریف اور کم تر کی خودساختہ اور ظالمانہ نسلی تقسیم کا شکار تھا جسے قانونی تحفظ حاصل تھا، اور وہ عملاً نافذ العمل تھی۔ چنانچہ قصاص کے معاملہ میں ان کا نظریہ یہ تھا کہ معزز، شریف اور قوم کے بلند مرتبہ کے حامل مقتول کا قاتل اگر کوئی نچلے طبقے سے تعلق رکھتا تو قاتل کے قبیلہ میں اس مقتول کا ہم مرتبہ فرد تلاش کر کے اس کو قصاص میں قتل کیا جاتا۔ کیونکہ ان کا تصور یہ تھا کہ:

ان دم القتيل الشريف لا يغسل الا بدم شريف مثله۔(۲)

(۱) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۱: ۱۹۹

(۲) جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ۴: ۵۴۲

’’بلاشبہ شریف اور باعزت مقتول کا خون اسی جیسے شریف اور باعزت کے خون ہی سے دھویا جاسکتا ہے۔‘‘

حضور اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں انہی باطل نظریات اور فرسودہ افکار و نظریات کو رد کیا اور فرمایا:

یا معشر القریش! ان اللہ قد أذھب عنکم نخو الجاھلیۃ و تعظمھا بالآباء ...... أیھا الناس! ربکم واحد، و ان ابا کم و احد، کلکم لآدم، و آدم من تراب ...... ولیس لعربی فضلا علی عجمی، ولا لعجمی فضلا علی عربی، ولا أسود علی أحمر، ولا أحمر علی أسود إلا بالتقوی۔

’’اے اہل قریش بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور غرور نسب کو دور کر دیا ہے...... اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، سب کے سب آدم علیہ السلام (کی اولاد) سے ہو، اور آدم مٹی سے تھے، (مٹی سے پیدا کئے گئے تھے)...... نہ کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل ہے، نہ کوئی عجمی کسی عربی پر فضیلت رکھتا ہے، نہ سیاہ فام سرخ فام پر فوقیت رکھتا ہے، نہ سرخ فام سیاہ فام پر مگر تقوی سے (فضیلت و برتری کا واحد معیار تقویٰ ہے)۔‘‘

۳۔ قانونی حقوق

کوئی بھی معاشرہ قانون کی حکمرانی کے بغیر ظلم وستم اور استحصال و استبداد کی گرفت سے آزاد نہیں ہوسکتا اور قانون کی حکمرانی عدل و انصاف کے قیام کے بغیر روبہ عمل نہیں ہوسکتی۔ خطبہ حجۃ الوداع میں ہر قانونی معاملے کو عدل و انصاف سے طے کرنے کی تلقین فرما کر آپ ﷺ نے ہر شخص کو قانونی انصاف اور مساوات کا حق عطا کر دیا:۔

قانون کے نفاذ میں انصاف اور مساوات کا حق

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

والعمد قود، و شبه العمد ما قتل بالعصا و الحجرو فيه مائة بعير، فمن زاد فهو من أهل الجاهلية.

’’اور قتل عمد (جان بوجھ کر قتل کرنا) پر قصاص ہے۔ اور شبہ عمد جو لاٹھی یا پتھر سے قتل کیا جائے اس میں سو اونٹ کی دیت ہے۔ پس جس نے زیادتی (قصاص و دیت میں عدم مساوات) کی وہ اہل جاہلیت میں سے ہے۔‘‘

انسانی جان کے تحفظ اور قصاص و دیت میں مساوات کے اصول پر مبنی حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان سے قبل زمانۂ جاہلیت کے قصاص و دیت کے اصولوں پر تاریخی نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ ان فرامین نبوی ﷺ کی اہمیت واضح ہو سکے۔

دورِ جاہلیت میں انسانیت کو ادنٰی اور اعلٰی، شریف اور کم تر کے غیر انسانی طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ قصاص کے بارے میں ان کا نظریہ تھا کہ معزز شریف اور قوم کے بلند مرتبہ کے حامل مقتول کا قاتل اگر کوئی نچلے طبقہ کا فرد ہوتا تو قاتل کے قبیلہ میں اس مقتول کے ہم رتبہ فرد کو قصاص میں قتل کیا جاتا، ان کا یہ نظریہ تھا کہ:

ان دم القتيل الشريف لا يغسل إلا بدم شريف مثله.(۱)

’’شریف اور معزز آدمی کا خون اسی کے ہم مرتبہ شریف (معزز) آدمی کے خون سے دھویا جاسکتا ہے۔‘‘

ایک جاہلی عرب شاعرِ جاہلیت کے اس جاہلانہ دستور کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

أبانسابهم قتلى و ما فى دمائهم
وفاء و هن الشافيات الحوائم(۲)

(۱) جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب، ۴: ۵۴۲

(۲) محمود شکری، بلوغ الارب، ۳: ۴۸۸

(ہم نے ان لوگوں کے بدلے کچھ لوگوں کو قتل کیا حالانکہ ان کے خون ان کے برابر نہ تھے اور یہی خون پیاسوں کو شفاء دینے والے ہیں۔)

اسی طرح آزاد فرد کا قاتل غلام ہوتا تو غلام سے قصاص لینا ناکافی سمجھا جاتا اور غلام کے مالک یا کسی اور آزاد رشتہ دار کا سر مانگا جاتا، یا کوئی آزاد کسی غلام کو قتل کرتا تو قاتل کا قصاص گوارا نہ کیا جاتا بلکہ کمتر معاوضہ دیا جاتا۔(۱)

قصاص کی طرح دیت میں بھی عدم مساوات کا یہی اصول کارفرما تھا۔ چنانچہ معاشرے کے مختلف طبقات میں تفاوت اور عدم مساوات اس درجہ تھی کہ عرب قبائل کے سرداروں اور معزز افراد کی دیت (خون بہا) کمتر درجہ اور کم حیثیت لوگوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی، سب سے زیادہ ''دیت'' حکمرانوں اور بادشاہوں کی تھی، جو ایک ہزار اونٹ تھی۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ شرفاءِ قوم اور قبائل کے سرداروں کی، اس کے بعد کمزوروں، معاشرہ کے کم حیثیت، کمتر افراد اور غلاموں کی، حتی کہ بعض مقتولین کی ''دیت'' صرف پانچ اونٹ اور بعض اوقات اس سے بھی کم ہوتی، اس نظریہ کو قیدیوں کے ''فدیہ'' میں بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا۔(۲)

حکمرانوں اور قبائل کے سرداروں کی صورت میں بادشاہ بہت سے امور میں ممتاز تھے، اس لئے انہوں نے بادشاہ کے قتل کی صورت میں ایک ہزار اونٹ دیت (خون بہا) مقرر کی۔ قراد بن حنش الصادری کہتا ہے:

بعشر مئین للملوك سعی بها

لیوفی سیّار بن عمرو فاسرعا

(ایک ہزار اونٹ جو بادشاہوں کی دیت ہوتی ہے اس کے ایفاء کے لئے سیار بن عمرو نے کوشش کی اور ایفاء کرنے کی جلدی کی۔)

---

(۱) محمد حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی: ۱۵۱

(۲) جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب، ۴: ۵۴۲

سیار بن عمرو بن جابر الفزاری سے مراد عام فرد ہے جس نے ایک ہزار اونٹ دیت ادا کی حالانکہ ایک ہزار اونٹ بادشاہ کا خون بہا ہوتا تھا۔(۱)

قبل اَز عرب معاشروں میں نظریۂ اِنصاف و مساوات

مساوات و انصاف کا قحط صرف عرب معاشرے میں ہی نہ تھا اس سے قبل معاشرے بھی اس بحران کا شکار تھے۔ یونانی مفکر ارسطو اپنی مشہور کتاب ''السیاسیہ'' میں لکھتا ہے:

''قانون تمام اہل ملک کے لئے یکساں نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مساویانہ اطلاق صرف ان افراد پر ہوگا جو نسب اور قابلیت کے لحاظ سے وہی ہیں۔ حکمراں طبقہ کے لوگوں کے لئے قانون نہیں بنایا جاتا، بلکہ یہ لوگ بذات خود قانون ہیں اور یہ کھلا مذاق ہے کہ ان اکابر کو دستور کی پابندی پر مجبور کیا جائے۔(۲)

ارسطو طبقہ امراء کے تفوق کو قانونی تحفظ دیتے ہوئے لکھتا ہے:

فليس من العدل قتل مثل هذا السرى ولا اهدار حقه بالتغريب ولا اخضاعه لمستوى العامة.(۳)

''یہ عدل کے خلاف ہے کہ ایسے سردار کو کسی عام آدمی کے بدلہ میں قتل کیا جائے یا اسے جلا وطن کر دیا جائے اور اسے عام لوگوں کی سطح پر اترنے پر مجبور کیا جائے۔''

قانونی مساوات اور حصولِ اِنصاف کا حق

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) شکری آلوسی، بلوغ الارب، ۳: ۴۸۲، ۴۸۷

(۲) ارسطو، السیاسہۃ

(۳) ارسطو، السیاسۃ

الا لا یجنی جان ألا علی نفسه، ولا یجنی جان علی ولده ، ولا مولود علی ولده۔

’’آ گاہ رہو۔ کوئی مجرم جرم نہیں کرتا مگر اس کی اپنی ذات پر ہے، خبردار! کوئی مجرم جرم نہیں کرتا جس کی ذمہ داری اس کے بیٹے پر ہو اور نہ کوئی بیٹا جرم کرتا ہے، جس کی ذمہ داری اس کے والد پر ہو۔‘‘

حضور اکرم ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ بنی نوع انسان کے حقوق کے آئینی اور عدالتی سطح پر تحفظ کو اسلامی آئین کا حصہ بنا دیا۔ چنانچہ اسلامی مملکت کے زیر سایہ تمام رعایا بلا تفریق رنگ ونسل اور مذہب وملت آئینی تحفظ، قانونی مساوات، اور حصول انصاف میں مساوی حیثیت قرار پائی۔ آپ ﷺ نے مظلوم انسانیت کو بلا وجہ دست ظلم کا شکار ہونے سے یوں نجات دی:

’’کوئی مجرم جرم نہیں کرتا مگر اس کی اپنی ذات پر ہے۔‘‘

یہ تعلیم درحقیقت ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔(۱)

’’کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا‘‘

یعنی کسی کے اعمال بد کی سزا دوسرے کو نہ دی جائے گی اور یہی تقاضائے انصاف ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی یہ تعلیم درحقیقت مذکورہ ارشاد خداوندی کی قولی و عملی تشریح ہے۔ جس میں تمام بنی نوع آدم علیہ السلام کو بلاتفریق مذہب و ملت اور بلا تفریق حاکم ومحکوم عدالتی تحفظ اور حصول انصاف کا مساوی حق فراہم کیا گیا ہے۔

عدالتی چارہ جوئی، حصول انصاف اور دادرسی کا یہ حق آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے ذریعہ 632ء میں اسلامی آئین اور دستور کا حصہ قرار دیا جبکہ عہد جدید کی

---

(۱) القرآن، الانعام، ۶: ۱۶۴

مہذب دنیا (یورپ) اور انسانی حقوق کے نام نہاد علمبرداروں کی حقوق انسانی کی تاریخ کا آغاز صدیوں بعد ہوا۔ اس ذیل میں پہلی موثر آواز انگلستان میں ۱۲۱۵ء میں میگنا کارٹا (Magna Carta) کے نام سے بلند ہوئی جو کہ درحقیت حقوق انسانی کے جزوی بیان پر مشتمل ہے۔ چنانچہ ۱۳۵۵ء میں کنگ ایڈورڈ کے عہد میں منشور کی دوبارہ منظوری کے بعد قانونی چارہ جوئی (Due Process of Law) کی اصطلاح پہلی بار مستعمل ہوئی جبکہ ۱۶۷۹ء میں طویل جدوجہد کے نتیجہ میں ''قانون حبس بے جا'' (Habeas Corpus) منظور کیا گیا۔ مغرب کی انسانی حقوق سے متعلق دستاویزات کے مبہم تصورات کے مقابلے میں خطبہ حجۃ الوداع میں انسانیت کے لئے تمام آئینی تحفظات فراہم کر دیئے گئے اور اتنی واضح تعلیمات عطا کی گئیں کہ جن کی تشریح اور مفہوم اخذ کرنے کے لئے کسی قسم کے تکلفات کی ضرورت نہیں پڑتی جبکہ مغربی دنیا میں صدیوں بعد آج بھی نہ صرف یہ کہ حقوق کا تصور تک واضح نہیں ہو سکا بلکہ کوئی ایسا جامع اور ہمہ گیر چارٹر بھی موجود نہیں جو غیر مبہم انداز سے حقوق انسانی کی تشریح و تنفیذ کر سکے۔ ہاؤس آف کامنز کی ایک رپورٹ کے مطابق:

> "The EU is firmly committed to respect for human rights and is a defender of human rights in its internal & external affairs, yet it has no comprehensive or coherent human rights policy in either case."(1)

> ''یورپی یونین انسانی حقوق کے احترام اور اندرونی و بیرونی معاملات میں انسانی حقوق کے تحفظ کا عزم مصمم کیئے ہوئے ہے مگر کسی بھی صورت میں اس کے پاس حقوق انسانی کی کوئی جامع اور مربوط پالیسی نہیں ہے۔''

آپ ﷺ کے عطا کردہ حقوق انسانی کو آپ ﷺ کی قائم کردہ ریاست مدینہ میں اور آپ ﷺ کے بعد اسلامی تاریخ کے فلاحی معاشرہ یعنی عہد خلافت راشدہ

(1) Human Rights in the EU, HC Library Research Paper.

میں نافذ العمل کیا گیا جس کے اثرات پوری اسلامی تاریخ میں عیاں ہیں۔

۴۔ معاشی حقوق

آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں مسلم معاشرے کو مواخات کی اساس عطا فرما کر ایک دوسرے کے دکھ درد میں عملی شرکت کی اصولی بنیادی فراہم کر دی۔ کسی بھی معاشرے میں معاشی عدل و انصاف کا قیام استحصال پر مبنی سرگرمیوں کا قلع قمع کئے بغیر ممکن نہیں آپ ﷺ نے استحصال پر مبنی سرگرمیوں خصوصاً سود کے خاتمے کا اعلان فرمایا اور ہر شخص کو معاشی تحفظ اور استحصال و اقتصادی ظلم و جبر سے نجات عطا فرمائی:

معاشی استحصال کی بدترین صورت سود کے خاتمہ کا اعلان

آپ ﷺ نے فرمایا:

ألا کل شئی من أمر الجاهلية موضوع تحت قدمی، و ان کل ربا موضوع، ولکم رؤوس أموالکم، لا تظلمون ولا تظلمون، قضی الله أنه لا ربا، و ان اول ربا أبدأ به ربا عمی العباس بن عبدالمطلب۔

’’آگاہ رہو! تمام امور جاہلیت میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں، اور ہر سودی معاملہ کالعدم ہے اور تمہیں اپنی اصل پونجی لینے کا حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ سودی معاملہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور جو سود میرے چچا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کا وصول طلب ہے، سب سے پہلے میں وہ تمام کا تمام ختم کرتا ہوں۔‘‘

زمانۂ جاہلیت کے غیر انسانی، ظالمانہ اور استبدادی قوانین اور رسوم میں ’’سود‘‘ کو مرکزی اہمیت حاصل رہی۔ اور جاہلیت کے سودی نظام، اس کی بقاء اور تحفظ کے لئے عملاً اقدامات کئے جاتے تھے۔ جس کے نتیجے میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا گیا۔

ارتکاز دولت کا یہ ظالمانہ نظام انسانیت پر ظلم عظیم اور اس کے معاشی قتل کے مترادف تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ معاشرے میں معاشی عدم توازن اور بدحالی کا فروغ تھا۔

زمانہ جاہلیت کے ظالمانہ سودی نظام میں ایک شخص دوسرے شخص کو ماہوار مقررہ شرح سود پر کچھ مدت کے لئے روپیہ قرض دیتا جب وہ میعاد گزر جاتی تو قرض خواہ مقروض کی عدم ادائیگی پر اس وقت تک کا تمام سود اصل میں شامل کرکے اصل کو بڑھا دیتا اور جب تک قرضدار یکبارگی کل روپیہ ادا نہ کر دیتا ہر مدت کے بعد سود اصل میں شامل ہوتا رہتا اور سود پر سود بڑھتا رہتا۔(۱)

حضور اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر اس ظالمانہ نظام کے خاتمہ کا اعلان فرمایا اور اس اعلان کا عملی نفاذ کرتے ہوئے جاہلیت کے تمام سودی معاملات کو کالعدم دے کر ہمیشہ کے لئے اس استحصالی نظام کا سلسلہ ختم کر دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب جو قریش کے سردار اور حضور اکرم ﷺ کے حقیقی چچا تھے، ان کا تجارت کا کاروبار نہایت وسیع پیمانہ پر پھیلا تھا اور اس تعلق سے سودی معاملات میں نہایت شہرت رکھتے تھے، حضور اکرم ﷺ نے جب حجۃ الوداع میں سود کے باطل کئے جانے کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے انہیں کے سود کو باطل قرار دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب اور حضرت خالد بن ولید کا شراکتی کاروبار تھا اور ان کا لین دین طائف میں بنو ثقیف کے ساتھ بھی تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ایک بھاری رقم بنو ثقیف کے ذمہ واجب الادا تھی، انہوں نے جب بنو ثقیف سے اپنی سابقہ رقم کا مطالبہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے قرآنی حکم کے مطابق انہیں سود کی رقم چھوڑنے کا حکم دے دیا۔ جو آپ کے اعلان کے عملی نفاذ کی صورت تھی۔ اس طرح انسانیت کو ایک طویل عرصہ کے بعد اس ظالمانہ اور استبدادی سرمایہ داری نظام کی لعنت سے آزادی نصیب ہوئی اور اسے ایک عادلانہ اور منصفانہ معاشی نظام میسر آیا۔

---

(۱) جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ۱:۳۲

۵۔قومی سطح پر اِنسانی حقوق

حضور اکرم ﷺ نے انسانی حقوق کے عدل و انصاف اور جامعیت و عالمگیریت پر مبنی تصور کی تعلیم دی اور اسے نہ صرف معاشرے بلکہ ایک ریاست کی سطح پر نافذ کیا۔خطبہ حجۃ الوداع میں ریاستی سطح پر بھی حقوق انسانی کے تحفظ کے اقدامات کا تذکرہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے عوام اور رعایا پر ضروری قرار دیا کہ:

و اطیعوا ولاۃ امرکم۔

''لوگو! اپنے اہل امر (ریاست کے قانونی حکمرانوں) کی اطاعت کرو۔''

دوسری طرف ریاست پر یہ ضروری قرار دیا کہ وہ عوام کو پر امن زندگی اور بقائے باہمی کی فضا فراہم کرے۔ اسکے لئے آپ ﷺ نے ہراس رسم و روایت کی نفی کرنے کی تعلیم دی جس سے قتل و غارت گری کی راہ نکلتی ہو اورعوام کی پر امن زندگی باہمی قتل و غارت گری کا شکار ہوتی ہو۔

پرامن زندگی اور بقائے باہمی کا حق

آپ ﷺ نے فرمایا:

و ان دماء الجاھلیة موضؤعة، و اول دم نبدأ به دم عامر بن ربیعة بن الحارث عبدالمطلب، وکان مسترضعا فی بنی لیث ، فقتله ھزیل۔(۱)

''اور عہد جاہلیت کے خون بہا ساقط اور کالعدم ہیں، اور جو قصاص جاہلیت (جو

(۱) ۱۔بخاری، الجامع الصحیح ،۱:۲۳۴

۲۔ابوداؤد، السنن، ۱:۲۶۲

۳۔ہیثمی ، مجمع الزوائد،۳: ۲۶۷

۴۔ابن ہشام، السیرۃ النبویہ،۲: ۶۰۳

اپنے خاندان کا وصول طلب ہے) اس سے ہم ابتداء کرتے ہیں، یعنی ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون بہا، سب سے پہلے میں اس سے دستبردار ہوتا ہوں، (ان کے خون کا انتقام قبیلہ ہزیل سے نہیں لیا جائے گا)۔''

زمانہ جاہلیت میں انتقام کی رسم رائج تھی۔ اس رسم کے نتیجے میں ایک شخص کے خون کے بدلہ میں قبیلہ کا قبیلہ مٹ جاتا، ہزاروں برس کے خون قومی قرض کی طرح باقی چلے آتے تھے، اور یوں وہ بچہ بچہ کی زبان پر رہتے تھے۔ جو بچہ پیدا ہوتا وہ ہوش سنبھالتے ہی 'ثار' کا لفظ سنتا، یعنی خاندان میں فلاں شخص کا قتل کیا گیا تھا اور اس کا انتقام اب تک باقی ہے۔ اس لئے ہر ہر فرد کا نصب العین ابتدائے زندگی سے یہی ''ثار'' یعنی انتقام لینا ہوتا تھا۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسرپیکار تھا، ہر بچہ اپنے آباء و اعزاء کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبہ میں پرورش پاتا اور جوان ہوکر اس فرض کو انجام دیتا تھا، اس طرح طویل جنگوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ ان جنگوں اور خونریزیوں کو مؤرخین ''ایام العرب'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔

عہد جاہلیت میں آتش انتقام صرف قتل سے ہی ٹھنڈی نہ ہوتی تھی بلکہ انتقامی جذبات اور بہیمانہ غیظ و غضب کی آگ کو اس طرح ٹھنڈا کیا جاتا کہ مقتول کا مثلہ (جسم کے ٹکڑے ٹکڑے) کیا جاتا اور اس کے جسمانی اعضاء، ناک، کان وغیرہ کاٹے جاتے۔

معروف عرب شاعر امرو القیس نے اپنے باپ کے قتل کے انتقام میں قاتلوں کے ناک کان کاٹ ڈالے، اور ان کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلاخیں پروادیں، زرہوں کو آگ میں تپا کر انہیں پہنا دیا۔(۱)

آپ ﷺ نے عہد جاہلیت کے انسانیت کے خلاف ان سفاکانہ قوانین اور انتقامی جذبات پر مبنی فرسودہ رسوم کو منسوخ کر کے انسانیت کو امن و سلامتی کا پیغام دیا۔

(۱) محمود شکری، بلوغ الأرب، ۳: ۴۹۱

حضور اکرم ﷺ نے حقوق انسانی کے اولین اور ابدی منشور خطبہ حجۃ الوداع میں باہمی ''حقوق و فرائض'' سے آگاہ فرماتے ہوئے جاہلیت کے انتقامی ''نظریہ ثار'' کے خاتمہ کا عملی اعلان اس طرح کیا کہ سودی نظام کے خاتمہ کی طرح اپنے ہی خاندان کے مقتول ربعیہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون بہا جو تا حال ''ثار'' کی شکل میں واجب الاداء تھا کے خاتمہ کا اعلان کیا:

''اور جاہلیت کے خون بہا، ساقط (کالعدم) ہیں او رجو قصاص جاہلیت (اپنے خاندان کا وصول طلب ہے) ہم اس سے ابتداء کرتے ہیں اور ربعیہ بن حارث بن عبدالمطلب کے خون بہا، سے پہلے میں دستبردار ہوتا ہوں۔ جو قبیلہ لیث میں زیر پرورش تھا کہ (قبیلہ) ہزیل کے آدمیوں نے انہیں قتل کر دیا۔''

پر امن بقائے باہمی کے حق پر مبنی اس تاریخی اعلان کے زیر اثر عرب میں جاری خون کے بدلہ خون کی بنیاد پر قتل و خونریزی کا طویل سلسلہ ختم ہوگیا اور ایک نئے معاشرے کی بنیاد رکھ دی گئی۔

ملکیت اور عزتِ نفس کے تحفظ کا حق

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الا ان مآثر الجاهلية و ان كل دم و ماء و مال يدعى به كانت فى الجاهلية فهو موضوعة تحت قدمى هاتين غير السدانة و السقاية۔

''اور تمام آثار جاہلیت خون بہا، پانی اور کسی کی طرف مال کا جھوٹا دعویٰ سب میرے ان دونوں قدموں کے نیچے پامال ہیں۔ البتہ بیت اللہ شریف کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کا منصب برقرار رہے گا۔''

آثار جاہلیت کے خاتمے، عزت نفس اور مثبت و تعمیری بہبودی سرگرمیوں کے

تسلسل کی ضمانت کا اعلان کر کے آپ ﷺ نے قومی سطح پر حقوق انسانی کے تحفظ کو ایک نظام اور رائج الوقت قانون و دستور کی صورت عطا کردی۔

۶۔ بین الاقوامی سطح پر اِنسانی حقوق

خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے تمام بنی نوع انسان کو ایک نئے دور کی تاسیس کا پیغام دیا:

ایھا الناس و ان الزمان قد استدار کھئیۃ یوم خلق اللہ السموات والارض۔

’’اے لوگو! بے شک آج زمانہ (تاریخ کے بے شمار) ادوار کے بعد پھر اسی شکل پر آ گیا ہے جیسا کہ اللہ کے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے کے دن تھا (یعنی عدل و انصاف کا دورِ اوّل پھر لوٹ رہا ہے)۔‘‘

اس دورِ نو کی تاسیس کے ساتھ ہی آپ نے دنیا بھر کے اہل ایمان کو ایک عالمگیر برادری قرار دیا اور انہیں مواخات کے ابدی و آفاقی رشتے میں پرو دیا۔

عالمگیر مسلم برادری کا قیام

خطبہ حجۃ الوداع میں انسانیت کو خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ایھا الناس! اسمعوا قولی فإنی قد بلغت، و اعقلوہ تعلمن أن کل مسلم أخو المسلم و ان المسلمین إخوۃ فلا یحل لامری مال اخیہ الا ما أعطاہ عن طیب نفس منہ فلا تظلمن أنفسکم

’’لوگو! میری بات سنو بلاشبہ میں نے پیغام رسانی کا فرض ادا کر دیا، اسے سمجھو تاکہ! تم جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور تمام مسلمان باہم

بھائی بھائی ہیں۔ کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں ہے۔ الا یہ کہ وہ خوش دلی سے اس کو کچھ دے دے۔ لہٰذا تم ایک دوسرے پر زیادتی مت کرو۔''

یہاں یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ آپ کا یہ خطاب بیک وقت اہل ایمان سے بھی تھااور بنی نوع انسان سے بھی۔ اہل ایمان کو اخوت کے عالمگیر رشتے میں پرو کر آپ نے اس عالمگیر مسلم برادری کی بنیاد رکھ دی جو ہر طرح کی دنیاوی و ارضی نسبتوں سے ماوراء ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا!

''تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔''

پھر مزید فرمایا:

''کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں سوائے اس کے کہ وہ خوش دلی سے اس کو کچھ دے دے۔''

اس فرمان کے ذریعہ ملکیت اور جائیداد کے تحفظ کی وضاحت فرما دی، پوری امت مسلمہ کو ایک برادری قرار دے کر آپ ﷺ نے اسلامی امہ کو ''حق مواخات'' سے سرفراز فرمایا۔ آپ ﷺ کے بپا کردہ انقلاب کی اثر انگیزی کا اعتراف عیسائی دانشور فلپ کے ہٹی (P.K. Hitti) ان الفاظ میں کرتا ہے:

> Down through the ages this institution has continued to serve as the major unifying influence in Islam and the most effecitve common bond among the diverse believers. It rendered almost every capable Moslem perforce a traveller for once in his lifetime. The socializing influence of such a gathering of the brotherhood of believers from the four quarters of the earth is hard to over-estimate. It afforded

opportunity for negroes, Berbers, Chinese, Persians, Syrians, Turks, Arabs, rich and poor, high and low- to fraternize and meet together on the common ground of faith. Of all world religious Islam seems to have attained the largest measure of success in demolishing the barriers of race, colour and nationality.(1)

''صدیوں سے یہ دستور (حج) اسلام میں مسلسل اتحاد کی موثر ترین قوت کے طور پر کام کر رہا ہے، دنیا کے مختلف حصوں کے مسلمانوں میں یہ موثر ترین مشترکہ رشتہ ہے۔ حج نے ہر صاحب حیثیت فرد کو زندگی میں ایک مرتبہ (حج کے لئے) سفر کرنے کا پابند کردیا ہے۔ دنیا کے چار اطراف کی اسلامی برادری کے اس اجتماع کے معاشرتی اثر کے بارے میں بمشکل ہی مبالغہ آرائی کی ضرورت پڑے گی۔ یہ حبشیوں، بربروں، چینیوں، فارسیوں، شامیوں، ترکوں اور عربوں کو، امیر وغریب کو، کمتر و بالاتر کو مذہب کی مشترکہ اساس پر اخوت اور باہم روابط کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں صرف اسلام کو رنگ ونسل اور قومیت کی دیواریں گرانے میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔''

آج دنیا ایسی عالمگیر برادری کی متلاشی ہے جس میں انسانیت کے درمیان امتیاز نہ رہے، نسل اور رنگ کا فرق نہ رہے، جس میں امیر وغریب، حاکم ومحکوم، شاہ وگدا سب کو یکساں حقوق و مراعات حاصل ہوں۔ جس میں تمام انسانوں میں اخوت اور بھائی چارے کا قیام عمل میں آئے، تمام انسانوں میں اتفاق و اتحاد، امن و دوستی، رواداری اور صلح قائم رہے اور کوئی فرد کسی کے حقوق پامال نہ کر سکے۔ ایسی عالمگیر برادری کی تشکیل کے لئے اقوام عالم کو صرف اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات سے ہی راہنمائی میسر آ سکتی ہے۔

(1) Hitti, Philip K. *History of the Arabs*, p. 136.

خطبہ حجۃ الوداع کے عملی نفاذ کا اعلان

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وإنی مسؤل و إنکم مسؤلون ...... فلیبلغ الشاهد الغائب، فلعل بعض من یبلغه أن یکون أوعی له من بعض من سمعه

''اور حق تعالیٰ کے حضور مجھ سے بھی باز پرس ہوگی اور تم سے بھی ......تو جو اس وقت موجود ہے وہ میرا پیغام ان تک پہنچا دے جو موجود نہیں ہیں۔ممکن ہے وہ شخص جسے بات پہنچائی جائے وہ بات کو سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو۔''

حضور اکرم ﷺ نے ''خطبہ حجۃ الوداع'' کے رسمی اعلان پر ہی اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اس کے تحفظ، اجراء اور عملی نفاذ کے لئے اور اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے خطبہ کے آغاز ہی میں حمدیہ کلمات کے بعد فرمایا:

اسمعوا قولی تعیشوا۔

''میری بات سنو تمہیں زندگی ملے گی۔''

پھر جا بجا دوران خطبہ اس کی اہمیت کی وضاحت، تحفظ اور اسے دائمی اور نافذ العمل بنانے کے لئے فرمایا:

الاهل بلغت؟ اللهم فاشهد۔

آ گاہ رہو میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا، اے اللہ تو گواہ رہ۔

ایک جگہ ارشاد ہوا:

و انکم ستلقون ربکم فیسألکم عن أعمالکم

''بلا شبہ تم عنقریب اپنے رب سے جاملو گے، پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے

بارے میں باز پرس کرے گا۔''

اور یہاں خطبہ کے اختتامیہ کلمات میں فرمایا:

و انی مسؤل و انکم مسؤل...... فلیبلغ الشاھد الغائب۔

''اور حق تعالیٰ کے حضور مجھ سے باز پرس ہوگی اور تم سے بھی (ہر دو فریق بارگاہ خداوندی میں جواب دہ ہیں) تو جو اس وقت موجود ہے وہ میرا پیغام ان تک پہنچا دے، جو موجود نہیں ہیں۔''

الغرض آپ ﷺ نے ''خطبہ حجۃ الوداع'' میں بنیادی حقوق کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسے قولی اور عملی بنیادوں پر نافذ کرنے اور مسلم معاشرے میں جاری و ساری رکھنے کا اہتمام بھی فرما دیا تاکہ یہ اسلامی ریاست میں ہمیشہ ایک آئین اور قانون مملکت کی صورت میں نافذ العمل رہے۔ دنیا کے دیگر دساتیر اور قوانین کے مقابلے میں خطبہ حجۃ الوداع کے مرتبہ نفاذ کی امتیازی حیثیت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اسے یقینی بنانے کے لئے بیک وقت اعتقادی، اخلاقی، عملی، قانونی اور دستوری و آئینی بنیادیں فراہم کیں حالانکہ دور جدید میں حقوق انسانی سے متعلق اکثر قوانین کی حیثیت محض ایک بے اثر تحریر سے زیادہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپی پارلیمنٹ کی دستوری امور کی کمیٹی نے حقوق انسانی سے متعلق بننے والے قوانین کے لئے تنفیذی اقدامات کی ضرورت بیان کرتے ہوئے کہا:

The charter should have 'mandatory' legal effect & not be just a 'solemn proclamation.(۱)

''اس چارٹر کو قابل نفاذ قانونی حیثیت حاصل ہونی چاہیئے اور محض ایک اعلان تک محدود نہیں ہونا چاہیئے۔''

اسی طرح EU کے لئے انسانی حقوق کا چارٹر تیار کرنے والی کمیٹی کے سربراہ Roman Herzog نے کمیٹی کے 17 دسمبر 1999 کے اجلاس سے رہنما اصول بیان کرتے ہوئے کہا:

(۱) Human Rights in the EU, HC Library Research Paper.

"We should constantly keep the objective in mind that the charter which we are drafting must one day, in the not too distant future, become legally binding." (1)

’’ہمیں اس مقصد کو ہر وقت مستحضر رکھنا ہوگا کہ جو چارٹر ہم تشکیل دے رہے ہیں جلد ہی بغیر طویل تاخیر کے، قانونی نفاذ کا درجہ حاصل کر لے‘‘

مگر آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کو ایک زبانی اعلان تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ اسے ہمیشہ کے لئے نافذ العمل قانون اور دستور کا درجہ عطا فرمایا۔

۷۔ خطبہ حجۃ الوداع دورِ جدید کے تناظر میں

خطبہ حجۃ الوداع انسانی تاریخ کا وہ مرحلہ ہے جب ایک نئے دور کا آغاز ہوا، انسانی شعور کو ہر قسم کی غلامی کی پابندیوں سے آزاد کر کے حقوق انسانی، عدل و نصاف اور امن و بقائے باہمی سے آشنا کیا گیا۔ اگرچہ دور جدید میں مغرب ان تصورات کی علمبرداری کا بلاشرکت غیرے دعویدار ہے، مگر مغرب کا یہ دعویٰ خودساختہ اور تاریخی حقائق کے منافی ہے۔

صدیوں تک مغرب ان تصورات سے نا آشنا اور دورِ ظلمت و جہالت کا شکار رہا۔ یورپ میں گیارہویں صدی عیسوی میں برطانیہ سے حقوق انسانی کی جدوجہد کا آغاز ہوا جب 1037ء میں شاہ کانریڈ دوم اور پارلیمنٹ میں اختیارات کے تعین کے لئے آویزش شروع ہوئی۔ یہ جدوجہد جاری رہی تاآنکہ 15جون1215ء کو محضر کبیر (Magna Carta) کو اختیار کیا گیا جسے وولیٹر(Voltaire 1694-1778) نے مغرب کا منشور آزادی قرار دیا۔ میگنا کارٹا انگلستان کے امراء (Barons) اور بادشاہ (King John) کے درمیان ہونے والا معاہدہ تھا جس پر امراء کے دباؤ پر بادشاہ نے دستخط کیئے۔ اس کے تحت امراء کے مشورہ کے بغیر بادشاہ کو اپنی من مانی کرنے کے

(1) Human Rights in the EU, HC Library Research Paper.

اختیارات کم کردیئے گئے۔گو میگنا کارٹا کو مغرب میں حقوق انسانی اور عوامی آزادیوں کے تحفظ کی اولیں دستاویز قرار دیا جاتا ہے مگر فی الاصل یہ امراء اور شاہ جان کے مابین ایک معاہدہ تھا جس میں امراء کے حقوق کا تحفظ کیا گیا تھا اور عوام کے حقوق سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بارسوخ امراء اور جاگیرداروں پر میگنا کارٹا کسی موثر پابندی کا باعث نہ تھا۔(۱)

مغرب میں میگنا کارٹا کے بعد اگلا نمایاں اقدام ۱۳۵۵ء میں قانون چارہ جوئی (Due Process of Law) کی منظوری ہے۔جس کے تحت کسی شخص کو عدالتی چارہ جوئی کے بغیر کوئی سزا نہیں دی جاسکتی۔ قانون چارہ جوئی (Due Process of Law) سے ۳۲۴ سال بعد برطانوی پارلیمنٹ نے ۱۶۷۹ء میں قانون حبس بے جا (Habeas Corpus) منظور کیا جس سے عام شہریوں کو بلاجواز گرفتاری سے تحفظ حاصل ہوا۔

یورپ کی ان تبدیلیوں کا اثر پورے مغرب میں محسوس کیا جانے لگا۔امریکہ میں جاری جدوجہد آزادی کے نتیجے میں ۱۲ جولائی ۱۷۷۶ء کو امریکہ کا اعلان آزادی جاری ہوا جس میں پہلی مرتبہ انسانی مساوات اور بنیادی حقوق کو فطری قانون (Law of Nature) کے تحت تسلیم کیا گیا۔ امریکی کانگرس نے آئین کے نفاذ کے بعد ۱۵ دسمبر ۱۷۹۱ء کو دس ترمیمات منظور کیں جو قانونِ حق (Bill of Rights) کے نام سے مشہور ہیں۔ اس سال فرانس کی قومی اسمبلی نے آئین کی منظوری دی جس میں حقوق انسانی کے تحفظ کا اظہار کیا گیا۔ آنے والے دور میں ریاستوں کے دساتیر میں بنیادی انسانی حقوق کا تذکرہ ایک روایت کی حیثیت اختیار کر گیا حتی کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو حقوق انسانی کے عالمی منشور (Universal Declaration of Human Rights) کا اعلان کیا۔

مغربی دنیا کے حقوق انسانی کے سفر کے اس مختصر جائزے سے واضح ہے کہ

(1) Henry Marsh, *Documents of Liberty*, p. 51.

گیارھویں صدی سے شروع ہونے والا حقوق انسانی کا مغربی سفر بیسوی صدی میں جزوی طور ریاستی و عالمی نفاذ کے درجے کو پہنچ سکا یعنی مغربی شعور نے یہ سفر کم و بیش ایک ہزار سال میں طے کیا۔ جبکہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں حلف الفضول سے حقوق انسانی کی جس جدوجہد کا آغاز فرمایا تھا اسے ہجرت کے فوراً بعد آئینِ مدینہ کی صورت میں ریاستی سطح پر نافذ کیا اور دس برس بعد حجۃ الوداع کے موقع پر اس کا اعلان کر کے اسے عالمی حیثیت عطا کر دی۔ اس کے نفاذ کو اعتقادی، نظریاتی، اخلاقی، ابلاغی اور آئینی و قانونی بنیاد عطا کر کے آپ ﷺ نے حقوق انسانی کے اس عالمی اعلان کو ہمیشہ کے لئے مسلم معاشرے کا جزو لا ینفک بنا دیا۔

یہ وہ دور تھا جب مغرب جہالت کے اندھیروں کا شکار تھا۔ مغربی دنیا کی تاریکی، جہالت، تہذیب سے نا آشنائی اور علم و عمل سے دوری کے باعث تاریخ میں قرون وسطی (Medieval Ages)، دور جہالت اور دور تاریکی (Dark Ages) کے تاریخی ناموں سے مشہور ہے۔ یورپ کا یہ دور ظلمت آٹھ سو برسوں پر محیط ہے۔ جس کا آغاز پانچویں صدی عیسوی میں روم کے زوال اور عیسائیت کے عروج کے ساتھ ہوا۔ اور یورپ کی نشاۃ ثانیہ تک جاری رہا۔ اس دور ظلمت میں عیسائیت کے آغاز کے بعد افلاطون کی اکیڈیمی کو جو کئی سو سال سے قائم چلی آ رہی تھی اور یورپ میں اشاعت علم کا بڑا ذریعہ تھا، روم کے شہنشاہ جسٹینین کے حکم سے ۵۲۹ء میں مقفل کر دیا گیا۔ یونانی حکماء کے تیار کردہ علمی ذخائر کو سلطنت روم کے تہہ خانے میں بند کر دیا گیا۔ علم حاصل کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ یہ تمام کام سماوی دانش کے علمبردار کلیسا کے ہاتھوں انجام پایا۔ زوال کی انتہا یہ تھی کہ پاپائے روم گریگوری اعظم نے جہالت کو علم سے افضل قرار دیا اور حکم جاری کیا کہ جہالت نیکی کی ماں ہے۔ اس تاریک دور کا تذکرہ یورپی مؤرخ رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) یوں کرتا ہے:

''پانچویں صدی عیسوی سے لے کر دسویں صدی عیسوی تک یورپ کی مغربی دنیا بربریت کی اندھیری رات میں ڈوبی ہوئی تھی، جس کا گھٹا ٹوپ اندھیرا روز

بروز بڑھتا اور تیز تر ہوتا جا رہا تھا، یہ بربریت ابتدائی غیر مہذب اقوام کی بربریت سے بھی زیادہ وحشت انگیز اور ہولناک تھی۔'' (۱)

اس تاریک دور میں حضور اکرم ﷺ نے دنیا کو تکریم آدمیت اور حقوق انسانی کا عملی درس دیا اور ایک دوسرے کے حقوق و فرائض سے آگاہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے حقوق و فرائض کی فکری اساس اور عملی نفاذ پر مبنی تاریخ ساز، دائمی، جامع اور ہمہ گیر منشور انسانی حقوق ''خطبۂ حجۃ الوداع'' کی شکل میں عطا فرما کر فلاحی اسلامی معاشرہ کی بنیاد رکھی۔ جس کی بدولت دورظلمت کی تاریکی اور غیر مہذب مغربی دنیا بالآخر تہذیب و تمدن کی دولت اور انسانی حقوق سے متعارف ہو کر دور جدید میں داخل ہوئی۔

انسانی ارتقاء کا یہ سفر جاری ہے۔ تاہم اس سفر کی سمت کی درستگی، حقوق انسانی کا حقیقی شعور اور نفاذ کی مخلصانہ و نتیجہ خیز کاوشیں اس وقت ہی ظہور پذیر ہوسکتی ہیں جب دور جدید کا انسان آج بھی سیرت نبوی ﷺ کو اسی طرح اپنا رہنما قرار دے جس طرح دور ظلمت میں سیرت نبوی ﷺ کی روشنی نے اسے رہنمائی عطا کی۔

(1) Briffault, *The Making of Humanity*, p. 164.

حصہ چہارُم

اِنسانی حقوق کی تاریخی دستاویزات

۱۔ میثاقِ مدینہ

(The Constitution of the Islamic State of Medina)

۲۔ خطبۂ فتحِ مکہ

(The Holy Prophet's Address on the Conquest of Makkah)

۳۔ خطبۂ حجۃ الوداع

(The Holy Prophet's Last Sermon)

میثاقِ مدینہ

(The Constitution of the Islamic State of Medina)

ا۔عمومی اُصول (Fundamental principles)

i۔ ریاست کی حاکمیتِ اَعلیٰ (Supreme authority of state)

و أنکم مما اختلفتم فیه من شئ، فإن مرده إلی الله و إلی محمد

''اور جب کبھی تم میں کسی چیز کے متعلق اختلاف ہو تو اسے اللہ اور محمد (ﷺ) کی طرف لوٹایا جائے گا (کیونکہ حتمی حکم اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کا ہی ہے)۔''

(آرٹیکل نمبر **28**)

و أنه ما کان بین أهل هذه الصحیفة من حدث، أو اشتجار یخاف فساده، فإن مرده إلی الله و إلی محمد رسول الله، و أن الله علی اتقی ما فی هذه الصحیفة و أبره۔

''اور یہ کہ اس دستور والوں میں جو بھی قتل یا جھگڑا رونما ہو، جس سے فساد کا ڈر ہو تو اس میں خدا اور خدا کے رسول محمد (ﷺ) سے رجوع کیا جائے گا، اور خدا اس شخص کے ساتھ ہے جو اس دستور کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ اِحتیاط اور زیادہ سے زیادہ وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔''

(آرٹیکل نمبر **52**)

ii۔ دِفاعی اُمور کی نگرانی و قیادت

(Supervision and leadership of defence affairs)

و أنه لا یخرج منهم أحد إلا بإذن محمد۔

’’اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد (ﷺ) کی اِجازت کے بغیر (فوجی کارروائی کے لیے) نہیں نکلے گا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 41)

iii۔ اُمتِ مسلمہ کا اِمتیازی تشخص

(Distinguished status of Muslim Ummah)

و أن المؤمنين بعضهم موالى بعض دون الناس۔

’’اور ایمان والے بقیہ لوگوں کے مقابل باہم بھائی ہیں۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 19)

iv۔ بین الاقوامی معاہدوں کی پاسداری

(Observance of international treaties)

(فإنه لهم على المؤمنين) إلا من حارب فى الدين۔

’’(اسی طرح مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر انہیں کسی معاہدۂ امن میں شرکت کی دعوت دی جائے تو وہ اس کی مکمل پابندی کریں) بجز اس کے کہ کوئی دینی جنگ کرے۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 56)

۲۔ آئینی حقوق (Constitutional rights)

i۔ ریاستی معاملات تابعِ دستور کرنے کا حق

(Right to constitutionalize the state matters)

هذا كتاب من محمد النبى (رسول الله)۔

’’یہ اللہ کے نبی (اور رسول) محمد کی طرف سے دستوری تحریر (دستاویز) ہے۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 1)

ii۔ آئینی تشخص کا حق (Right of constitutional identity)

بين المؤمنين و المسلمين من قريش و (أهل) يثرب و من تبعهم فلحق بهم و جاهد معهم۔

’’یہ معاہدہ مسلمانانِ قریش اور اہلِ یثرب اور ان لوگوں کے مابین ہے جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہوجائیں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں، (یہ سب گروہ ریاستِ مدینہ کے آئینی طبقات متصور ہوں گے)۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 2)

iii۔ آئینی مساوات کا حق

(Right of constitutional equality)

و أن يهود الأوس مواليهم و أنفسهم على مثل ما لأهل هذه الصحيفة، مع البر المحض من أهل هذه الصحيفة۔

’’اور (قبیلہ) اوس کے یہودیوں کو ...... موالی ہوں یا اصل ...... وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس دستور والوں کو حاصل ہیں، اور وہ بھی اس دستور والوں کے ساتھ خالص وفا شعاری کا برتاؤ کریں گے۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 58)

iv۔ دستور کی مخالفت کی ممانعت

(Prohibition to violate constitution)

و أن البر دون الإثم، لا يكسب كاسب إلا على نفسه۔

''اور وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی، جو جیسا کرے گا ویسا ہی خود بھرے گا۔''

(آرٹیکل نمبر 59)

و أن الله علی أصدق ما فی هذه الصحیفه و أبره

''اور خدا اس کے ساتھ ہے جو اس دستور کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور زیادہ سے زیادہ وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔''

(آرٹیکل نمبر 60)

۳۔ قانونی حقوق (Legal rights)

i۔ حقوق میں برابری (Equality in rights)

و أن لیهود بنی النجار مثل ما لیهود بنی عوف۔

''اور بنی نجار کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

(آرٹیکل نمبر 31)

و ان لیهود بنی الحارث مثل ما لیهود بنی عوف۔

''اور بنی حارث کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

(آرٹیکل نمبر 32)

و أن لیهود بنی ساعدة مثل ما لیهود بنی عوف۔

''اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

(آرٹیکل نمبر 33)

و أن ليهود بني جشم مثل ما ليهود بني عوف۔

''اور بنی جشم کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

(آرٹیکل نمبر 34)

و أن ليهود بني الأوس مثل ما ليهود بني عوف۔

''اور بنی اَوس کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔''

(آرٹیکل نمبر 35)

و أن ليهود بني ثعلبة مثل ما ليهود بني عوف، إلا من ظلم و أثم، فإنه لا يوتغ إلا نفسه و أهل بيته

''اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔ ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا اِرتکاب کرے تو خود اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔''

(آرٹیکل نمبر 36)

و أن جفنة بطن من ثعلبه كأنفسهم

''اور (قبیلہ) جفنہ کو بھی ...... جو (قبیلہ) ثعلبہ کی ایک شاخ ہے ...... وہی حقوق حاصل ہوں گے جو (قبیلہ) ثعلبہ کو حاصل ہیں۔''

(آرٹیکل نمبر 37)

و أن لبني الشطيبة مثل ما ليهود بني عوف، و أن البردون الإثم

''اور بنی شطیبہ کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے، اور (اس دستور سے) وفا شعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔''

(آرٹیکل نمبر 38)

و أن موالی ثعلبة کأنفسهم۔

’’اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 39)

و أن بطانة یهود کأنفسهم۔

’’اور یہودیوں کی ذیلی شاخوں کو بھی اصل کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 40)

ii۔ قانون کی اِطاعت و نفاذ میں برابری کا حق

(Right of equality in obedience of law)

و کل طائفة تفدی عانیها بالمعروف و القسط بین المؤمنین۔

’’ہر گروہ اپنے قیدیوں کا زرِ فدیہ ادا کر کے انہیں رہائی دلائے گا، اور اس ضمن میں مسلمانوں کے درمیان قانون و انصاف کا بلا امتیاز اِطلاق یقینی بنائے گا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 13)

iii۔ قانونِ قصاص کا مساوی نفاذ

(Equal enforcement of *qisas* law)

و أنه لا ینحجز علی ثأر جرح۔

’’اور کسی مار یا زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 42)

iv۔ قانون کی بلا تفریق اِطاعت

(Obedience of law without discrimination)

و إذا دعوا إلی صلح یصالحونه ویلبسونه، فإنهم یصالحونه و

يلبسونه، و أنهم إذا دعوا إلى مثل ذلك فإنه لهم على المؤمنين۔

’’اور اگر ان (یہودیوں) کو کسی صلح میں مدعو کیا جائے تو وہ بھی صلح کریں گے اور اس میں شریک رہیں گے اور اگر وہ کسی ایسے ہی اَمر کے لئے بلائیں تو مؤمنین کا بھی فریضہ ہوگا کہ ان کے ساتھ ایسا ہی کریں۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 55)

۷۔ عدل و اِنصاف پر مبنی قوانین کے تحفظ کا حق

(Right to continue just laws)

المهاجرون من قريش على ربعتهم يتعاقلون بينهم معاقلهم الأولى، و هم يفدون عانيهم بالمعروف و القسط بين المؤمنين۔

’’قریش میں سے ہجرت کر کے آنے والے اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائیں گے، مزید یہ کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 4)

و بنو عوف على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، و كل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

’’اور بنی عوف اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، مزید یہ کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 5)

و بنو حارث (بن الخزرج) على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، و كل طائفة تفدى عانيها بالمعروف و القسط بين المؤمنين۔

’’اور بنو حارث بن خزرج اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، مزید یہ کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 6)

و بنو ساعدة علی ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولی، و کل طائفة تفدی عانيها بالمعروف و القسط بين المؤمنين۔

’’اور بنو ساعدہ اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، مزید یہ کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور اِنصاف پر مبنی ہوگا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 7)

و بنو جشم علی ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولی و کل طائفة تفدی عانيها بالمعروف و القسط بين المؤمنين۔

’’اور بنوجشم اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، مزید یہ کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 8)

و بنو النجار علی ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولی، و کل طائفة تفدی عانيها بالمعروف و القسط بين المؤمنين۔

’’اور بنونجار اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، مزید یہ کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 9)

و بنو عمرو بن عوف علی ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولی، و کل طائفة تفدی عانيها بالمعروف و القسط بين المؤمنين۔

’’اور بنو عمرو بن عوف اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، مزید یہ کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 10)

و بنو النبيت علی ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولی، و کل طائفة تفدی عانيها بالمعروف و القسط بين المؤمنين۔

’’اور بنو نبیت اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، مزید یہ کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 11)

و بنو الأوس علی ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولی، و کل طائفة تفدی عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

’’اور بنو اَوس اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا، مزید یہ کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 12)

vi۔ قانون کی پابندی کرنے پر ریاستی تحفظ کا حق

(Right of state security on abiding state law)

و أن المؤمنين المتقين علی أحسن هدی و أقومه

’’اور بلا شبہ ایمان اور تقوی والے سب سے اچھے اور سیدھے راستے پر ہیں۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 24)

و أن الله جار لمن بر و اتقی، و محمد رسول الله۔

’’جو اس دستور کے ساتھ وفا شعار رہے اور نیکی و اَمن پر کار بند رہے تو اللہ اور اس کے رسول محمد اس کے محافظ و نگہبان ہیں۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 63)

vii۔ مظلوم کا حصولِ اِنصاف کا حق

(Right of justice for oppressed)

و أنه لا يأثم امرء بحليفه، و أن النصر للمظلوم

’’کوئی فریق یا جماعت اپنے کسی حلیف کی وجہ سے معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گی اور مظلوم کی دادرسی لازماً کی جائے گی۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 47)

viii۔ ناکردہ جرائم سے برات کا حق

(Freedom from the penalty of undone crimes)

و أنه من فتك فبنفسه فتك و أهل بيته إلا من ظلم، و أن الله علی أبر هذا۔

’’اور جو خوں ریزی کرے تو اس کی ذات اور اس کا گھرانہ ذمہ دار ہوگا، سوائے اس کے کہ اس پر ظلم ہوا ہو؛ اور خدا اس کے ساتھ ہے جو اس (دستور العمل) کی زیادہ سے زیادہ وفا شعارانہ تعمیل کرے۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 43)

ix۔ قانون شکنی کی بیخ کنی (Prohibition of violating law)

و أنه لا یحل لمؤمن أقرّا بما فی هذه الصحیفة، و آمن باللہ و الیوم الآخر أن ینصر محدثا أو یؤویه، و أن من نصره، أو آواہ، فإن علیه لعنة اللہ و غضبه یوم القیامة، و لا یؤخذ منه صرف و لا عدل۔

’’اور کسی ایسے ایمان والے کے لیے جو اس دستور العمل (صحیفہ) کے مندرجات (کی تعمیل) کا اِقرار کر چکا ہو اور خدا اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہو، یہ بات جائز نہ ہوگی کہ کسی قاتل کو مدد یا پناہ دے اور جو اسے مدد یا پناہ دے گا تو قیامت کے دن اس پر خدا کی لعنت اور غضب نازل ہوگا اور اس سے کوئی رقم یا معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 27)

۴۔ ریاستی حقوق (Rights of state citizens)

i۔ سیاسی و ریاستی تشخص کا حق

(Right of political & static identity)

أنهم أمة واحدة من دون الناس۔

’’(اہلِ ایمان) تمام (دنیا کے دیگر) لوگوں کے بالمقابل ان کی ایک علیحدہ سیاسی وحدت (قومیت) ہوں گے۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 3)

ii۔ ریاستی معاملات میں مشورہ کا حق

(Right of cousultation in state matters)

و أن بینهم النصح و النصیحة و البر دون الإثم۔

’’اور ان میں باہم حسنِ مشورہ اور بہی خواہی ہوگی، اور وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 46)

iii۔ اِسلامی ریاست کے دشمنوں کی بیخ کنی

(Eradication of state enemies)

و أنه لا تجار قريش ولا من نصرها۔

’’اور قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 53)

iv۔ دشمن سے ساز باز وتعاوُن کی ممانعت

(Prohibition of conspiracy against Islamic state)

و أنه لا يجير مشرك مالًا لقريش و لا نفساً، و لا يحول دونه على مؤمن۔

’’اور (مدینہ کی غیر مسلم رعیت میں سے) کوئی مشرک قریش کی جان و مال کو کوئی پناہ دے گا نہ ان کی خاطر کسی مؤمن کے آڑے آئے گا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 25)

v۔ ریاست کے دِفاع کا حق (Right of state defence)

و أن بينهم النصر على من دهم يثرب۔

’’کسی بیرونی حملہ کی صورت میں ریاستِ مدینہ کا دفاع اِمدادِ باہمی کے تحت ان (یہودیوں اور مسلمانوں) کی مشترکہ ذمہ داری ہوگی۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 54)

vi۔ دفاعی ذمہ داریوں کی تقسیم

(Right of relaxation in defence responsibilities)

و أن کل غازیةٍ غزت معنا، یعقب بعضها بعضا

''اور ان تمام گروہوں کو جو ہمارے ہمراہ (دشمن کے خلاف) جنگ کریں باہم نوبت بہ نوبت رخصت دلائی جائے گی۔''

(آرٹیکل نمبر 22)

vii۔ ریاستی دِفاع میں تمام طبقات کی شمولیت

(Involvement of all communities in state defence)

و أن علی الیهود نفقتهم، و علی المسلمین نفقتهم

''اور یہودیوں پر ان کے خرچ کا بار ہوگا، اور مسلمانوں پر ان کے خرچ کا۔''

(آرٹیکل نمبر 44)

و أن بینهم النصر علی من حارب أهل هذه الصحیفة

''اور جو کوئی اس دستور والوں سے جنگ کرے تو ان (یہودیوں اور مسلمانوں) میں باہم امداد عمل میں آئے گی۔''

(آرٹیکل نمبر 45)

viii۔ ملکی دفاع میں مختلف طبقات کی نمائندگی کا حق

(Right of representation in state defence)

و أن الیهود ینفقون مع المؤمنین ما داموا محاربین

''اور یہودی اس وقت تک مؤمنین کے ساتھ (جنگی) اخراجات برداشت کرتے

رہیں گے جب تک وہ مل کر جنگ کرتے رہیں۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 29)

ix۔ دِفاعی کردار کی ادائیگی

(Defence role of state communities)

علی کل أناس حصتهم، من جانبهم الذی قبلهم۔

’’ہر گروہ کے حصے میں اُسی رخ کی (مدافعت) آئے گی جو اس کے بالمقابل ہو۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 57)

x۔ اَقلیتوں کا دِفاعی کردار

(Role of minorities in state defence)

و أن الیهود ینفقون مع المؤمنین ما داموا محاربین۔

’’اور یہودی اس وقت تک مؤمنین کے ساتھ (جنگی) اَخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک کہ وہ مل کر جنگ کرتے رہیں۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 48)

xi۔ باہمی جنگ و جدل سے تحفظ کا حق

(Right of protection from mutual warfare)

و أن یثرب حرام جوفها لأهل هذه الصحیفة۔

’’اور یثرب کا جوف (یعنی میدان جو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے) اس دستور والوں کے لیے حرم (دارالامن) ہوگا (یعنی یہاں آپس میں جنگ کرنا منع ہوگا)۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 49)

۵۔ اِنفرادی حقوق (Individual rights)

i۔ زندگی کے تحفظ کا حق (Right of life)

و لا یقتل مؤمن مؤمنا فی کافر، و لا ینصر کافرا علی مؤمن۔

’’اور کوئی ایمان والا کسی ایمان والے کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کرے گا، اور نہ کسی کافر کی کسی ایمان والے کے خلاف مدد کرے گا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر **17**)

و أن ذمة اللہ واحدة یجیر علیهم أدناهم۔

’’اور اللہ کا ذمہ ایک ہی ہے، ان (مسلمانوں) کا ادنیٰ ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر **18**)

و أن الجار کالنفس غیر مضار و لا آثم۔

’’پناہ گزین سے وہی برتاؤ ہوگا جو اصل (پناہ دہندہ) کے ساتھ، اُسے ضرر پہنچایا جائے گا نہ وہ خود عہد شکنی کرے گا۔‘‘

(آرٹیکل نمبر **50**)

ii۔ غیر مسلموں کے لیے زندگی کے تحفظ کا حق

(Right of life for minorities)

و أنه من تبعنا من یهود، فإن له النصر و الأ سوة غیر مظلومین، ولا متناصر علیهم۔

’’اور یہودیوں میں سے جو ہماری (ریاستِ مدینہ کی) اتباع کرے گا اسے مدد

اور مساوات حاصل ہوگی، جب تک وہ اہلِ ایمان پر ظلم کا مرتکب نہ ہو یا ان کے خلاف (کسی مخالف کی) مدد نہ کرے۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 20)

iii۔ امن و سلامتی کا حق (Right of security)

و أن سلم المؤمنين واحدة، لا يسالم مؤمن دون مؤمن في قتال في سبيل الله، إلا على سواء و عدل بينهم۔

’’اور ایمان والوں کی صلح (معاہدۂ امن) ایک ہی ہوگی۔ اللہ کی راہ میں لڑائی کے دوران کوئی ایمان والا کسی دوسرے ایمان والے کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا جب تک کہ (یہ صلح) ان سب کے لیے برابر اور یکساں نہ ہو۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 21)

و أنه من خرج آمن، ومن قعد آمن بالمدينة، إلا من ظلم و أثم۔

’’اور جو جنگ کو نکلے وہ بھی امن کا مستحق ہوگا، اور جو مدینے میں بیٹھا رہے تو وہ بھی امن کا مستحق ہوگا، سوائے اس کے جو ظلم اور قانون شکنی کا مرتکب ہو۔‘‘

(آرٹیکل نمبر 62)

iv۔ ظلم سے تحفظ کا حق

(Right of protection from tyranny)

و أن المؤمنين المتقين أيديهم على كل من بغى منهم، أو ابتغى دسيعة ظلما أو إثما أو عدوانا أو فسادا بين المؤمنين، و أن أيديهم عليه جميعا و لو كان ولد أحدهم۔

’’اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ ان میں سے ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے

جو سرکشی کرے یا استحصال بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے، یا پر امن شہریوں (مؤمنوں) میں فساد پھیلانا چاہے اور ایسے شخص کے خلاف سب مل کر اٹھیں گے، خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔''

(آرٹیکل نمبر 16)

و أنه لا یحول هذا الکتاب دون ظالم أو آثم

''اور یہ دستوری دستاویز کسی ظالم یا عہد شکن کو تحفظ فراہم نہیں کرے گی۔''

(آرٹیکل نمبر 61)

v۔ خوں ریزی کے بدلہ کا حق

(Right to retaliate the bloodshed)

و أن المؤمنین یبیئ بعضهم عن بعض بما نال دماء هم فی سبیل اللّٰہ۔

''اور ایمان والے راہِ خدا میں اپنی ہونے والی خوں ریزی کا ایک دوسرے کے لیے (دشمن سے) انتقام لیں گے۔''

(آرٹیکل نمبر 23)

vi۔ قصاص کا حق (Right of *qisas*)

و أنه من اعتبط مؤمناً قتلا عن بیّنة فإنه قود به، إلا أن یرضی ولی المقتول (بالعقل)، و أنّ المؤمنین علیه کافّةً، و لا یحل لهم إلا قیام علیه

''اور جو شخص کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے اور ثبوت پیش ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا، بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے؛ اور تمام ایمان والے اس (قصاص) کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوا انہیں کوئی اور چیز جائز نہ ہوگی۔''

(آرٹیکل نمبر 26)

vii۔ غیر منصفانہ حمایت و تائید سے تحفظ کا حق

(Right of protection from unjust favouritism)

و أن لا یحالف مؤمن مولی مؤمن دونہ۔

''اور یہ کہ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے مولا (معاہداتی بھائی) سے اس کی مرضی کے بغیر معاہدہ نہیں کرے گا۔''

(آرٹیکل نمبر 15)

viii۔ معاشی کفالت کا حق (Right of economic support)

و ان المؤمنین لا یترکون مفرحا بینھم، أن یعطوہ بالمعروف فی فداء أو عقل۔

''اور ایمان والے کسی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے کو مدد کئے بغیر نہیں چھوڑیں گے، جن کے ذمہ زرِ فدیہ یا دیّت ہے۔''

(آرٹیکل نمبر 14)

ix۔ خواتین کے لیے تحفظ کا حق

(Right of protection for women)

و أنہ لا تجار حرمۃ إلا بإذن أھلھا۔

''اور کسی عورت کو اس کے خاندان (اہلِ خانہ) کی رضا مندی سے ہی پناہ دی جائے گی۔''

(آرٹیکل نمبر 51)

x۔ مذہبی آزادی کا حق (Right of religious freedom)

و أن یھود بنی عوف أمة مع المومنین، للیھود دینھم، و للمسلمین دینھم، موالیھم و أنفسھم إلا من ظلم و أثم، فإنه لا یوتغ إلا نفسه و أھل بیته۔

''اور بنی عوف کے یہودی مؤمنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہودیوں کیلئے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کیلئے اپنا دین ہے خواہ ان کے موالی ہوں یا وہ بذاتِ خود ہوں، ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔''

(آرٹیکل نمبر 30)

خطبۂ فتحِ مکہ

(The Holy Prophet's Address on the Conquest of Makkah)

۱۔ اللہ کی وحدانیت اور حاکمیتِ اَعلیٰ کا اعلان

(Declaration of Allah's Oneness and Supreme Sovereignty)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، صَدَقَ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ، وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

’’اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا و تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اس کا وعدہ سچا ثابت ہوا، اس نے اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور محض اسی نے تمام گروہوں کو شکست دی۔‘‘

۲۔ نسلی تفاخرات کا خاتمہ (Eradication of ancestral superiority)

اَلَا! كُلُّ مَأْثِرَةٍ اَوْدَمٍ اَوْ مَالٍ يُدَّعٰى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمِيَّ هَاتَيْنِ ۔

’’سن لو! ہر موروثی اِستحقاق، ہر خون اور مال جس کا دعویٰ کیا جائے وہ میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔‘‘

۳۔ تکریم مناصبِ دینی (Respect for religious responsibility)

اِلَّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَ سَقَايَةَ الْحَآجِّ۔

’’بجز خدمت بیت اللہ کے حق اور حجاج کو پانی پلانے کے حق کے۔‘‘

۴۔ اِنسانی جان کی حرمت کا اِعلان

(Declaration of human life's sanctity)

اَلَا! وَ قَتِيْلُ الْخَطأِ شِبْهِ الْعَمَدِ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا، فَفِيْهِ الدِّيَةِ مُغَلَّظَةِ مِئَةٌ مِّنَ الْإِبِلِ، اَرْبَعُوْنَ مِنْهَا فِيْ بُطُوْنِهَا اَوْلَادِهَا۔

''سن لو! جو خطاً قتل ہوا ہو وہ کوڑے اور لاٹھی سے عمداً قتل کیے جانے والے کے مشابہ ہے، پس اس میں دیت مغلظہ ہے یعنی سو اونٹ، جن میں سے چالیس ایسے اونٹ ہوں گے جن کے پیٹ میں بچے ہوں (گابھن ہوں)۔''

۵۔ مساواتِ انسانی کا اعلان (Declaration of human equality)

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نِخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَ تَعَظُّمِهَا بِالْاٰبَآءِ، اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ، وَ اٰدَمَ مِنْ تُرَابٍ۔

''اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباؤ اجداد پر فخر وغرور زائل کردیا، سب انسان آدم سے پیدا ہوئے اور آدم مٹی سے بنائے گئے۔''

٦۔ عزت وشرف کے معیار کا اِعلان (Criterion for dignity)

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ○

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے گروہ اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سب سے زیادہ شریف اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، یقیناً اللہ خبیر وعلیم ہے○''

۷۔ اِنسانیت کے لئے اعلانِ آزادی (Declaration of liberty)

اس کے بعد فرمایا:

’’اے گروہِ قریش! میں تمہارے بارے میں جو کچھ کرنے والا ہوں اس کے متعلق تم کیا رائے رکھتے ہو؟‘‘

سب نے کہا:

’’بہتر رائے رکھتے ہیں، آپ شریف بھائی ہیں، شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔‘‘

فرمایا:

اِذۡهَبُوۡا فَاَنۡتُمُ الطُّلَقَاءُ۔(۱)

’’جاؤ! اب تم آزاد ہو۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۵: ۷۳، ۷۴

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۱۶۱

خطبۂ حجۃ الوداع

(The Holy Prophet's Last Sermon)

اِبتدائیہ (Preamble)

اِذَا کَانَ یَوْمُ الْحَجِّ اَتٰی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَرَفَةَ، فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰی اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ، اَمَرَ بِالْقَصْوَآءِ فَرُحِلَتْ لَهٗ، فَاَتٰی بَطْنَ الْوَادِیْ، فَخَطَبَ النَّاسَ خُطْبَتُهُ الَّتِیْ بَیَّنَ فِیْهَا مَا بَیَّنَ۔

''حج کے دن حضور ﷺ عرفہ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے وہاں قیام فرمایا۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ ﷺ نے (اپنی اونٹنی) قصوا لانے کا حکم فرمایا۔ اونٹنی تیار کر کے حاضر کی گئی تو آپ ﷺ (اس پر سوار ہو کر) بطنِ وادی میں تشریف فرما ہوئے اور اپنا وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں دین کے اہم امور بیان فرمائے۔''

فَحَمِدَ اللهَ، وَ اَثْنٰی عَلَیْهِ قَائِلًا: لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ، صَدَقَ وَعْدَهٗ، وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ، وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

''آپ ﷺ نے خدا کی حمد ثنا کرتے ہوئے خطبے کی یوں ابتدا فرمائی: خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا، اس نے اپنے بندے (رسول) کی مدد فرمائی اور تنہا اس کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔''

اَیُّهَا النَّاسُ! اِسْمَعُوْا قَوْلِیْ، فَاِنِّیْ لَا اَرَانِیْ وَ اِیَّاکُمْ اَنْ نَجْتَمِعَ فِیْ هٰذَا الْمَجْلِسِ اَبَدًا بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا۔

''لوگو! میری بات سنو، میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں

یکجا ہوسکیں گے (اور غالباً اس سال کے بعد میں حج نہ کرسکوں گا)۔‘‘

١۔ مساواتِ اِنسانی کا تصور (Equality of humanity)

اَیُّهَا النَّاسُ! اِنَّ اللهَ یَقُوْلُ: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰـکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰـکُمْ۔ فَلَیْسَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ فَضْلٌ، وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ، وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَبْیَضَ، وَلَا لِاَبْیَضَ عَلٰی اَسْوَدَ فَضْلٌ اِلَّا بِالتَّقْوٰی۔

’’لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو، تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔‘‘ چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عرب کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔ ہاں! بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔‘‘

اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ، اَلَا کُلُّ مَأْثَرَةٍ اَوْ دَمٍ اَوْ مَالٍ یُدَّعٰی بِهٖ فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَیَّ هَاتَیْنِ اِلَّا سَدَانَةُ الْبَیْتِ وَ سَقَایَةُ الْحَاجِّ۔

’’انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے، خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے اِنتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولّیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علیٰ حالہٖ باقی رہیں گی۔‘‘

٢۔ حقوق کی ادائیگی کا حکم (Observance of rights)

ثُمَّ قَالَ: یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ! لَا تَجِیْئُوْا بِالدُّنْیَا تَحْمِلُوْنَهَا عَلٰی رِقَابِکُمْ،

وَ يَجِیْءُ النَّاسُ بِالْاٰخِرَةِ، فَلَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللهِ شَیْئًا۔

''پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ اللہ کے حضور تم اس طرح آؤ کے تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہو اور دوسرے لوگ سامانِ آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آ سکوں گا۔''

۳۔ نسلی تفاخر کا خاتمہ (Eradication of ethnicism)

مَعْشَرَ قُرَیْشٍ! اِنَّ اللهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْکُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِیَّةِ، وَ تَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ۔

''قریش کے لوگو! خدا نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر ومباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔''

۴۔ زندگی کا حق (Right of life)

اَیُّهَا النَّاسُ! اِنَّ دِمَائَکُمْ وَ اَمْوَالَکُمْ وَ اَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ، اِلٰی اَنْ تَلْقَوْا رَبَّکُمْ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا، وَ کَحُرْمَةِ شَهْرِکُمْ هٰذَا، فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا، وَ اِنَّکُمْ سَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ، فَیَسْئَلُکُمْ عَنْ اَعْمَالِکُمْ۔

''لوگو! تمہارے خون و مال اور عزتیں ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئی ہیں۔ ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہی ہے جیسی اس دن کی اور اس ماہ مبارک (ذی الحجہ) کی خاص کر اس شہر میں ہے۔ تم سب خدا کے حضور جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس فرمائے گا۔''

اَلَا! فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ ضُلَّالًا یَّضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

''دیکھو کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ہی کشت وخون کرنے لگو۔''

۵۔ مال کے تحفظ کا حق (Right of property)

فَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهٗ اَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا اِلٰى مَنِ ائْتَمَنَهٗ عَلَيْهَا

’’اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔‘‘

۶۔ اَفرادِ معاشرہ کا حق (Right of society members)

اَيُّهَا النَّاسُ! كُلُّ مُسْلِمٍ اَخُوا الْمُسْلِمِ، وَ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ اِخْوَةٌ

’’لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔‘‘

۷۔ خادموں کا حق (Right of workers & servants)

اَرِقَّآءَكُمْ اَرِقَّاءَكُمْ، اَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ، وَاكْسُوْهُمْ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ۔

’’اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو، انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔‘‘

۸۔ لاقانونیت کا خاتمہ (No to lawlessness)

اَلَا! كُلُّ شَيْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ، وَ دِمَاءَ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ، وَ اِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَآئِنَا دَمُ ابْنِ الرَّبِيْعَةِ بْنِ الْحَارِثِ، وَ كَانَ مُسْتَرْضَعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ، فَقَتَلَهٗ هُذَيْلٌ۔

’’دورِ جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں تلے روند دیا۔ زمانہ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں،

میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن حارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا، اب میں معاف کرتا ہوں۔‘‘

۹۔ معاشی اِستحصال سے تحفظ کا حق (Economic rights)

وَ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ، وَ اَوَّلُ رِبًا اَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَإِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ.

’’اب دور جاہلیت کا سود کوئی حیثیت نہیں رکھتا، پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں، عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے، اب یہ ختم ہوگیا۔‘‘

۱۰۔ وراثت کا حق (Right of inheritance)

اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ اللهَ ﷻ قَدْ اَعْطٰى كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ.

’’لوگو! خدا نے ہر حق دار کو اس کا حق خود دے دیا، اب کوئی کسی وارث کے حق کے لئے وصیت نہ کرے۔‘‘

۱۱۔ نومولود کے تحفظِ نسب کا حق

(Newborn's right of anscestral sanctity)

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَ لِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ.

’’بچہ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا، جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے، اور ان کا حساب و کتاب خدا کے ہاں ہوگا۔‘‘

۱۲۔ معاشرتی شناخت کا حق (Right of social identity)

مَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ، اَوْ تَوَلّٰى إِلٰى غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ.

’’جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا تو اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔‘‘

۱۳۔ قرض کی وصولی کا حق (Right to recieve the debts)

اَلدَّيْنُ مَقْضِيٌّ، وَالْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ، وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ، وَ الزَّعِيْمُ غَارِمٌ۔

’’قرض قابلِ ادائیگی ہے، عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہئے، تحفے کا بدلہ دینا چاہئے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے، وہ تاوان ادا کرے۔‘‘

۱۴۔ ملکیت کا حق (Right of ownership)

وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ مِنْ اَخِيْهِ اِلَّا مَا اَعْطَاهُ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ، فَلَا تَظْلِمُنَّ اَنْفُسَكُمْ۔

’’کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے، سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے۔ خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔‘‘

۱۵۔ خاوند اور بیوی کے باہمی حقوق (Rights of husbands & wives)

اَلَا! لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ اَنْ تُعْطِيَ مِنْ مَالِ زَوْجِهَا شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَآئِكُمْ حَقًّا، وَ لَهُنَّ عَلَيْكُمْ حَقًّا، لَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَلَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ، وَ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يَاتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ، فَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لَكُمْ اَنْ تَهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اَنْ تَضْرِبُوْا ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، فَاِنِ انْتَهَيْنَ فَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔

’’عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اِجازت کے بغیر کسی کو دے۔ دیکھو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح ان پر

تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں، کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اجازت ہے کہ تم انہیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آ جائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پہناؤ۔‘‘

۱۶۔ خواتین کے حقوق (Women's rights)

وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا، فَإِنَّهُنَّ عَوَانٍ لَكُمْ لَا يَمْلِكْنَ لِأَنْفُسِهِنَّ شَيْئًا، فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَآءِ، فَإِنَّكُمْ اَخذْ تُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ۔

’’عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیونکہ وہ تو تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لئے وہ کچھ نہیں کرسکتیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انہیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔ لوگو! میری بات سمجھ لو، میں نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا۔‘‘

۱۷۔ قانون کی اِطاعت (Obedience of law)

وَ اِنِّيْ قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَّا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا، اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ: كِتَابَ اللّٰهِ، وَ اِيَّاكُمْ و الْغُلُوُّ فِي الدِّيْنِ، فَاِنَّمَا اَهْلَكَ مَنْ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّيْنِ۔

’’میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جا تا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو سکے گے اگر اس پر قائم رہے اور وہ خدا کی کتاب ہے، اور ہاں دیکھو، دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انہی باتوں کے سبب ہلاک کر دیئے گئے۔‘‘

۱۸۔ ریاست کے حقوق (Rights of state)

۱۹۔ قانون کی حکمرانی (Right of law observance)

وَ اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ مِنْ اَنْ يُّعْبَدَ فِيْ اَرْضِكُمْ هٰذِهِ اَبَدًا، وَلٰكِنْ سَتَكُوْنُ لَهٗ طَاعَةٌ فِيْمَا تُحَقِّرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِكُمْ، فَسَيَرْضٰى بِهٖ فَاحْذَرُوْهُ عَلٰى دِيْنِكُمْ۔

''شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی لیکن اس بات کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنہیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور وہ اس پر راضی ہے۔ اس لئے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔''

۲۰۔ اللہ کے حقوق (Divine rights)

اَلَا! فَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ، وَ صَلُّوْا خَمْسَكُمْ، وَ صُوْمُوْا شَهْرَكُمْ، وَ اَدُّوْا زَكوٰةَ اَمْوَالِكُمْ طَيِّبَةً بِهَا اَنْفُسُكُمْ، وَ تَحُجُّوْا بَيْتَ رَبِّكُمْ، وَ اَطِيْعُوْا وَلَاةَ اَمْرِكُمْ، تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔

''لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز ادا کرو، مہینے بھر کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو، اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل اَمر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

۲۱۔ اِنصاف کا حق (Right of justice)

اَلَا! لَا يَجْنِيْ جَانٍ اِلَّا عَلٰى نَفْسِهٖ، اَلَا! لَا يَجْنِيْ جَانٍ عَلٰى وَلَدِهٖ، وَ لَا مُوْلُوْدٌ عَلٰى وَالِدِهٖ۔

’’آ گاہ ہو جاؤ! اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا، آ گاہ ہو جاؤ! اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا اور نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔‘‘

۲۲۔عوام الناس کا پیغامِ ہدایت سے آ گہی کا حق

(Right of awareness for future generations)

اَلَا! فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ

’’سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔‘‘

۲۳۔حضور نبی اکرم ﷺ کا حق (Right of the Holy Prophet)

وَ اَنْتُمْ تُسْأَلُوْنَ عَنِّی، فَمَا ذَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ؟ قَالُوْا: نَشْھَدُ اِنَّکَ قَدْ اَدَّیْتَ الْاَمَانَۃَ، وَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَۃَ، وَ نَصَحْتَ۔

’’اور لوگو! تم سے میرے بارے میں (خدا کے ہاں) سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے جواب دیا: ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے امانتِ (دین) پہنچا دی اور آپ نے حقِ رِسالت ادا فرما دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔‘‘

فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِاَصْبُعِہِ السَّبَّابَۃِ یَرْفَعُھَا اِلَی السَّمَآءِ وَ یَنْکُتُھَا اِلَی النَّاسِ: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ۔

’’یہ سن کر حضور ﷺ نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ دعا فرمائی: ’’خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا۔‘‘

مآخذ و مراجع

۱۔ **القرآن الحکیم**

۲۔ **ابن آدم**، یحییٰ قرشی۔ **کتاب الخراج**۔ لاہور، پاکستان: المکتبۃ العلمیہ، ۱۳۹۵ھ۔

۳۔ **آمدی**، ابوحسن سیف الدین علی بن علی۔ **الاحکام**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۰ء۔

۴۔ **ابن اثیر**، ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۵۵۔۶۳۰ھ/۱۱۶۰۔۱۲۳۳ء)۔ **اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۵۔ **ابن اثیر**، ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبدالواحد شیبانی جزری (۵۴۴۔۶۰۶ھ/۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **الکامل فی التاریخ**۔ بیروت، لبنان: دار صادر، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔

۶۔ **احمد بن ابراہیم**، ابو عبد اللہ بن کثیر دورقی (۱۶۸۔۲۴۶ھ)۔ **مسند سعد**۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۷۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۸۔ **اسیوطی**، محمد بن احمد منہاجی۔ **جواہر العقود**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء۔

۹۔ **اندلسی**، عمر بن علی بن احمد وادیاشی (۷۲۳۔۸۰۴ھ)۔ **تحفۃ المحتاج إلٰی ادلۃ المحتاج**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: دار حراء، ۱۴۰۶ھ۔

۱۰۔ **انیس**، ڈاکٹر ابراہیم، **المعجم الوسیط**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۱۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الادب المفرد**۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۱۲۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **التاریخ الکبیر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ۔

۱۳۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان+ دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۴۔ **ابن بدران،** عبد القادر دمشقی (م ۱۳۴۶ھ)۔ **المدخل**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۱ھ۔

۱۵۔ **برکتی،** محمد عمیم احسان مجددی۔ **قواعد الفقہ**۔ کراچی، پاکستان: صدف پبلشرز، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۱۶۔ **بزار،** ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: ۱۴۰۹ھ۔

۱۷۔ **بغوی،** ابو محمد بن فراء حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶۔۵۱۶ھ/۱۰۴۴۔۱۱۲۲ء)۔ **شرح السنہ**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۸۔ **بلاذری،** احمد بن یحیی بلاذری۔ **انساب الاشراف**۔ مصر: دار المعارف۔

۱۹۔ **بلاذری،** احمد بن یحیی بلاذری۔ **فتوح البلدان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ۔

۲۰۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **دلائل النبوہ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۲۱۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **السنن الصغیر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۲۲۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔

۱۰۶۶ء)۔ **السنن الکبریٰ**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۲۳۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **شعب الایمان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۲۴۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ **الجامع الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۲۵۔ **ثوری**، ابو عبد اللہ سفیان بن سعید (۹۷۔۱۶۱ھ)۔ **الفرائض**۔ ریاض، سعودی عرب: دار العاصمہ، ۱۴۱۰ھ۔

۲۶۔ **ابن جارود**، ابو محمد عبد اللہ بن علی نیشاپوری (م ۳۰۷ھ)۔ **المنتقیٰ**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتاب الثقافیہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۲۷۔ **ابن جارود**، ابو محمد عبد اللہ بن علی نیشاپوری (م ۳۰۷ھ)۔ **المنتقیٰ**۔ شیخو پورہ، پاکستان: المکتبۃ الاثریہ۔

۲۸۔ **جرجانی**، ابو قاسم حمزہ یوسف (۳۴۵۔۴۲۸ھ)۔ **تاریخ جرجان**۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب: ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۲۹۔ **جصاص**، ابو بکر احمد بن علی رازی حنفی (۳۰۵۔۳۷۰ھ)۔ **احکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار اِحیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ۔

۳۰۔ **جصاص**، ابو بکر احمد بن علی رازی حنفی (۳۰۵۔۳۷۰ھ)۔ **احکام القرآن**۔ لاہور، پاکستان: اسمٰعیل اکیڈمی، ۱۹۸۰ء۔

۳۱۔ **ابن جعد**، ابو الحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی (۱۳۳۔۲۳۰ھ/۷۵۰۔۸۴۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۳۲۔ **جواد علی**، ڈاکٹر۔ **المفصل فی تاریخ العرب**۔ بیروت، لبنان: دار العلم للملایین، ۱۹۷۱ء۔

۳۳۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۷۹ھ/

۱۱۱۶ـ۱۲۰۱ء)۔ **التحقيق فى الاحاديث الخلاف**۔ بيروت، لبنان: دار الكتب العلميه، ۱۹۹۴ء۔

۳۴۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰ـ۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶ـ۱۲۰۱ء)۔ **مناقب امیر المومنین عمر بن خطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلميه۔

۳۵۔ **ابن ابی حاتم رازی**، ابو محمد عبد الرحمٰن (۲۴۰ـ۳۲۷ھ/۸۵۴ـ۹۳۸ء)۔ **الثقات**۔

۳۶۔ **ابن ابی حاتم رازی**، ابو محمد عبد الرحمٰن (۲۴۰ـ۳۲۷ھ/۸۵۴ـ۹۳۸ء)۔ **الجرح و التعديل**۔ بيروت، لبنان: دار إحياء التراث العربي، ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء۔

۳۷۔ **ابن ابی حاتم رازی**، ابو محمد عبد الرحمٰن (۲۴۰ـ۳۲۷ھ/۸۵۴ـ۹۳۸ء)۔ **الجرح و التعديل**۔ حیدر آباد دکن، بھارت: مجلس دائرة المعارف العثمانيه۔

۳۸۔ **حارث**، ابن ابی اُسامہ (۱۸۶ـ۲۸۲ھ)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مرکز خدمة السنة و السيرة النبويه، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء۔

۳۹۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱ـ۴۰۵ھ/۹۳۳ـ۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک على الصحيحين**۔ بيروت، لبنان: دار الكتب العلميه، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۴۰۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱ـ۴۰۵ھ/۹۳۳ـ۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک على الصحيحين**۔ مکہ، سعودی عرب: دار الباز للنشر والتوزيع۔

۴۱۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰ـ۳۵۴ھ/۸۸۴ـ۹۶۵ء)۔ **الثقات**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء۔

۴۲۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰ـ۳۵۴ھ/۸۸۴ـ۹۶۵ء)۔ **الصحيح**۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرساله، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۴۳۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰ـ۳۵۴ھ/۸۸۴ـ۹۶۵ء)۔ **طبقات المحدثين باصبهان**۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرساله،

۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۴۴۔ **ابن حزم**، قرطبی۔ **حجۃ الوداع**۔ ریاض، سعودی عرب: بیت الافکار الادلیۃ للنشر و التوزیع، ۱۹۹۸ء۔

۴۵۔ **حسن ابراہیم حسن، التاریخ الاسلام**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۹۶۷ء۔

۴۶۔ **حسینی**، ابراہیم بن محمد (۱۰۵۴۔۱۱۲۰ھ)۔ **البیان و التعریف**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۱ھ۔

۴۷۔ **حصکفی ۔ الدر المختار**۔ کراچی، پاکستان: ایچ ایم سعید کمپنی ۔

۴۸۔ **حصکفی ۔ الدر المختار**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۸۶ھ۔

۴۹۔ **حکیم ترمذی**، ابوعبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر (م ۳۲۰ھ)۔ **نوادر الاصول فی احادیث الرسول**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۹۹۲ء۔

۵۰۔ **حلبی**، علی بن برھان الدین (م۱۴۰۴ھ)۔ **اِنسان العیون**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۴۰۰ھ۔

۵۱۔ **حمید اللہ**، ڈاکٹر محمد (۱۳۲۶۔۱۴۲۳ھ/ ۱۹۰۸۔۲۰۰۱ء)۔ **عہد نبوی میں نظام حکمرانی**۔ کراچی، پاکستان: اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء۔

۵۲۔ **حمید اللہ**، ڈاکٹر محمد (۱۳۲۶۔۱۴۲۳ھ/ ۱۹۰۸۔۲۰۰۱ء)۔ **الوثائق السیاسیہ**۔ بیروت، لبنان: دارالارشاد، ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء۔

۵۳۔ **حمیدی**، ابو بکر عبداللہ بن زبیر (م۲۱۹ھ/۸۳۴ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ + قاہرہ، مصر: مکتبۃ المتنبی۔

۵۴۔ **ابو حیان**، محمد بن یوسف اندلسی غرناطی (۶۵۴۔۷۵۴ھ)۔ **البحر المحیط**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۵۵۔ **خالد اتاسی۔ شرح المجلہ**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبۃ الاسلامیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۵۶۔ **ابن خزیمہ**، ابو بکر محمد بن اسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/ ۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء۔

۵۷۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲۔ ۴۶۳ھ/ ۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ **تاریخ بغداد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۵۸۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲۔ ۴۶۳ھ/ ۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ **موضح أوہام الجمع والتفریق**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۷ھ۔

۵۹۔ **خطیب تبریزی**، محمد بن عبداللہ۔ **مشکوٰۃ المصابیح**۔ بیروت، لبنان، دارالفکر، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۶۰۔ **خلال**، ابو بکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید (۲۳۴۔۳۱۱ھ)۔ **السنۃ**۔ ریاض، سعودی عرب: ۱۴۱۰ھ۔

۶۱۔ **ابن خیاط**، ابوعمرو خلیفہ لیثی عصفری (۱۶۰۔۲۴۰ھ)۔ **الطبقات**۔ ریاض، سعودی عرب: دار طیبہ، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

۶۲۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲۔ ۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۶۳۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲۔ ۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **کتاب المراسیل**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۸ھ۔

۶۴۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲۔ ۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **کتاب المراسیل**۔ لاہور، پاکستان: مکتبۃ العلمیہ۔

۶۵۔ **دار قطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔ ۳۸۵ھ/ ۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

۶۶۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۶۷۔ **دسوقی**، محمد عرفہ۔ **حاشیۃ علی الشرح الکبیر**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر۔

۶۸۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۶۹۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ/ ۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء)۔ **سیر أعلام النبلاء**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء۔

۷۰۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ/ ۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء)۔ **میزان الاعتدال فی نقد الرجال**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۵ء۔

۷۱۔ **رازی**، محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **التفسیر الکبیر**۔ طہران، ایران: دارالکتب العلمیہ۔

۷۲۔ **رازی**، محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **المحصول فی علم الاصول**۔ بیروت، لبنان: المکتبۃ العصریہ۔

۷۳۔ **رازی**، محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **المحصول فی علم الاصول**۔ ریاض، سعودی عرب: جامعہ امام محمد بن سعود اسلامیہ، ۱۴۰۰ھ۔

۷۴۔ **ابن راہویہ**، ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن عبد اللہ (۱۶۱۔۲۳۷ھ/ ۷۷۸۔۸۵۱ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الایمان، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۷۵۔ **ربیع**، ابن حبیب بن عمر بصری ازدی۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان، دارالحکمۃ، ۱۴۱۵ھ۔

۷۶۔ **ابن رجب حنبلی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶۔۷۹۵ھ)۔ **جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۴۰۸ھ۔

۷۷۔ **ابن رُشد**، ابو ولید محمد بن احمد بن محمد قرطبی (م ۵۹۵ھ)۔ **بدایۃ المجتھد**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ الکلیات الازہریہ، ۱۹۷۴ء۔

۷۸۔ **ابن رُشد**، ابو ولید محمد بن احمد بن محمد قرطبی (م۵۹۵ھ)۔ **بدایۃ المجتھد**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر۔

۷۹۔ **رویانی**، ابو بکر محمد بن ہارون (م ۳۰۷ھ)۔ **المسند**۔ قاہرہ، مصر: مؤسسہ قرطبہ، ۱۴۱۶ھ۔

۸۰۔ **زرعی**، ابوعبد اللہ محمد ابو بکر بن قیم (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ **احکام اہل الذمہ**۔ بیروت، لبنان: دارابن حزم، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء۔

۸۱۔ **زرعی**، ابو عبد اللہ محمد ابو بکر بن قیم (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ **حاشیہ ابن قیم**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۸۲۔ **زرقانی**، ابوعبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ھ/ ۱۶۴۵۔۱۷۱۰ء)۔ **شرح المواہب اللدنیہ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۸۳۔ **زرقانی**، ابوعبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ھ/ ۱۶۴۵۔۱۷۱۰ء)۔ **شرح الموطا**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ۔

۸۴۔ **زرکشی**، ابوعبد اللہ محمد بن بہادر بن عبد اللہ (۷۴۵/۷۹۴ھ)۔ **المنثور فی القواعد**۔ کویت: وزارۃ الاوقاف و الشؤن الاسلامیہ، ۱۴۰۵ھ۔

۸۵۔ **زمخشری**، جار اللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۶۷۔۵۳۸ھ)۔ **الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل**۔ قاہرہ، مصر: ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء۔

۸۶۔ **زیلعی**، ابو محمد عبداللہ بن یوسف حنفی (م۷۶۲ھ)۔ **نصب الرایۃ لأ حادیث الہدایہ**۔ مصر: دارالحدیث، ۱۳۵۷ھ۔

۸۷۔ **سرخسی**، شمس الدین ابو بکر محمد بن اسماعیل۔ **المبسوط**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ للطباعہ والنشر، ۱۴۰۶ھ۔

۸۸۔ **ابن سعد**، ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ/۷۸۴۔۸۴۵ء)۔ **الطبقات الکبریٰ**۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۸۹۔ **سعید بن منصور**، ابوعثمان خراسانی (م۲۲۷ھ)۔ **السنن**۔ انڈیا: دار سلفیہ، ۱۹۸۲ء۔

۹۰۔ **سلمی**، عبدالعزیز بن عبد السلام سلمی۔ **قواعد الاحکام فی مصالح الانام**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الریان۔

۹۱۔ **سیواسی**، محمد بن عبد الواحد (م ۶۸۱ھ)۔ **شرح فتح القدیر**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۹۲۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۹۳۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **شرح سنن ابن ماجہ**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ۔

۹۴۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الدیباج**۔ الخبر، سعودی عرب: دار ابن عفان، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۹۵۔ **شاشی**، ابوسعید ہیثم بن کلیب بن شریح (م ۳۳۵ھ/۹۴۶ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم و الحکم، ۱۴۱۰ھ۔

۹۶۔ **شاطبی**، ابو الحق ابراہیم بن موسی۔ **الموافقات**۔ قاہرہ، مصر: مطبعہ مدنی۔

۹۷۔ **شافعی**، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان قرشی (۱۵۰۔۲۰۴ھ / ۷۶۷۔۸۱۹ء)۔ **اَلاُمّ**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۹۳ھ۔

۹۸۔ **شافعی**، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان قرشی (۱۵۰۔۲۰۴ھ / ۷۶۷۔۸۱۹ء)۔ **السنن الماثورہ**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۶ھ۔

۹۹۔ **شافعی**، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (۱۵۰۔۲۰۴ھ / ۷۶۷۔۸۱۹ء)۔ **المسند** ۔ بیروت لبنان: دار الکتب العلمیہ

۱۰۰۔ **شامی**، محمد بن محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی (۱۲۴۴۔۱۳۰۶ھ)۔ **رد المحتار علی الدر المختار**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ ماجدیہ: ۱۳۹۹ھ۔

۱۰۱۔ **شروانی**، عبد الحمید۔ **حواشی**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۱۰۲۔ **شمس الحق**، ابو طیب محمد عظیم آبادی۔ **عون المعبود شرح سنن أبی داؤد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ۔

۱۰۳۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ / ۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ **إرشاد الفحول**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء۔

۱۰۴۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ / ۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ **فتح القدیر**۔ مصر: مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ، ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۴ء۔

۱۰۵۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ / ۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ **نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء۔

۱۰۶۔ **شہاب**، ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم قضاعی (م ۴۵۴ھ / ۱۰۶۲ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۶ء۔

۱۰۷۔ **شیبانی،** ابوبکر احمد بن عمرو بن ضحاک بن مخلد (۲۰۶۔۲۸۷ھ/۸۲۲۔۹۰۰ء)۔ **الآحاد والمثانی۔** ریاض، سعودی عرب: دار الرایہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء۔

۱۰۸۔ **شیبانی،** ابوبکر احمد بن عمرو بن ضحاک بن مخلد (۲۰۶۔۲۸۷ھ/۸۲۲۔۹۰۰ء)۔ **الزہد۔** قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث، ۱۴۰۸ھ۔

۱۰۹۔ **شیبانی،** ابو عبد اللہ محمد بن حسن (۱۲۳۔۱۸۹ھ)۔ **الحجہ۔** بیروت، لبنان: عالم الکتب، ۱۴۰۳ھ۔

۱۱۰۔ **شیبانی،** ابو عبد اللہ محمد بن حسن (۱۳۲۔۱۸۹ھ)۔ **الحجہ۔** لاہور، پاکستان: دار المعارف نعمانیہ۔

۱۱۱۔ **شیبانی،** ابوعبداللہ محمد بن حسن (۱۳۲۔۱۸۹ھ)۔ **المبسوط۔** کراچی، پاکستان: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ۔

۱۱۲۔ **ابن ابی شیبہ،** ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ **المصنف۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۱۱۳۔ **صالح،** ڈاکٹر محمد بن احمد۔ **الطفل فی الشریعۃ الاسلامیہ۔** قاہرہ، مصر: مطبعہ نہضہ۔

۱۱۴۔ **ابن ضویان،** ابراہیم بن محمد بن سالم (۱۲۷۵۔۱۳۵۳ھ)۔ **منار السبیل۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ۔

۱۱۵۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **مسند الشامیین۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء۔

۱۱۶۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الاوسط۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء۔

۱۱۷۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الصغیر۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء۔

۱۱۸۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔

المعجم الکبیر۔ موصل، عراق: مطبعۃ الزہراء الحدیثۃ۔

۱۱۹۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ۔

۱۲۰۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **تاریخ الامم والملوک**۔ بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۲۱۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **جامع البیان فی تفسیر القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۱۲۲۔ **طحاوی**، ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ (۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ **شرح معانی الآثار**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۱۲۳۔ **طحاوی**، ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ (۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ **مشکل الآثار**۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۱۲۴۔ **طیالسی**، ابو داؤد سلیمان بن داؤد جارود (۱۳۳۔۲۰۴ھ/ ۷۵۱۔۸۱۹ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۲۵۔ **عبد الباقی**، ابوحسین بن قانع (۲۶۵۔۳۵۱ھ)۔ **معجم الصحابہ**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الغرباء الاثریہ، ۱۴۱۸ھ۔

۱۲۶۔ **ابن عبد البر**، ابوعمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ۔

۱۲۷۔ **ابن عبد البر**، ابوعمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ **التمہید**۔ مغرب (مراکش): وزات عموم الأوقاف والشؤون الإسلامیہ، ۱۳۸۷ھ۔

۱۲۸۔ **عبد الرزاق**، ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ **المصنف**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۱۲۹۔ **عبداللہ**، ابن احمد بن حنبل شیبانی (۲۱۳۔۲۹۰ھ)۔ **السنہ**۔ دمام، سعودی عرب: دار

ابن قیم، ۱۴۰۶ھ۔

۱۳۰۔ **عبد بن حمید**، ابو محمد بن نصر کسی (م ۲۴۹ھ/۸۶۳ء)۔ **المسند**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۱۳۱۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ **کشف الخفا و مزیل الالباس**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۳۲۔ **عدوی**، علی صعیدی مالکی۔ **حاشیہ علی شرح کفایۃ الطالب الربانی**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۲ھ۔

۱۳۳۔ **ابن عدی**، ابو احمد عبداللہ بن عدی بن عبداللہ محمد بن مبارک جرجانی (۲۷۷۔۳۶۵ھ)۔ **الکامل فی معرفۃ ضعفاء المحدثین**۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ، ۱۹۹۳ء۔

۱۳۴۔ **ابن عساکر**، ابو قاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی (۴۹۹۔ ۵۷۱ھ/ ۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء)۔ **تاریخ دمشق الکبیر (تاریخ ابن عساکر)**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۱۳۵۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن حجر بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **الاصابہ فی تمییز الصحابہ**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۱۳۶۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن حجر بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی + عمان + اُردن: دار عمار، ۱۴۰۵ھ۔

۱۳۷۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن حجر بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **تلخیص الحبیر**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء۔

۱۳۸۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن حجر بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **تہذیب التہذیب**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۱۳۹۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن حجر بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۴۰۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن حجر بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباری**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۴۱۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن حجر بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **ہدی الساری مقدمہ فتح الباری**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۷۹ھ۔

۱۴۲۔ **علاؤ الدین سمرقندی**، محمد بن احمد بن ابی احمد۔ **تحفۃ الفقہاء**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۵ھ۔

۱۴۳۔ **عمر فروخ**۔ **تاریخ الجاہلیہ**۔ بیروت، لبنان: دار العلم، ۱۹۶۴ء۔

۱۴۴۔ **ابوعوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔ ۹۲۸ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۱۴۵۔ **فاکہی**، ابوعبد اللہ محمد بن اسحاق بن عباس مکی (م ۲۷۲ھ/ ۸۸۵ء)۔ **اخبار مکہ فی قدیم الدہر وحدیثہ**۔ بیروت، لبنان: دار خضر، ۱۴۱۴ھ۔

۱۴۶۔ **فتاوی عالمگیری (الفتاویٰ الہندیہ)**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۴۷۔ **ابن قدامہ**، ابو محمد عبد اللہ بن احمد مقدسی (م ۶۲۰ھ)۔ **المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل الشیبانی**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۱۴۸۔ **ابن قدامہ**، ابو محمد عبد اللہ بن احمد مقدسی (م ۶۲۰ھ)۔ **المقنع**۔ المطبعۃ السّلفیہ۔

۱۴۹۔ **قرشی**، ابو بکر عبد اللہ بن محمد (۲۰۸۔۲۸۱ھ)۔ **مکارم الاخلاق**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ القرآن، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۵۰۔ **قرطبی**، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ بن مفرج اُموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ **الجامع لاحکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۵۱۔ **قزوینی**، ابو یعلیٰ خلیل بن عبد اللہ بن احمد خلیلی (۳۶۷۔۴۴۶ھ)۔ **الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۱۵۲۔ **قزوینی**، عبدالکریم بن محمد الرافعی۔ **التدوین فی اخبار قزوین**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۷ء۔

۱۵۳۔ **ابن قیسرانی**، ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد مقدسی (۴۴۸۔۵۰۷ھ/ ۱۰۵۶۔ ۱۱۱۳ء)۔ **تذکرۃ الحفاظ**۔ ریاض، سعودی عرب: دار الصمیعی، ۱۴۱۵ھ۔

۱۵۴۔ **ابن قیم**، ابو عبد اللہ محمد ابو بکر زرعی (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ **زاد المعاد فی ہدی خیر العباد**۔ کویت: مکتبۃ المنار الاسلامیہ، ۱۹۸۶ء۔

۱۵۵۔ **کاسانی**، علاؤ الدین ابو بکر (م ۵۸۷ھ)۔ **بدائع الصنائع**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء۔

۱۵۶۔ **کاسانی**، علاؤ الدین ابو بکر (م ۵۸۷ھ)۔ **بدائع الصنائع**۔ کراچی، پاکستان: ایچ ایم سعید کمپنی۔

۱۵۷۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **البدایہ و النہایہ**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۵۸۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ بیروت، لبنان: دار

المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۵۹۔ **کشکی**، محمد عبدالرحیم۔ **المیراث المقارن**۔

۱۶۰۔ **کنانی**، احمد بن ابی بکر بن اسماعیل (۷۶۲۔۸۴۰ھ)۔ **مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجہ**۔ بیروت، لبنان: دار العربیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۱۶۱۔ **کونستان ورژل جارج**۔ **پیغمبر اسلام**۔ کراچی، پاکستان: شمع بک ایجنسی۔

۱۶۲۔ **گستاؤلی بان**، **تمدن عرب**۔ آگرہ، بھارت: مفید عام پریس، ۱۸۹۶ء۔

۱۶۳۔ **مالک**، ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔ ۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ **المدونۃ الکبریٰ**۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۱۶۴۔ **مالک**، ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔ ۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ **المدونۃ الکبریٰ**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر للطباعہ و النشر والتوزیع، ۱۹۸۰ء۔

۱۶۵۔ **مالک**، ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔ ۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ **الموطا**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۶۶۔ **مدینی**، ابوموسیٰ محمد بن عمر اصبہانی (۵۰۱۔۵۸۱ھ)۔ **نزہۃ الحفاظ**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، ۱۴۰۶ھ۔

۱۶۷۔ **عینی**، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود (۷۶۲۔۸۵۵ھ/ ۱۳۶۱۔۱۹۵۱ھ)۔ **عمدۃ القاری**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۱۶۸۔ **ابن ماجہ**، ابوعبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/ ۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۶۹۔ **ماوردی**، ابوحسن علی بن محمد۔ **الاحکام السلطانیہ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ،

۱۳۹۸ھ۔

۱۷۰۔ **ابن مبارک**، ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن واضح مروزی (۱۱۸۔۱۸۱ھ/ ۷۳۶۔ ۷۹۸ء)۔ ***کتاب الزہد***۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۷۱۔ **مبارک پوری**، ابو العلاء محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم (۱۲۸۳۔۱۳۵۳ھ)۔ ***تحفۃ الاحوذی***۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۷۲۔ **محمود شکری**، آلوسی۔ **بلوغ الارب فی احوال العرب**۔ مترجم: ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ لاہور، پاکستان: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۷ء۔

۱۷۳۔ **ابو المحاسن**، یوسف بن موسیٰ حنفی۔ ***معتصر المختصر***۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب۔

۱۷۴۔ **محلی**، جلال الدین محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن احمد بن ہاشم (۷۹۱۔۸۶۴ھ/ ۱۳۸۹۔۱۴۵۹ء)۔ + سیوطی، ......***تفسیر الجلالین***۔ کراچی، پاکستان: تاج کمپنی لمیٹڈ۔

۱۷۵۔ **مرغینانی**، برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر۔ ***الہدایہ***۔ کراچی، پاکستان: محمد علی کارخانہ اسلامی کتب۔

۱۷۶۔ **مروزی**، ابوعبد اللہ محمد بن عمر بن حجاج (۲۰۲۔۲۹۴ھ)۔ ***تعظیم القدر الصلوۃ***۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الدار، ۱۴۰۶ھ۔

۱۷۷۔ **مزی**، ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن یوسف بن عبد الملک بن یوسف بن علی (۶۵۴۔۷۴۲ھ/ ۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ ***تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف***۔ ممبئی، بھارت: الدار القیمہ + بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء۔

۱۷۸۔ **مزی**، ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن یوسف بن عبد الملک بن یوسف بن علی (۶۵۴۔۷۴۲ھ/ ۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ ***تہذیب الکمال***۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۷۹۔ **مسلم**، ابو الحسین ابن الحجاج بن مسلم بن ورد قشیری نیشاپوری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ ***الصحیح***۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۸۰۔ **مقدسی**، ابوعبداللہ بن محمد بن مفلح (۷۱۷۔۷۶۲ھ)۔ **الفروع**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۸ھ۔

۱۸۱۔ **مقدسی**، محمد بن عبد الواحد بن احمد بن عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن منصور سعدی حنبلی (م ۵۶۹۔۶۴۳ھ/۱۱۷۳۔۱۲۴۵ء)۔ **الاحادیث المختارہ**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبۃ النہضۃ الحدیثۃ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۸۲۔ **ابن ملقن**، عمر بن علی انصاری (۷۲۳۔۸۰۴ھ)۔ **خلاصۃ البدر المنیر فی تخریج کتاب الشرح الکبیر للرافعی**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشید، ۱۴۱۰ھ۔

۱۸۳۔ **مناوی**، عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ/۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر**۔ مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۱۸۴۔ **ابن مندہ**، ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن یحییٰ (۳۱۰۔۳۹۵ھ/۹۲۲۔۱۰۰۵ء)۔ **الایمان**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۶ھ۔

۱۸۵۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱۔۶۵۶ھ/۱۱۸۵۔ ۱۲۵۸ء)۔ **الترغیب و الترہیب**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۱۸۶۔ **نسائی**، ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء۔

۱۸۷۔ **نسائی**، ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن الکبریٰ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء۔

۱۸۸۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔

۴۳۰ھ/ ۹۴۸-۱۰۳۸ء)۔ **حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۸۹۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸-۱۰۳۸ء)۔ **مسند الامام ابی حنیفہ**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الکوثر، ۱۴۱۵ھ۔

۱۹۰۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸-۱۰۳۸ء)۔ **المسند المستخرج علی صحیح مسلم**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۶ء۔

۱۹۱۔ **نفراوی**، احمد بن غنیم بن سالم۔ **الفواکہ الدوانی**۔ مصر: مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۵ء۔

۱۹۲۔ **نووی**، ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱-۶۷۷ھ/۱۲۳۳-۱۲۷۸ء)۔ **تہذیب الاسماء و اللغات**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۹۳۔ **نووی**، ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱-۶۷۷ھ/۱۲۳۳-۱۲۷۸ء)۔ **شرح صحیح مسلم**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء۔

۱۹۴۔ **نووی**، ابوعبد المعطی محمد بن عمر بن علی جاوی۔ **نہایۃ الزین**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۱۹۵۔ **واسطی**، اسلم بن سہل (م ۲۹۲ھ)۔ **تاریخ واسط**۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، ۱۴۰۶ھ۔

۱۹۶۔ **واقدی**، محمد بن عمر بن واقد۔ **المغازی**۔ بیروت، لبنان: نشر دانش اسلامی، ۱۴۰۵ھ۔

۱۹۷۔ **ابن ہشام**، ابو محمد عبد الملک حمیری (م۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء)۔ **السیرة النبویہ**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۱ھ۔

۱۹۸۔ **ابن ہمام**، کمال الدین بن محمد بن عبد الواحد (م ۶۸۱ ھ)۔ **فتح القدیر**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ رشیدیہ۔

۱۹۹۔ **ہناد**، ابن سری کوفی (۱۵۲۔۲۴۳ ھ)۔ **الزہد**۔ کویت: دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، ۱۴۰۶ھ۔

۲۰۰۔ **ہندی**، علاء الدین علی متقی حسام الدین (م ۹۷۵ھ)۔ **کنز العمال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۲۰۱۔ **ہواوینی**، نجیب۔ **مجلة الاحکام العدلیہ**۔ کارخانہ تجارت کتب۔

۲۰۲۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ **مجمع الزوائد**۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۲۰۳۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ **موارد الظمآن إلٰی زوائد ابن حبان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۲۰۴۔ ہیکل، محمد حسین، **الفاروق عمر** رضی اللہ عنہ۔ مصر: دار المعارف۔

۲۰۵۔ **ابو یعلیٰ**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المسند**۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۲۰۶۔ **ابو یعلیٰ**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المعجم**، فیصل آباد، پاکستان: ادارة العلوم والاثریہ، ۱۴۰۷ھ۔

۲۰۷۔ **ابو یوسف**، یعقوب بن ابراہیم (م ۱۸۲ھ)۔ **کتاب الخراج**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

208. Anthony Arnull, *The European Union & its Court of Justice*, 1999.

209. Arnold. T.W., *The Preaching of Islam*, London, 1913.

210. Blackstone, W., *Commentaries on the Laws of England*, Book I.

211. Brifault, Robert, *The Making of Humanity* London, 1919.

212. Cecilia Morgan, *An Embarrassingly and Severely Masculine Atmosphere: Women, Gender and the Legal Profession at Osgood Hall*, 1920s-1960s (1996), 11 Canadian Journal of Law and Society 19.

213. *Encyclopedia Britannica*, William Benton Pb., London, 1973

214. Francis D. Wormuth, *The Organs of Modern Constitutionalism*, Harper & Brothers Pb., NY, 1949.

215. Gastil, Raymond D, *Freedom in the World*, Freedom House, New York, 1980.

216. Hanry Marsh, *Documents of Liberty* England, 1971.

217. Hopfeld, Wesley Newcomb, *Fundamental Legal Conception*, OUP, London, 1934.

218. *House of Commons Debates*, 16 Feb 2000, Research Paper House of Commons Library

219. *Human Rights in the European Union: The Charter of Fundamental Rights*, House of Commons Library, Research Paper 32, 20 March 2000.

220. Inter-Parliamentary Union (IPU) 1995., *Women in Parliaments 1945-1995*: A World Statistical Survey. Geneva and IPU (Inter-Parliamentary Union). 2003.

221. James Macgregor Burns et al., *Government by the People*, 15th ed. Englewood Cliffs: Prentice Hall, 1993.

222. John M. Blum et al., *The National Experience: A History of the United States*, 8th ed. Ft. Worth: Harcourt, 1993.

223. Kerber, *Women of the Republic: Intellect and Ideology in Revolutionary America*, Chapel Hill: University of North Carolina Press, 1980.

224. Laski, Harlod J., *Liberty in the Modern State*, Harper & Brothers, 1930.

225. Levine, Andrew, *Human Rights & Freedom, The Philosophy of Human Rights*, ed. S. Rosenbaum. Aldwych Press, London

226. Lorna C. Mason et al., *History of the United States*, vol. 1: Beginnings to 1877 , Boston: Houghton Mifflin, 1992.

227. Milton C. Cummings and David Wise, *Democracy Under Pressure: An Introduction to the American Political System*, 7th ed. Fort Worth: Harcourt Brace, 1993.

228. Paton, G., *Textbook of Jurisprudence*, 4th ed. OUP, London, 1972, p-392.

229. Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, Macmillan Education Ltd., London.

230. *Reader's Digest Library of Modern Knowledge*, Vol-2, 25 Berkeley Square, London, 1979.

231. Richard N. Current et al., *American History: A Survey*, 7th ed. New York: Knopf, 1987.

232. Roger Cotterrell, *The Sociology of Law*, 2nd ed. Butterworths, London, 1992.

233. Ronald Segal, *Islamic Black Slaves*, Farrar, Straus & Giroux, 2002.

234. Seighart, Paul, *The International Law of Human*

Rights, Clareedon Press, Oxford, 1985.

235. *The African Charter of Human & Peoples Rights*, 1981.

236. *The American Declaration of Rights & Duties of Man*, 1948.

237. *The European Convention for the Protection of Human Right*, 1950.

238. *The Hutchinson Encyclopedia*, Helicon Publishing Ltd., 42 Hythe Bridge Street, Oxford, 1998.

239. *The International Covenants on Civil & Political Rights*, 1966.

240. *The Vienna Declaration*, 1993, UN, NY, 1995.

241. Toynbee, A. J., *Civilization on Trail*, New York.

242. *UN Report 1980 quoted in Contemporary Political Ideologies*: Roger Eatwell & Anthony Wright, Westview Press, San Francisco, 1993.

243. *Universal Declaration of Human Rights*, UNO, 1948,

244. Vasak, Karel, *The Council of Europe*, UNESCO, Greenwood Press, Westport, Connecticut, 1982.

245. Von Boven, C. Theodore, *Survey of International Law of Human Rights*, "The International Dimension of Human Rights, ed. Karel Vasak, Unesco.

246. World Conference on Human Rights, *The Vienna Declaration*, June 1993, UNO, NY, 1995.

247. http://www.calvarychapel.com/library/Reference/Social/DivorceStatistics.htm, 15 March 2002, 0200 PST.

248. http://www.divorcemag.com/statistics/statsworld.shtml, 15 March 2002, 0200 PST.

249. http://www.divorcenter.org/faqs/stats.htm, 15 March 2002,0200 PST.

250. http://www.divorcereform.org/black.html, 15 march 2002,0200 PST.

251. http://www.ifas.org/fw/9607/statistics.html, 15 March 2002, 0200PST.

252. http://www.odh.state.oh.us/Data/whare/mar div/MGlance.htm, 15 March 2002, 0200 PST.